سلسلہ تاریخ اختلاف امت

(۱)

# خلافتِ معاویہؓ و یزیدؒ

یعنی

اُموی خلافت کا پس منظر، سیرۃ معاویہؓ و یزید بن معاویہؒ، حادثہ کربلا و فتنہ حرہ پر بے لاگ تحقیق و ریسرچ

مؤلفہ

محمود احمد عباسی

قیمت:

| | | |
|---|---|---|
| طبع اوّل | مئی ۱۹۵۹ء | ۱۰۰۰ |
| 〃 دوم | جولائی ۱۹۵۹ء | ۱۰۰۰ |
| 〃 سوئم | جنوری ۱۹۶۱ء | ۲۰۰۰ |
| 〃 چہارم | جون ۱۹۶۲ء | ۱۰۰۰ |

یہ کتاب ان مقامات سے دستیاب ہو سکتی ہے

کراچی :۔ مکتبہ محمود۔ ۲/۴ بی ایریا۔ لیاقت آباد۔ کراچی ۱۹
〃 :۔ سلطان حسین اینڈ سنز۔ مقابل مولوی مسافر خانہ بندر روڈ۔ کراچی

لاہور :۔ مکتبہ علم وحکمت۔ سوتر منڈی۔ لاھور

ملتان :۔ مکتبہ نادرۃ الادب اسلامی۔ ۳۲۰۲۔ کوٹ تغلق شاہ۔ ملتان

ناشر

محمود احمد عباسی۔ کاشانہ محمود۔ ۲/۴ بی ایریا۔ لیاقت آباد۔ کراچی

طابع

جاوید پرنٹنگ پریس۔ میکلوڈ روڈ۔ کراچی




# فہرست مندرجات

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

# عرض مؤلف

## (طبع چہارم)

دسمبر ۱۹۶۰ء میں ہائی کورٹ کی مکمل بینچ خصوصی کے متفقہ فیصلہ سے حکم ضبطی کے منسوخ کردیئے جانے کے چند ہفتے بعد جب یہ کتاب تیسری بار چھپنے لگی پلیٹوں سے چربے اس غرض سے اتروا لئے تھے کہ آئندہ طباعت میں کام آئیں۔ کتابت دوبارہ نہ کرانی پڑے مگر وہ جو قول مشہور ہے تدبیر کنند بندہ تقدیر کند خندہ " مطبع ہی کے ذمہ دار کارکن کی غفلت اور بدمعاملگی سے وہ سب چربے ہی ضایع نہ گئے چھپائی بھی ناقص ہوئی۔ کاغذ بھی خراب لگا۔ بایںہمہ تیسرے ایڈیشن کے سب نسخے ان نقائص کے باوجود نو دس مہینے میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اور طلب و مانگ برابر جاری ہے۔ اب اس چوتھے ایڈیشن کے لئے قدرے بڑے سائز پر کتابت از سرنو کرائی گئی جس میں کئی مہینے لگ گئے شائقین کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی لیکن اس عرصہ میں کتاب کی دوسری مبسوط جلد "تحقیق مزید" شایع ہوگئی جو بڑے سائز کے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور جس میں دیگر اہم تاریخی انکشافات کے علاوہ بعض ان واقعات و حالات کی جو اس پہلی جلد میں بنظر اختصار مجملاً بیان ہوئے ہیں تفصیلات بھی ہیں اس کتاب میں بھی "توضیحات" کے عنوان سے بعض ضروری مطالب کا اضافہ ہے۔ یہ دونوں جلدیں۔ "خلافت معاویہؓ و یزید" اور "تحقیق مزید" مناظرہ و مجادلہ کی نہیں تاریخی تحقیق (ریسرچ) کی ہیں ان میں اسلامی تاریخ کے اہم دور کے وہ رُخ بھی پیش کردیئے ہیں جو اب تک مخفی اور مجہول تھے یا مجہول رکھے گئے تھے۔ یہ ایک ریسرچ ہے اور اس طرح کی ریسرچ ہوتی رہیگی۔ غلط تحقیقات کو زمانہ باقی نہ رہنے دیگا اور حقائق نئی نئی شکلوں میں اُبھر کر سامنے آتے رہیں گے کیونکہ یہی ارتقاء کا اور عصر حاضر کی علمی ترقی و تحقیقات کا تقاضا ہے تاریخ ایک علمی سرمایہ ہے اور اسلامی ثقافت و مذہب کے بعض اہم اجزا اس سے وابستہ ہیں۔ لیکن قرآن کی طرح نہ اس پر ایمان بالغیب لایا جاسکتا ہے اور نہ اسے انسانی کمزوریوں سے خالی قرار دیا جاسکتا ہے۔ کمزور و وضعی روایت کی تصویب و تردید اور صحیح و قوی روایت پر تنقید کا ہر شخص کو حق ہے ہم نے اسی حق سے کام لیا ہے اور یہ حق دوسروں کو بھی حاصل ہے۔ ہماری تحقیق بھی تنقید سے بالاتر نہیں اس پر جو تنقید کی جائے ـــــ بشرطیکہ واقعی علمی ہو نہ محض سب و شتم ـــــ ہم اس کی قدر کریں گے۔ تاریخی ریسرچ کی ان تصانیف کا تعلیم یافتہ طبقوں میں خصوصاً جس خوش دلی سے خیر مقدم کیا گیا ہے اور ڈیڑھ دو سال کے قلیل عرصہ میں یکے بعد دیگرے چار ایڈیشن پہلی جلد کے شائع ہوئے ہیں وہ اس بات کا قوی ثبوت ہے کہ طرح طرح کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے باوجود اس کتاب نے اپنا واجبی مقام حاصل کرلیا ہے۔

ماہنامہ میثاق (لاہور) محترمی مولانا امین احسن اصلاحی صاحب جیسے ممتاز عالم دین کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے اس کے تازہ شمارے بابت ماہ مئی سنہ ۶۲ء میں ان تصانیف پر جو تبصرہ

کیا گیا ہے اس کے چند فقرات ذیل میں نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے
"آج سے دو سال قبل بہت کم لوگ محمود احمد عباسی صاحب
کو جانتے تھے لیکن اب اہل علم کے طبقوں سے وابستہ شاید ہی
کوئی پڑھا لکھا آدمی ہوگا جو عباسی صاحب اور ان کی شہرہ آفاق
تصنیف خلافت معاویہ و یزید سے بے خبر ہو۔ یہ کتاب ایک
ایسے نازک مسئلہ سے متعلق تھی جس کے ساتھ لوگوں کو عقل سے
زیادہ جذباتی اور سیاسی دلچسپی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حلقوں سے
اس کی شدید مخالفت ہوئی اور فی الواقع ایسی شکل پیدا ہو گئی کہ اسکی
تعریف کرنا خواہ مخواہ اپنے لئے مشکلات کے دروازے کھول
لینے کے مترادف بن گیا۔ ہمارے نزدیک گروہی عصبیتوں یا
سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اگر کسی محققانہ تصنیف کی مخالفت کی
جائے یا اس کے مصنف کی حوصلہ شکنی کی جائے تو یہ خود علم
کی بیقدری ہے۔ پھر اس بیقدری کے ذمہ دار جب خود اہل علم ہوں
تو اس کی قباحت دوچند ہو جاتی ہے لیکن چیز اچھی ہو تو اپنا وزن منوا
کے رہتی ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب کی کتاب نے بھی ان تمام مخالفتوں
کا مقابلہ کر کے اپنا مقام اب تسلیم کرا لیا ہے۔
"خلافت معاویہ و یزید" کا بنیادی نقطۂ نظر، جیسا کہ میثاق کے
قارئین جانتے ہونگے یہ ہے کہ حادثۂ کربلا کے جو واقعات شیعہ
ذاکروں کی زبان سے سُنے جاتے ہیں یا عام تاریخ کی کتابوں میں پائے
جاتے ہیں وہ من و عن صحیح نہیں ہیں بلکہ انکے بیان میں بہت سی
حقیقتوں پر پردہ ڈال کر من گھڑت قصوں کا سہارا لیا گیا ہے۔
عباسی صاحب نے تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر ان من گھڑت
قصوں کی حقیقت واضح کر دی ہے اور جو اصلی حقائق ہیں ان کو نہا



وضاحت اور نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک
فاضل مصنف کے یہ نتائج تحقیق اتنے نادر نہیں جتنے نادر سمجھ کر انکے مخالفین نے
درجنوں کتابیں انکے خلاف تصنیف کر ڈالی ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ فاضل مصنف
نے خلافت راشدہ کے آخری دور اور بنی اُمیہ کے زمانہ کی تاریخ کا نہایت گہرا مطالعہ
کیا ہے اور اپنے نتائج تحقیق اتنے جزم اور اعتماد کے ساتھ پیش کئے ہیں اور
اپنے دلائل کا اسقدر انبار لگا دیا ہے کہ انہیں مسئلہ زیر بحث پر پچھلے محققین
کے پہلو بہ پہلو ایک سند کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ خلافت معاویہ و یزید اردو
زبان میں پہلی کتاب ہے جو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نقطۂ نظر کو نسبتاً زیادہ منقح
صورت میں پیش کرتی ہے: خلافت معاویہ و یزید کو پڑھکر ہم اس رائے کو بالکل
مبنی بر انصاف نہیں سمجھتے کہ عباسی صاحب نے ذہن میں پہلے سے یزید کی پاکدامنی
اور حضرت حسینؓ کے موقف کی غلطی کا تصور بٹھا لیا ہے اور بعد میں اسے ثابت
کرنے کیلئے من مرضی سے دلائل جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر انہوں نے
ضرورت محسوس کی ہے تو بعض اقتباسات کی قطع و برید کرنے سے بھی باز نہیں آئے ہیں
ہماری رائے یہ ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب ایک غیر جانبدار محقق کی حیثیت سے تحریر
کی ہے۔ انہوں نے ہر واقعہ کی صرف وہی توجیہ قبول کی ہے جو انکی تحقیق کے کڑے معیار پر
پوری اتر سکی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اسکا اونچا معیار
تحقیق ہی ہے عباسی صاحب نے نہایت محنت کر کے ان لوگوں کا سراغ لگایا ہے جنکے
ذریعہ سے ہماری تاریخ میں بہت سی بے سروپا باتیں داخل ہوئی ہیں اور فتنوں کا
موجب بنی ہیں انکی تحقیق کے مطابق حادثہ کربلا سے متعلق جو روایات زبان زد
عوام ہیں وہ بیشتر محمد بن السائب کلبی، ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی اور ہشام
بن محمد کلبی کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ ائمہ حدیث و رجال نے ان تینوں راویوں کو کٹر رافضی
کذاب اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔ فاضل مصنف جب واقعات کربلا کی اس معروف بنیاد ہی
کو تسلیم نہیں کرتے تو جب تک کوئی دوسرا محقق ان راویوں کی ثقاہت و امانت
ثابت نہ کر دے عباسی صاحب کی کسی دلیل کو توڑنا اسکے لئے ممکن نہیں

زیرِ نظر کتاب تحقیق مزید خلافت معاویہ و یزید ہی کے سلسلہ کی دوسری کڑی ہے فاضل مؤلف نے اس کتاب میں بھی بڑی اہم بحثیں اٹھائی ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ازواجِ مطہرات کے علاوہ پونے تین سو صحابہؓ جنہیں اصحابِ عشرہ مبشرہ بدری صحابہؓ اور اصحابِ بیعت الرضوان کی اچھی خاصی تعداد شامل ہے کے مختصر احوال لکھے ہیں جو یزید کی ولیعہدی اور خلافت کے زمانہ تک بقیدِ حیات تھے لیکن ان میں سے کسی نے بھی حضرت حسینؓ کے موقف کی تائید نہیں کی۔ یہاں فاضل مؤلف ایک قاری کیلئے دو راہیں متعین کر دیتے ہیں یا تو وہ حضرت حسینؓ کے موقف کو صحیح سمجھے اور ان تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ کو معاذ اللہ عزیمت سے عاری یا مداہنت کے مرتکب قرار دے یا اسکے برعکس یہ رائے قائم کرے کہ حضرت حسینؓ کو صحیح موقف متعین کرنے میں اضطراب پیش آیا۔ عباسی صاحب یہی دوسرا نقطہ بدلائل پیش کرتے ہیں کتاب کے ایک باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شروع سے اہل بیت میں موروثی خلافت کا تصور پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے بار بار اس بات کی کوشش کی کہ وہ خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں چنانچہ فاضل مصنف نے چوتھی صدی ہجری کے وسط تک قائم خلافتوں کے خلاف علویوں کے چھیاسٹھ خروج بیان کئے ہیں۔ مصنف نے بتایا ہے کہ علویوں کی اس سلسلہ کی کوششوں کا اثر یہ ہوا تھا کہ بعض تحریکیں اور بغاوت کی خاطر بھی انہیں تو انکے بانیوں نے بھی اپنا حسب و نسب علوی ہی بتایا حالانکہ علوی نہ انکے حق میں تھے اور نہ سیاسی طور پر ان سے متفق تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس کتاب میں بیشمار انکشافات ایسے ہیں جو تاریخ کے طالبعلموں کیلئے یقیناً تعجب خیز ہونگے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں نمایاں حصہ زبیر بن عبدالمطلب کا تھا نہ کہ ابو طالب کا۔ زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان تھے۔ ابو طالب کا حضورؐ سے تعلق قبیلہ کی سربراہی کا تھا، حضورؐ کی بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف پانچ برس تھی۔ حضرت حسینؓ کی ازواج میں شہربانو نام کی کوئی ایرانی شہزادی نہ تھی۔ زین العابدینؒ کی والدہ سندھی خاتون تھیں وغیرہ وغیرہ۔

کاشانۂ محمود<br>لیاقت آباد ۔ کراچی

محمود احمد عباسی<br>۱۰ مئی ۱۹۶۳ء



باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

# عرضِ مؤلف

(طبع سوم)

سب سے پہلا یعنی ابتدائی اڈیشن اس کتاب کا مئی ۱۹۵۹ء میں طبع ہوا تھا۔ پھر چند ہی ہفتے بعد دوسرا ماہ جولائی میں کتاب کی ہر طرف سے بڑی مانگ تھی اور شہر میں جگہ جگہ اسی کا چرچا ہے — پاکستان اور بھارت کے علاوہ بعض بیرونی ملکوں (بحرین و برما) سے بھی آرڈر آنے لگے تھے۔ کتاب کی اس کثرت سے مانگ اور غیر معمولی مقبولیت کا واحد سبب اموی خلافت کے ابتدائی عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و ریسرچ اور تاریخ کے مخفی گوشوں کا انکشاف ہے۔ تیرہ سو سال کی طویل مدت میں کسی مورخ اور مصنف نے ان تاریخی واقعات کے بارے میں جن پر صدیوں سے وضعی روایتوں، من گھڑت حکایتوں اور افسانوں کے گہرے پردے پڑے ہوئے ہیں اس نوعیت سے تحقیق و ریسرچ کی جانب توجہ نہیں کی تھی۔

کتاب کا موضوع محض تاریخ اور تاریخی ریسرچ ہے۔ مختلف فرقوں کے مذہبی یا اختلافی مسائل سے اس کا کوئی تعلق ہرگز نہیں۔ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی:

> کتاب محاورہ کیا معنی، مناظرہ کی بھی نہیں اور اس کا موضوع عقاید کی بحث نہیں بلکہ بعض تاریخی حقیقتوں کا انکشاف ہے، جو مسلمات عام اور قدیم کے مخالف ہونے کے باعث تلخ اور ناگوار جتنے بھی معلوم ہوں بہرحال خلاف قانون بلکہ خلاف تہذیب بھی نہیں کہے جا سکتے اور نہ ان کا مقصود بعض محترم شخصیتوں پر کوئی حملہ ہے۔ تاریخی مسلمات پر جرح و تنقید کی حیثیت سے کتاب کی زد جیسی شیعہ تاریخوں پر پڑتی ہے ویسی ہی سنی عالموں کے لکھے ہوئے شہادت ناموں پر (صدق جدید ۲۹ مئی ۱۹۵۹ء)

تاریخی تحقیق وریسرچ کے سلسلہ میں کتاب کی یہ زد جس کا اشارہ مندرجہ بالا اقتباس میں ہے، بلاشبہ ان افسانوں اور وضعی حکایتوں پر پڑی اور پڑنی لازم بھی تھی جو واقعات کی اصل صورت مسخ کرنے کی غرض سے محض سیاسی مقاصد سے وضع ہوئیں اور بمرور زمانہ قوم وملت کی اکثریت کے ذہنی جمود اور توہم پرستی کا سبب بنتی گئیں۔ مفکر اسلام ڈاکٹر اقبال نے شاید عجمی ذہنیت کی اسی قسم کی اختراعات کو خرافات سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

تمدن، تصوف، شریعت، کلام — بتان عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ امت روایات میں کھو گئی

"مجاہد اعظم" کے شیعہ مؤلف تو حادثہ کربلا کے من گھڑت قصوں کے بارے میں واضح طور سے خود ہی کہتے ہیں۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض واقعات جو نہایت مشہور اور سیکڑوں برس سے سنیوں اور شیعوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ سرے سے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ ہم اس کو بھی مانتے ہیں کہ طبقۂ علماء کے بڑے بڑے ارکان، مفسرین ہوں یا محدثین، مورخین ہوں یا دوسرے مصنفین متقدمین ہوں یا متاخرین ان کو یکے بعد دیگرے بلا سوچے نقل کرتے آئے ہیں اور انکی صحت وعدم صحت کو معیار اصول پر نہیں جانچا۔ اس تساہل و تسامح کا نتیجہ یہ ہوا، کہ غلط اور بے بنیاد قصے عوام تو عوام خواص کے اذہان و قلوب میں ایسے راسخ اور استوار ہو گئے کہ اب ان کا انکار گویا بدیہیات کا انکار ہے۔

(مجاہد اعظم ص ۱۶۲)

ان شیعہ مؤلف نے تو کربلا کے دو چار، دس پانچ نہیں، اکٹھے (۲۵) مشہور قصوں پر شد و مد سے جرح و نقد کرتے ہوئے متعدد کو سختی سے غلط و بے بنیاد بتایا ہے۔ اور بعض کو من گھڑت اور مبالغہ آمیز اور صاف صاف کہا ہے کہ ذاکرین نے بکاء و ابکاء کی خاطر بے سر و پا قصے مشہور کر رکھے ہیں۔ مگر برخلاف ان شیعہ مؤلف کے راقم الحروف نے تو صرف اجمالی جائزہ پر اکتفا کیا ہے اور وہ بھی ضمناً کیونکہ مقصد اصلی سیدنا امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کے حالات و واقعات اور سیرت و کردار کو مفتریات واہیہ کے پردے چاک کر دینے کے ساتھ ساتھ انہیں کذب بیانیوں کے خس و خاشاک سے پاک کر کے



اصلی خد و خال میں پیش کرنا اور اس قدیم زمانہ کے تاریخی حالات کو جو خیر القرون ہی کا زمانہ تھا۔ بغیر کسی رنگ آمیزی کے صحت کے ساتھ ترتیب دینا اور بیان کرنا تھا

"خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کے مصنف کی شاید یہ جسارت ہی بعض ارباب جبہ و دستار کی برہمی مزاج کا سبب ہوئی، کیونکہ عجمی ٹکسال کی ان موضوعات ہی سے تو ان کے کاروبار کی آباد رونق ہے مگر اس تاریخی ریسرچ نے ان میں سے اکثر کا پردہ چاک کر دیا، اور اصل حقیقت منکشف ہوگئی۔ تنگ نظر اور مفاد پرست متعصبین کے علاوہ سب ہی اہل علم معترف ہیں کہ دور رس نتائج کے اعتبار سے اسلامی تاریخ کی یہ ایک بہت مفید خدمت انجام دی گئی ہے

کتاب کی روز افزوں مقبولیت کچھ لوگوں کے دلوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی تھی۔ چنانچہ اس کی مخالفت میں ایک محاذ بنا لیا گیا۔ سستی شہرت حاصل کرنے یا اپنی سنہری مصلحتوں سے بعض عبد الدراہم بھی ان میں آ شامل ہوئے اور انتظامیہ کے ذی اقتدار حلقوں میں کتاب کے بارے میں غلط باتیں باور کرانے کی جد و جہد کی گئی۔ بالآخر ۱۲ اگست ۱۹۵۹ء کو کراچی کے ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) نے زیر دفعہ ۹۹ الف ضابطہ فوجداری اپنے حدود و اختیارات کے اندر کتاب کو بحق سرکار پاکستان ضبط کر لیا۔

انتظامیہ کے غلط حکم کا تدارک تو عدلیہ ہی کی معدلت گستری سے ہو سکتا ہے، چنانچہ ہوا۔ ہائی کورٹ کی اسپیشل بنچ نے جو تین فاضل ججوں پر مشتمل تھی حکم ضبطی کو اپنے فیصلے مصدرہ ۱۹ دسمبر ۱۹۶۰ء کی رو سے منسوخ کرتے ہوئے اس درجہ نامناسب قرار دیا کہ ہمارے مقدمہ کا خرچہ بھی ان سے دلوایا گیا۔

روئیداد مقدمہ کا بیان تو یہاں مقصود نہیں البتہ اس بات کا اظہار کر دینا مناسب ہے کتاب کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ مقامی حکومت (یعنی ایڈمنسٹریٹر) نے کتاب کا کوئی مضمون یا کوئی فقرہ جو ان کی رائے میں خلاف قانون یا قابل اعتراض تھا اور جس کی بنا پر کتاب کے ضبط کرنے کا اقدام کیا گیا تھا۔ تو حکم ضبطی میں شامل کیا، نہ اس بیان حلفی میں جو ان کی جانب سے عدالت عالیہ میں داخل کیا گیا تھا اور نہ ان کے وکیل ایسا کوئی مضمون و فقرہ کتاب کا بتا سکے۔ بلکہ عدالت کے استفسار پر صاف گوئی سے اس بات کا اظہار کیا کہ ایڈمنسٹریٹر کے دفتر کی مرتبہ مثل مقدمہ میں کتاب کے کسی خاص فقرے کا کوئی حوالہ اور ذکر موجود نہیں ہے۔ ان کے اس بیان پر فاضل ججوں نے اپنے فیصلے میں ریمارک کیا ہے کہ

ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) کے وکیل کی شکست اور ہزیمت تو صریحاً واضح ہے۔ کیونکہ کتاب میں سے اگر کوئی قابلِ اعتراض اور خلافِ قانون فقرہ وہ نکال کر بتاتے بھی تو یہ اُن کی اپنی رائے ہوتی نہ مقامی حکومت (بالفاظِ دیگر ایڈمنسٹریٹر) کی جنھوں نے صرف اسی بنا پر کتاب ضبط کی تھی۔ بہرحال کتاب کے خالص علمی و تحقیقی ہونے اور بلا شائبہ کسی کی تنقیص یا کسی فرقے کی دل آزاری کے مسائلِ تاریخی پر اس کے بے لاگ ریسرچ کا یہی واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ کتاب کا کوئی فقرہ و مضمون جو خلافِ قانون اور قابلِ اعتراض متصور ہو نہ صدورِ حکمِ ضبطی کے وقت بتایا جاسکا اور نہ اس سوا سال کے عرصہ میں جب سے مقدمہ عدالتِ عالیہ میں دائر تھا، وہ یا ان کا سیکرٹریٹ ایسا کوئی فقرہ کتاب سے نکال کر بیانِ حلفی میں پیش کر سکے اور نہ اپنے وکیل کے ذریعے عدالت کے سامنے! ان کے فاضل وکیل کی اس بارے میں بے چارگی و بے بسی تو اظہر من الشمس تھی۔ کتاب میں جب کوئی مضمون خلافِ قانون موجود ہی نہ تھا۔ حکمِ ضبطی کے جواز کی پھر وہ کیا دلیل لاتے اور بغیر ثبوت کے کیا پیروی کرتے گویا وہی بات ہوئی کہ بقول:

ع۔ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک علمی کتاب کے اس طرح ضبط کر لیے جانے کا ملال اپنے بیگانے اور دور و نزدیک کے سب ہی علم دوست حلقوں کو تھا۔ پاکستان کی مثال کو سامنے رکھ کر جب بھارت میں بھی کتاب کی ضبطی کی تحریک زور شور سے بمبئی اور لکھنؤ وغیرہ میں شروع ہوئی۔ جمعیۃ العلماء کے مؤقر روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے فاضل مدیر نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ایک علمی کتاب، کے ذیلی عنوان سے یہ شذرہ لکھا تھا:۔

"اگر کوئی شخص ایسی کتاب لکھے جس میں اونچے خیالات کے ساتھ علمی رنگ میں کسی اختلافی مسئلہ پر ریسرچ کی گئی ہو اور اس کے ذریعہ تاریخ کے بعض مخفی گوشوں کو اُجاگر کیا گیا ہو، ساتھ ہی اس میں کسی طبقے کی دل آزاری بھی نہ کی گئی ہو نہ اس کے بزرگوں کو بُرا کہا گیا ہو تو ایسی علمی کتاب کی قدر کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی حکومت تحقیقی لٹریچر پر بھی قدغن لگا دے تو یہ علم اور ریسرچ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ ابھی حال ہی پاکستان سے خلافتِ معاویہ و یزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گزری ہے اور جو اپنے موضوع پر اس قدر محققانہ اور مؤرخانہ ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی ساتھ ہی اس کی متانت بھی قابلِ داد ہے۔ مگر ہمیں یہ سنکر تعجب ہوا کہ حکومتِ پاکستان[1] نے اُسے ضبط کر لیا۔ ہو سکتا ہے کہ کتابِ مذکور کے دلائل کمزور ہوں اور ان سے کسی کو اتفاق نہ ہو، اس کا علاج یہ ہے کہ تحقیق کے اعلیٰ پیمانے پر ہی اُسے زیرِ تنقید لایا جائے اور علمی رنگ میں اس کا جواب دیا جائے۔ لیکن علمی باتوں میں حکومتِ پاکستان کا دخل دینا حدود کار سے تجاوز کرنا ہے۔ اس طرح تو تحقیقات کا سلسلہ یکسر منقطع ہو جائے گا اور تاریخی لٹریچر کو دریا بُرد کرنا پڑے گا۔

حکومتِ پاکستان نے اس کتاب کو ضبط کر کے ایک بری مثال قائم کی ہے جسے بہرحال جمہوری ممالک میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔"

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی جلد نمبر ۴۴ شمارہ نمبر ۲۸۱ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۵۹ء)

مگر واقعات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مدیر الجمعیۃ نے جس کتاب کی علمی اور تحقیقی حیثیت کی مندرجہ بالا شذرہ میں ثنا و صفت کی ہے۔ اسی کتاب کی مخالفت میں اور اسی اخبار کے کالموں میں اور اسی ادارے کے ناظم نے جس کا یہ اخبار (الجمعیۃ) آرگن ہے، شد و مد کے ساتھ یکایک مخالفت شروع کر دی اور وہ بھی علمی و تاریخی و تحقیقاتی مسائل کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے ادارے جمعیۃ العلماء اور اپنی علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے اقتصادی مفادات کے تحفظ کے لیے۔ تفصیل اس اجمال کی مختصراً یہ ہے کہ الجمعیۃ کے مندرجہ بالا شذرہ کی اشاعت یعنی (۱۲ اکتوبر ۵۹ء) کے چھ سات دن بعد سے بمبئی کے ہفتہ وار اخبار طوفانِ جدید" نے ان دونوں اداروں یعنی جمعیۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور ناظم کو کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" کی تصنیف و تالیف میں شریک بتا کر وہاں کی مسلم لیگ اور مسلمان تاجروں کو جن سے ان اداروں کو چندہ کی گرانقدر رقوم و عطیات ملتے ہیں بھڑکانا شروع کیا۔ ۲۵ اکتوبر ۵۹ء کی اشاعت میں (شمارہ نمبر ۲۱ جلد ۱۲) بحروفِ جلی یہ لغو بیانی کی گئی:

"کتاب خلافتِ معاویہ و یزید کی تصنیف و تالیف میں شیخ جامعہ دیوبند مولانا طیب قاسمی، مولانا عتیق الرحمٰن و مولانا حفظ الرحمٰن کا ہاتھ ہے۔"

---

[1] حکومتِ پاکستان نے نہیں ایڈمنسٹریٹر کراچی نے جو سرکارِ پاکستان کتاب ضبط کی تھی۔ جیسا کہ ان تفصیلات سے جو پیش [illegible] ظاہر ہے۔

پھر اسی مضمون میں "مصنف کون ہے" کی ذیلی سرخی سے یہاں تک لکھ مارا کہ :-

"کتاب" خلافت معاویہ ویزید" کسی ایک دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں کہی جاسکتی، بلکہ اس کے مرتب کرنے میں کئی اصحاب کا ہاتھ ہے ..... بعض ابواب و حصص کے طرز بیان میں شیخ الحدیث سرخیل جامعہ دارالعلوم دیوبند عظیم المرتبت الحاج محمد طیب صاحب قاسمی کا رنگ جھلکتا ہے اور جہاں جمہوریت کی تواریخ، اور منشار کا اظہار کیا گیا ہے اور اموی سیاست پر بحث کی گئی ہے، وہاں بطل حریت ضیغم دیوبند عزت مآب مولانا حفظ الرحمٰن کی عظمت جھلکتی دکھلائی دیتی ہے ..... (وغیرہ وغیرہ من الهفوات)

اس مبتذل اخبار کے چیف ایڈیٹر نے اپنے نام کے ساتھ "سگِ بارگاہ حنفیہ" کے الفاظ لکھے ہیں کچھ شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم (قاری محمد طیب قاسمی) اور دارالعلوم دیوبند کے نامور فرزند (مولانا حفظ الرحمٰن) پر اس کی یہ غراہٹ اپنے اسی مسلک کے تقاضے سے تھی۔ کتاب کی مخالفت میں جو زبردست پروپگنڈہ بمبئی میں کیا جارہا تھا۔ ان حضرات کو اور ان کے ذریعہ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ العلماء کو ہدف ملامت بنانے کے لئے کتاب کی تالیف و تصنیف کی شرکت کا اتہام ان کے سر تھوپا گیا تھا۔

مزید ثبوت یہ ہے کہ ۲۷ اکتوبر کو جو ضمیمہ نکالا گیا اس میں بحروف جلی یہ مضحکہ خیز لغو بیانی بھی اسی مقصد سے کی گئی۔

"خلافت معاویہ یزید کا مصنف محمود عباسی یوپی جمعیت العلماء کا سیکرٹری ہے[۱]"

---

[۱] یوپی جمعیۃ العلماء کے سیکرٹری ہونے کا شرف تو تقسیم ملک سے پہلے بھی کبھی حاصل نہ ہوا تھا چہ جائے کہ کراچی میں مستقلاً مقیم ہو کر یہ خدمت انجام دینا! اپنے سابقہ سیاسی مسلک کے اعتبار سے جمعیت اور جمعیۃ کے مقاصد سے دلچسپی ضرور رکھی اور اس کے متعدد زعماء سے مراسم محبت و یگانگت بھی رہے تھے۔ بالخصوص مولانا حفظ الرحمٰن سے جن کا قیام میرے مولد و منشا و سابقہ وطن امروہہ میں چند سال اس زمانہ میں رہا تھا کہ امروہہ کانگریس کمیٹی کا میں صدر تھا اور وہ ممبر اور یوں ہم دونوں کو شب و روز کی یکجائی کے مواقع مہینوں کیا برسوں تک حاصل رہے تھے۔ پرائیویٹ صحبتوں کے علاوہ مجامع عام میں جلسے جلوس کے ہنگاموں میں اکثر و بیشتر ساتھ رہتے



پھر اسی اخبار کی ایک اور اشاعت (نمبر ۱۹، ۲۰) میں معطیان دارالعلوم دیوبند اور رقوم چندہ دینے والے طبقہ کی رائے پر اثر ڈالنے اور گمراہ کرنے کی غرض سے ایک طویل مضمون شائع کیا گیا جو سراسر بہتان طرازی سے مملو تھا۔ اس کے جلی عنوانات کے بعض فقرے یہ تھے۔

"سرزمین دیوبند کی ایک نئی آواز۔

"امیر المومنین جناب یزید علیہ الرحمۃ جائز اور برحق خلیفہ تھے

"دل شکساران اہلبیت و جیالے شاران حسین کے لئے لمحہ فکریہ۔

"تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں، سنی جمعیۃ العلماء کے مجاہد کس خیال میں ہیں" وغیرہ وغیرہ

اب ٹیپ کا بند ملاحظہ ہو جو چندہ بند کرانے کی غرض سے لکھا گیا تھا۔

---

بقیہ ص۱۶: پنڈت جواہر لال نے جب ہمارے علاقہ میں الیکشن کا تاریخی دورہ کیا تھا۔ ہم دونوں ان کے ساتھ ساتھ قصبات و دیہات میں پھرتے اور جلسوں کے انتظامات کرتے تھے مگر سیاسی مشغلوں ہی تک ہمارے یہ تعلقات محدود نہ تھے اس وقت بھی رہے جب آنریری مجسٹریٹی کے تقرر سے عملاً سیاست سے علیحدگی رہی تھی اور اس وقت بھی رہے جب ناظم جمعیۃ کی حیثیت سے مولانا کو دہلی میں قیام کرنا ناگزیر ہوا اور مجھے کانگرسی لیڈروں کی فتنہ پروری آنا دیکھ نیز مغربی اضلاع یوپی میں جو مظالم مسلمانوں پر ہونے لگے میرے بھانجے کو جو گڈھ مکتیشر کے زمیندار اور وہاں کی کانگریس کمیٹی کے صدر تھے [illegible] نے ہی وحشیانہ بربریت سے قتل کرایا تھا۔ میرے اہل خاندان داماد اور بھائیوں بھتیجوں کو جان بچانے کے لئے ہجرت کرنا پڑی تھی نہ صرف مجسٹریٹی سے مستعفی ہو گیا بلکہ کانگریس کی ممبری تک سے باایں ہمہ مولانا سے تعلقات محبت قائم رہے۔ اور اب کہ ہم دونوں قومیت کے اعتبار سے بھی جدا ہیں۔ اور مسلک کے لحاظ سے بھی ان کے خلوص کا اثر اب بھی قلب حزیں پر محسوس کرتا ہوں ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق — او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

اس یاوہ گو اخبار نویس کو ہمارے تعلقات کا کیا علم اس نے تو دخل مقصد سے یہ کذب بیانی کی ہے کہ مصنف کتاب کو جمعیۃ کا سیکرٹری بتا کر ادھر کہیں جمعیۃ کو بھی ان مشکوک مہم میں شامل کرلے جو کلکتہ سے بمبئی تک مصنف کے خلاف برپا رہا تھا۔

چونکہ دارالعلوم دیوبند کی کاروباری ہستی اور ذہنی زندگی کا حقیقی دارومدار
ان حضرات کے عطیہ کا مرہون منت ہے جو یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں
جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔ جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساس
لا الٰہ قرار دیتے ہیں؛ جو نقش للہی کا شکار نہیں بلکہ حُبِ نبی، حُبِ علی اور
حُبِ اہلبیت کے فدائی، جاں نثار اور شیدائی ہیں۔
ان کے عطیہ کا محل استعمال اس قدر رد الآثار اور حقائق سے بعید منظر عام پر
محض اسی لئے پیش کیا جا رہا ہے ...... (الی آخرہ)

یہ بکواس یاوہ گو اخبار نویس کی لائق اعتنا نہ تھی مگر معاملہ تھا دارالعلوم کے عطیات
اور چندہ دہندہ قوم کا گویا مہتمم دارالعلوم کی دکھتی رگ: "سگِ بارگاہ حیثیت" کی گرفت میں
اس طرح جب آگئی بچارے بلبلا اٹھے اور کتاب سے اپنی بے تعلقی ہی کا نہیں کہ امر واقعہ تھا
سرے سے بیزاری کا اعلان فی الفور تمام اخبارات میں بذریعہ تار کرا دیتے ہوئے یہ بھی ارشاد
فرمایا کہ کتاب مذکور کی تصریحات، مسلک اہل سنت والجماعت اور ہمارے جذبات
اور احساسات کے سراسر خلاف اور منافی ہیں؟ اس اعلان بیزاری کے ساتھ ساتھ
دارالعلوم کے طلبہ کے جلسے منعقد کرائے گئے کتاب کے مسلک اہل سنت کے خلاف ہونے
کی قرار دادیں بھی مشتہر کی گئیں ساتھ ہی اس کے ضبط کرانے کی کوششیں شروع ہوئیں۔
دارالعلوم ندوہ کے ایک فاضل استاد نے "دیوبند سے ایک عجیب بیان" کے عنوان سے
صدق جدید مورخہ ۱۳ نومبر میں مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اس جدوجہد کے سلسلہ میں جو کتاب
کی اشاعت میں کر رہے تھے لکھا تھا۔

"کتاب خلافت معاویہ و یزید تو زلزلہ فگن ثابت ہوئی۔ اگر شیعہ
حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو چنداں تعجب نہیں ہے مگر
بعض اہل سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے خصوصاً مہتمم صاحب
دارالعلوم دیوبند کا یہ اعلان اور بھی حیرت خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک
اہلسنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں، میں
نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی، اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں
نہ کہ مذہبی عقائد، وہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ قائم کر کے واقعات و



حوادث کو ان کے مطابق بنانا چاہے تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لاحاصل
کی لذت ختم ہو جانا بعید از قیاس نہیں اس لئے کہ واقعات کا ہمارے
خیالات کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ مذہب اہل سنت والجماعت
تو اس طرز فکر کی تعلیم نہیں دیتا اس سے اس کتاب کے مضامین کا تصادم
بالکل خلاف عقل ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یزید قتل حسینؓ کے جرم کا
مرتکب ہی نہیں ہوا تو اس کی مذمت یا اس سے عداوت و نفرت کے لئے
کیا وجہ جواز ہو سکتی ہے؟ یہ ذہنیت بالکل ناقابل فہم ہے کہ واقعہ خواہ
کچھ ہو مگر ہم تو یزید کو بہرحال جرم ہی سمجھیں گے گویا اسے مجرم سمجھنا کوئی
مخصوص عقیدہ ہے جس پر قائم رہنا اور اس کے خلاف تاریخی شہادتوں کو رد
کر دینا عین واجب ہے مذہب اہلسنت والجماعت تو ہرگز اس طرز فکر کو جائز
نہیں قرار دیتا۔ اسی تاریخی مسئلہ کو اگر کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو مصنف
نے کیا جرم کیا ہے؟ اور مسلک اہلسنت والجماعت کی کون سی مخالفت کی
ہے۔ کتاب کے ضبط کرانے کی کوشش تو اعتراف شکست کے مترادف ہے
وہ اگر غیر مہذب ہوتی تو مطالبہ بجا ہوتا۔ مگر طرز بیان تو شروع سے آخر تک
مہذب و سنجیدہ ہے کسی دینی پیشوا کی شان میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں
کی گئی۔ تنقید میں بھی تہذیب و شائستگی کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا
پھر اسے ضبط کرانے کے کیا معنی۔ اگر ایسی مہذب کتاب صرف اس لئے ضبط
ہو سکتی ہے کہ وہ شیعی عقائد کے خلاف ہے تو ان سب کتابوں کو بدرجہ
اولیٰ ضبط ہونا چاہیے جو عقائد و جذبات اہل سنت کے بالکل خلاف ہیں
اور جن میں صراحت کے ساتھ صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفاء ثلاثہؓ کی
شان میں ناگفتہ بہ بے ادبیاں اور گستاخیاں کی گئی ہیں۔ اگر یہ کتاب ضبط
ہوئی تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہو گی اور بہت بری نظیر قائم ہو جائے گی
جس کے بعد مذہبی لٹریچر کی اشاعت بہت مشکل ہو جائے گی!"

مگر وہاں تو مقتضیٰ عقیدہ دیگر است کا مضمون تھا۔ کتاب کا جو بھی حشر ہو دہندگان
کو کسی طرح چندہ بند نہ ہو۔ مرد دوزخ میں جائے یا بہشت میں انہیں اپنے حلوے مانڈے

سے کام۔ چنانچہ بھارت کے ایک دینی ادارے کے ممتاز رکن نے اسی زمانہ میں راقم الحروف کو لکھا تھا۔

> دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء کی طرف سے کی گئی۔ مخالفت کی ایک وجہ یہ ہے کہ ... نے آزادی کے بعد پیدا شدہ مشکلات میں مسلمانوں کی حمایت اور پشت پناہی زوروں سے کی۔ دہلی بمبئی اور کلکتہ کے مسلمان تاجر جو مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کے ممنون احسان ہوئے اور ان سے قریب ہوتے گئے انہوں نے ..... کو جمعیۃ علماء کے لئے گراں قدر رقوم دیں اور جن اداروں کے لئے ..... نے سفارشیں کیں ان کے لئے بھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ان تاجروں میں آغاخاں اور ملا طاہر سیف الدین وغیرہ کے معتقدین بہت ہیں ...... کو یہ پسند نہیں کہ جو قربت پیدا ہو چکی ہے اس میں کوئی نقصان پہنچے چنانچہ انہی تاجروں سے تعلقات باقی رکھنے کے لئے آپ کی کتاب کی مخالفت کی گئی ہے!

غرضیکہ تاریخ کی اس کتاب کو جو فرقہ وارانہ مسائل سے کوئی تعلق نہیں رکھتی جب ذاتی اور دنیوی مفادات کی بناء پر بعض علمائے سوء "حرب عقائد" کا اکھاڑہ بنانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔

> مگر یہ ظاہر ہے کہ کتاب عقائد و مناظرہ کی ہرگز نہیں۔ اس کو کتاب الحرب سمجھنا یا اس کو حرب عقائد کا اکھاڑہ بنا لینا نہ صرف کتاب کی روح پر بلکہ خود اپنی قوت فکر و نظر پر بھی ظلم کرنا ہے اس کا دائرہ بحث و نظر تمام تر تاریخی ہے اور مورخین ہی کو اس پر رائے زنی کا حق حاصل ہے۔ (صدق جدید)

مگر غرض کے بندوں کو کیوں چین آتا۔ ایک اور شخصیت پرست جماعت نے ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے احتجاجی جلسوں میں نہ صرف مدعو کیا بلکہ انہی کے زیر صدارت جلسے منعقد کئے اور ان غیر مسلموں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اشتہار لکھے گئے جن میں کہا گیا کہ مصنف "خلافت معاویہ و یزید" اس گروہ سے ہے



جس کے بعض[1] افراد نے ہندوستان پر حملے کر کے یہاں کے مندروں کو لوٹا اور تباہ کیا اور عورتوں اور بچوں کی اتنی کثیر تعداد میں غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گئے کہ غزنی کے بازار میں ٹکے ٹکے غلام بکنے لگا۔ یہی گروہ تھا جس نے تنظیم کر کے سکھوں سے جنگ کی اور اس کا نام جہاد رکھا۔ اور آج بھی سکھوں کے مقابلہ میں کام آنے والے ان ہی وہابی مقتولین کو شہیدوں[2] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جو آج بھی مسجد کے سامنے باجا بجا دینے پر اپنے پڑوسیوں پر حملہ کر دیتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس کی تحریکیں نئے نئے بھیس بدل کر دنیا کے سامنے آتی رہیں۔ کبھی تحریک خلافت کی شکل میں، کبھی تحریک گاؤکشی کی شکل میں، کبھی جماعت اسلامی کی شکل میں، کبھی عزاداری کی مخالفت کی شکل میں اور کبھی محفل میلاد اور اولیائے باخدا کے مزاروں پر حاضری دینے کی مخالفت کی شکل میں (ضمیمہ اخبار سرفراز لکھنؤ۔ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۹ء) اس ہذیان سرائی کے بارے میں تو کچھ کہنا نہیں۔ اسی ذہنیت کے لوگوں کی کوشش سے مسجد آصفی (لکھنؤ) کے احتجاجی جلسے کی صدارت ایک ہندو نے کی اور دوسرے ہندو ایم۔ ایل۔ اے مہابیر پرشاد سریواستو نے ضبطی کتاب کا رزولیوشن پیش کیا۔ لکھنؤ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی جلسے ہوئے اور اسی قسم کی قرار دادیں منظور کر کے وزیر اعلیٰ و گورنر یو پی کو بھیجی گئیں۔ مگر اس اسٹیٹ میں تو کتاب ضبط نہ ہوئی حالانکہ وزیر عدل و قانون ایک شیعہ ہی ہیں۔ بھارت میں یہ کتاب ضبط ہوئی بھی تو اس کی ذمہ داری اور جمعیۃ العلماء کے مرکزی مقام دہلی میں جہاں کے چیف کمشنر نے ۲ نومبر ۱۹۵۹ء کو اس بے بنیاد الزام پر حکم ضبطی صادر فرمایا کہ کتاب میں ایسے مضامین ہیں جو بہت ممکن ہے کہ انڈیا کے مختلف فرقوں میں عناد و منافرت کا موجب ہوں مگر کتاب کے کسی ایسے مضمون یا فقرہ

---

[1] مراد ہے سلطان محمود غزنوی سے۔

[2] حضرت سید احمد شہید بریلوی اور ان کی جماعت سے مراد ہے۔

کا حوالہ نہ آرڈر میں ہے ۔ نہ ایسا کوئی مضمون حکومت کے مشیر قانونی بتا سکے
اور نہ جمعیتہ کے ناظم جن کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ وہ ضبطی کتاب کے
متحرک کام میں بہت سرگرداں رہے دہلی کے جس مطبع نے یہ کتاب بلا اجازت
مصنف طبع کی تھی ۔ اسی نے ضبطی کے حکم کے خلاف اپیل دائر کیا ہے جو زیر
سماعت ہے ۔ بہرحال بھارت دیش میں کتاب کے ضبط ہو جانے کے بعد بھی
مت دہ بستوں کو چین نہ آیا ۔ قاری طیب صاحب دیوبندی نے کتاب کے
موضوع اور اس کے اصل مباحث سے یکسر ہٹ کر اور یہ فرماتے ہوئے کہ
"میرا مقصود اس مختصر مقالہ میں نہ یزیدی کتاب پر تنقید ہے نہ اس کے تمام مباحث
پر رد و قدح صرف کتاب کے بنیادی حصہ حسین و یزید کے سلسلہ میں شرعی
حیثیت اور مذہب اہل سنت والجماعت کو سامنے رکھ کر کلام کرتا
ہے ۔ (ص۱۸)
"شہید کربلا اور یزید" نام سے ایک مختصر سی کتاب شائع کر ڈالی جس کے
سرورق پر جلی حروف میں تحریر ہے کہ ۔

"ناموس سبط رسول کو بازیچہ اطفال بنانے والوں کے لئے عظیم
دعوت فکر"

یہ تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ اخبار "طوفان" کے مدیر نے جو اپنے نام کے ساتھ
سرچگ در سنگ بارگاہ چشتیہ تحریر فرماتے ہیں لکھا تھا کہ بمبئی کے معطیان دہریستان
دار العلوم دیوبند وہ لوگ ہیں جو ۔

"یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں ۔
"حسینیت کے گرویدہ ہیں ۔
"جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساس لا الہ قرار دیتے ہیں"

---

۱ کورٹ نوٹس پریس کی اپیل سے ظاہر ہے کہ مصنف کتاب سے اجازت حاصل کئے بغیر ان کو اطلاع
[illegible] کتب خانہ بل تنگش کے کسی شخص نے یہ کتاب چھپوا کر فروخت کی حالانکہ کتاب
[illegible] کے چھپنے اور تقسیم کی طباعت کا حق مصنف نے مکتبہ ہلال الہ آباد کو تحریرا دیدیا تھا۔



اس کے ساتھ ہی یہ آواز لگائی تھی ۔
"تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں !"
خدا سوئے ظن سے بچائے دشمنانی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ اس آواز پر طیب
صاحب ہی نے لبیک کہنے میں سبقت کی اور شہادت عظمیٰ کے ثبوت میں کتاب لکھی جس کے
لفظ لفظ سے اور یکسر یہ روایتوں کی بھرمار سے ظاہر ہے کہ "حسینیت کی گرویدگی" کے
ساتھ ساتھ یزید کی روسیاہی کے لئے بھی یہ اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں ۔ مگر آیت تطہیر
و اہلبیت کی غلط تعبیریں کرنے کے بعد بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے تاوقتیکہ
تطہیر جس کے ساتھ بحسب فرمان خداوندی صرف اور محض ازواج مطہرات کے لئے ہے نہ
آپ کے کسی اور قرابت دار کے لئے وہ عصمت حسین کو بھی اپنے مسلک میں شامل نہ کر لیں ۔
بقول صاحب مصباح الظلم و ایضاح البہم ۔ یعنی نواب امداد امام بد مرحوم امام ؟

امام علیہ السلام کی شہادت کے وہی حضرات قائل ہو سکتے ہیں جو آپ کو معصوم
اور رسول اللہ کا جانشین برحق جانتے ہیں مگر جو حضرات آپ کو معصوم اور
برحق جانشین پیغمبر خدا کا نہیں سمجھتے وہ آپ کی شہادت کے قائل ہی نہیں
ہو سکتے اور ایسی صورت میں آپ کو مظلوم بھی نہیں مان سکتے پس جناب امام
حسین کے ساتھ ہمدردی کے لئے اور آپ کی شہادت سے اعتراف رکھنے
کے لئے ضروری ہے کہ آدمی آپ کی عصمت اور آپ کی خلافت حقہ کا عقیدہ
رکھے ظاہر ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہیں مانی گئی تو یزید کے خلیفہ حق
ہونے میں کیا انکار ہو سکتا ہے ۔ ایسی صورت میں جناب امام حسین باغی
خلافت کے سوا اور کیا قرار پا سکتے ہیں پھر باغی کے ساتھ ہمدردی کیسی اور
باغی کی ہلاکت شہادت کیسی ؟ ہمیں نہایت تعجب ہے ایسے لوگوں سے
جو جناب امام حسین کی شہادت کے قائل ہیں اور آپ کی عصمت سے
انکار بھی رکھتے ہیں ۔ (ص۳۴) "

یہ تو طیب صاحب ہی جانیں کہ غیر نبی کی عصمت بھی ان کے مسلک اور عقیدہ کا جزو
ہے ۔ انہوں نے تو مصنف "خلافت معاویہ و یزید" کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے تین منصوبے
منسوب کئے ہیں یعنی حضرت حسین کی صحابیت کی نفی کرنے کے لئے ان کی عمر وفات نبوی

کے وقت صرف پانچ برس کی دکھلانا دوسرے ان کے ذاتی کردار اور تیسرے ان کے افتادِ طبیعت کا اظہار۔ جس کسی نے بھی ہماری کتاب کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اندازہ کرسکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیا گیا۔ "رضی اللہ عنہ" کی علامت ہر جگہ ان کے نام کے ساتھ لکھی ہے اور ان کی طہارتِ طینت کے بارے میں یہ فقرات بھی کتاب کے صفحہ ۱۱۷ پر تحریر ہیں۔

"بہرحال حضرت حسینؓ کی طہارتِ طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔ حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں"

عمر کا ذکر تو ضمناً آگیا تھا۔ اس ذکر سے نفی صحابیت کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے صحیح روایت کے بموجب غزوہ احد کے بعد ہوا تھا۔

"انکح رسول اللہ صلعم فاطمۃ علی بن ابی طالب بعد وقعۃ احد"

(حاشیہ صحیح البخاری باب مناقب فاطمہ رض ج صفحہ ۵۳۲)

کرمانی کا بھی قول یہی ہے نیز استیعاب و ازالۃ الخفا ج صفحہ ۲۵۴ کی ایک روایت میں بھی غزوہ احد نکاح کا ہونا بتایا گیا ہے۔ غزوہ احد ۳ھ کے آخر میں یعنی ماہ شوال میں ہوا تھا اس حساب سے حضرت فاطمہؓ کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ کی ولادت ۴ھ کے آخر یا ۵ھ کے شروع میں ہوئی تو لامحالہ حضرت حسینؓ کی ولادت ۶ھ میں۔ ابن قتیبہ نے المعارف میں ابن اسحٰق کی روایت کے حوالے سے حضرت حسنؓ ہی کی ولادت ۶ھ بتائی ہے (المعارف صفحہ ۶۹) تو اس طرح حسینؓ کی ولادت ۷ھ میں ہوئی۔ پس ان تصریحات سے جب حضرت حسینؓ کا وفات نبوی کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ صحابی جلیل ہونے کا۔ روایتیں وضع کرنے والوں نے حضرت علیؓ اور آپ کے ان صاحبزادوں کی عمروں کو بڑھایا ہے اور جن سے ان کا سیاسی اختلاف رہا ان کی عمریں گھٹا کر بیان کی ہیں مثلاً ام المومنین حضرت عائشہؓ ہیں وہ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں اور حضرت اسماء کی وفات ۷۳ھ میں سو برس کی عمر میں ہوئی اس حساب سے ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ برس کی تھی تو حضرت عائشہؓ کی عمر لامحالہ سترہ برس کی تھی۔



والبدایہ والنہایہ ج صفحہ ۳۴۶ والکمال فی اسماء الرجال و تجرید بخاری وغیرہ)

مگر روایتوں میں جو کتب احادیث وغیرہ میں بھی درج ہیں اور البدایہ والنہایہ میں بھی ان کی عمر بوقت نکاح چھ برس کی اور بوقت خلوت صحیحہ نو برس کی بتائی گئی ہے ان وضاعین کو یہ خیال کیسے آتا کہ آنحضورؐ کی ذات اقدس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔ خود حضرت علیؓ کی عمر کے بارے میں کتنی مختلف روایتیں ہیں۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ غزوہ بدر کے وقت وہ پورے بیس برس کے بھی نہ تھے اپنی عمر کے بارے میں خود حضرت علیؓ کا یہ قول کامل المبرد و عقد الفرید و شرح نہج البلاغہ میں درج ہے کہ لقد نھضت فیھا وما بلغت العشرین (یعنی میں ہنوز پورا بیس برس کا بھی نہ تھا کہ بدر لڑائی کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا) غزوہ بدر ۲ھ کے آخری حصہ میں ہوا۔ اس حساب سے ہجرت کے وقت وہ اٹھارہ برس کی عمر کے تھے۔ تو بعثت رسول اللہ کے وقت صرف پانچ برس کی عمر تھی مگر روایتوں میں اس وقت ان کی عمر آٹھ نو برس سے لے کر پندرہ برس تک کی بیان کی گئی ہے۔

سن و سال کا یہ ذکر تو نفی صحابیت کی الزام تراشی کے سلسلہ میں آگیا ورنہ طیب صاحب کی کتاب پر بعض اہل علم مولانا صہیب رومی و مولانا حامر عثمانی نے ماہنامہ تجلی دیوبند کے چند شماروں میں تفصیلاً جرح کی ہے اور ان کی جابک دستیوں اور چابکدستیوں کے بخیے اچھی طرح ادھیڑ دیئے ہیں یہاں ان کی اور دوسرے حضرات کی کتابوں پر جرح و نقد مقصود نہیں اس کے لئے مستقل رسالہ زیر تالیف ہے۔ یزید دشمنی نے طیب صاحب کو بڑھتے بڑھتے بغض معاویہؓ تک پہونچا دیا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رشد خلافت ختم ہوتے ہی حضرت حسنؓ نے اسی لئے خلافت چھوڑ دی تھی کہ اہل اللہ کے خواہش کرنے کی یہ چیز نہیں رہی تھی بالفاظ دیگر حضرت معاویہؓ ان کے نزدیک اہل اللہ نہ تھے اور نہ رشد خلافت ان کو مطلوب تھا۔ مگر شاہ ولی اللہ نے تو حیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات کی رو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد رشد خلافت کیا خلافت خاصہ یعنی منہاج النبوۃ کا زمانہ ہی ختم ہو کر زمانہ شر شروع ہو گیا تھا۔ قتل عثمانؓ سے جو فتنہ پیدا ہوا اور امت میں خون کی ندیاں بہہ گئیں اس زمانہ کو "زمان شر" کہا ہے۔ اور اس سے ما قبل کو "زمان خیر" پھر جس سال سیدنا معاویہؓ کا استقرار خلافت ہو گیا۔ اور امت نے اس کو "عام الجماعت" کا نام دیا تو زمانہ خیر

کی برکات پھر عود کر آئیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں

"بنقل متواتر کہ در شرعیات حکم تعقد تواتر یافتہ می شود بثبوت پیوستہ کہ آنحضرت صلعم فتنہ را کہ نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد عظیم شمارہ ساختہ اند آنرا استقصائے کرد زیادہ از آنچہ در شرائع یافتہ نشود بیان فرمودہ اند و آنرا حد فاصل نہادہ اند درمیان زمان خیر و زمان شر و گواہی دادہ اند کہ در آن وقت خلافت علی منہاج النبوۃ منقطع شود و ملک عضوض پدید آید و ذیں معنوض دلالت می کند بر حروب و مقاتلات و جہیدن یکے بر دیگرے و منازع یکے با دیگرے در ملک و لہذا در احادیث بسیار خلفائے ثلثہ را در یک حکم جمع کردند تا آنکہ ظن قوی بہم رسید کہ ہر سہ بزرگ فی مرتبۃ من المراتب متفق اند و غیر ایشان در آں مرتبہ شریک نیست۔"

(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۲۲)

شاہ صاحب حضرت علیؓ کے فضائل ذاتی کے معترف ہونے کے باوجود ان کے زمانہ کو خلافت علی منہاج النبوت نہیں کہتے خلافت کے لئے اس زمانے میں جو جدال و قتال ہوئے ان کی بنا پر اس زمانہ کو زمانہ شر سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کو اصحاب ثلثہ کے ہم مرتبہ بھی نہیں سمجھتے بلکہ حضرت زبیر و طلحہ و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ ان کا شمار کرتے ہیں یہی مسلک امام احمد بن حنبلؒ کا تھا۔ فتنہ اولی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مبداء ایں فتنہ خلافت حضرت مرتضیٰ است آنحضرت نخست از خلافت حضرت مرتضیٰ خبر داد کہ منتظم نشود۔" (ج ۱ ص ۱۵۲) وہ حضرت علیؓ کو مستحق خلافت جانتے ہیں مگر ساتھ یہ کہتے ہیں کہ خلافت ان کی عملاً و فعلاً قائم نہیں ہوئی۔ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ:۔

"انعقاد بیعت برائے او و وجوب انقیاد رعیت فی حکم اللہ بنسبت او متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و تمامہ مسلمین تحت حکم او در نیاوردند جہاد در زمان وے رضی اللہ عنہ بالکلیہ منقطع شد و افتراق کلمہ مسلمین بظہور پیوست و اختلاف ایشان رخت بعدم کشید۔" (ج ۲ ص ۲۲۲)

پھر ایک اور مقام پر یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ حضرت علیؓ کی ذات میں اوصاف خلافت



خاصہ کے تھے۔ کہتے ہیں کہ خلافت پر وہ متمکن نہ ہو سکے اور نہ ان کا حکم نافذ ہوا۔ "متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت" (ج ۲ ص ۲۴۹)

ایک فرقہ کے اصرار استخلاف حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے بارے میں صاف کہتے ہیں کہ:۔

"در عنایت الٰہی مقرر بود کہ ہیچگاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد او تا امان قیامت منصور نشوند و ہیچگاہ خلافت ایشان علی وجہ اصورت نگیرد بلکہ از میان ایشان ہر کہ دعوت بخود کند و سر بقتال بر آرد مخذول بلکہ مقتول گردد" (ج ۲ ص ۲۸۳)

شاہ صاحب نے تو اپنے طرز پر یہ گفتگو کی ہے واقعات تاریخ خود شاہد ہیں کہ سیاسی معاملات میں نہ حضرت علیؓ کامیاب ہو سکے نہ ان کی اولاد برخلاف ان کے سیدنا معاویہؓ نے اپنے زمانۂ حکومت میں فراست و حلم و کرم سے ملت کی بگڑی حالت سنوار دی حضرت عمر الفاروقؓ ان کی انتظامی قابلیت کی ہمیشہ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب ہی ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

"ذُکِرَ معاویۃ عند عمر یوماً فقال دعونا من ذمّ فتی قریش من یضحک فی الغضب ولا ینال ما عندہ الا علی الرضی ولا یوخذ ما فوق رأسہ الا من تحت قدمیہ"

(ج ۲ ص ۵۸)

ایک دن حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کی برائی کی گئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قریش کے اس جواں مرد کی عیب جوئی سے مجھے معاف رکھو وہ ایسا جواں مرد ہے کہ غصہ میں ہنستا ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا بغیر اس کی رضا کے اور جو کچھ اس کے سر پر ہو وہ صرف اس کے قدموں ہی کے نیچے سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی اس کی تکریم و رضا ہی کے ساتھ۔

شاہ صاحب نے رشتہ خلافت کی وضعی روایتوں سے تنقیص کا جو پہلو نکالا ہے تاریخی واقعات ان کی تکذیب کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سیاسیات میں ناکام رہی اس ناکامی کا اظہار تاریخی واقعات کے سلسلہ میں ان کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا ہے اس سے ان بزرگوں کی تنقیص کا الزام تراشنا نادانی ہے حضرت علیؓ حضرت

شامل ہیں، سیاسی معاملات میں ان سے جو لغزشیں ہوئیں اس کے باوجود وہ ہمارے امام واجب الاحترام ہیں اور نسبی تعلق سے بھی ہمیں ان سے محبت ہے۔ جو شخص بدگوئی کرتا ہے اس سے وہی کہوں گا جو میرے ایک دادا امیر عبداللہ المعتز عباسیؒ نے ایسے ہی کسی بدگو کے جواب میں کہا تھا۔

زعمت بانی یا مبغض مبغض ... علیاً فما فخری اذاً فی المحافل

اے دشمن تو مجھے علیؓ کا دشمن بتاتا ہے ... اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کے سامنے میں کیا منہ دکھا سکتا

اٰکل من لحمی واشرب من دمی ... کذبت لحاک اللہ یا شر واغل

علیؓ کی برائی کر کے کیا میں اپنا ہی گوشت نوچ کھاؤں اور اپنا ہی خون پیوں۔ ... اے بدذات جھوٹے تجھ پر خدا کی مار!

علی وعباس یدان کلاهما ... یمین سواء فی العلی والفضائل

علیؓ وعباسؓ دونوں یکساں ہیں ... فضائل اور شرافت میں اونچے چوٹی پر ہیں

فهذا ابوه ثم هذا ابنه ... فهل بین هذین التباع لداخل

یہ (عباسؓ) ان کے باپ ہیں اور وہ (علیؓ) ان کے بیٹے ہیں[1] ... سو ان دونوں کے درمیان تمہیں کیا دخل

ستسمع ما یخزیک فی کل محفل ... وتمسح راس العارف المتغافل

سوائے مخاطب تو جو ہر محفل میں تجھے شرمندہ کرتا ہے ... اور تجاہل عارفانہ کرنے والے کو ٹھوکر بتا ہے عنقریب تجھے نتیجہ معلوم ہوگا۔

تاریخی واقعات کے بیان میں فضائل اور مناقب کی حدیثوں سے آخر کس بات کا ثبوت بہم پہنچ سکتا ہے کہ ایک بزرگ اپنے ذاتی خصلتوں کے اعتبار سے بہت اچھے ہوں مگر سیاسی معاملہ میں کوئی لغزش کوئی غلطی بمقتضائے بشریت ان سے ہوگئی اس کے اظہار سے ان کے مناقب کی نفی کا ثبوت تو نہیں ہوتا۔ پھر ان فضائل و مناقب کی حدیثوں میں مبالغہ اور کذب بیانی سے بھی کام لیا گیا ہے۔ خود ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ کہتے ہیں کہ۔

ان اصل الاکاذیب فی احادیث الفضائل ... فضائل کی حدیثوں میں جھوٹ اور کذب بیانی کی

[1] چچا باپ کی مثل ہوتا ہے



کان من جهة الشیعة فانهم وضعوا فی مبدا الامر احادیث مختلفة فی صاحبهم حملهم علی وضعها عداوة خصومهم

ابتداء شیعوں کی جانب سے ہوئی کیونکہ انہوں نے اپنے صاحب (علیؓ) کے بارے میں مختلف حدیثیں گھڑ ڈالیں جن کے گھڑنے پر ان کو اس عداوت نے ابھارا جو انکو ان کے دشمنوں سے ہے۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۸۷)

احادیث فضائل کے علاوہ بعض لوگوں نے تو ہماری تردید میں قرآن حکیم کی آیات کی غلط تاویل سے بھی کام لینا پسند کیا ہے خصوصاً طیب صاحب نے۔ سورۂ الاحزاب کا چوتھا رکوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ یہ رکوع اس جملہ سے شروع ہوتا ہے "اے نبی! اپنی بیبیوں سے کہدیجیے" اور آخر رکوع تک "یا نساء النبی" کہہ کر براہ راست ان ہی سے خطاب ہے اور ان ہی کے فرائض اور ذمہ داریوں پر وعظ و تذکیر اور وعدہ وعید ہے اور ان ہی سے فرمایا گیا ہے کہ "اے نبی کی اہل خانہ! اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی کو دور رکھے اور اچھی طرح تمہیں پاک کردے" اِنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی اہل خانہ (اہلبیت) یعنی آپ کی ازواج مطہرات سے رکوع کی آخری آیت میں پھر یہ خطاب ہے کہ۔

وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللہِ وَالْحِکْمَةِ ط اِنَّ اللہَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ط

اور (اے نبی کی اہل خانہ تم) اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے ہی گھروں میں (نزول وحی کے بعد) پڑھی جاتی ہیں یاد کرتی رہو اور اللہ بھیدوں کو جاننے والا خبیر ہے۔

اس آیت میں ازواج نبی کے جن "بیوت" یعنی گھروں کا ذکر ہے وہ ہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکونہ گھر تھے وہی تو مہبط وحی تھے۔ وہیں تو آیاتِ قرآنی کا نزول ہوتا تھا، وہ ہی تو جبرئیل امین کے اترنے کی جگہ تھے۔ ان ہی بیوت میں آپ کے ساتھ سکونت رکھنے والی آپ کی ازواج مطہرات ہی تھیں جن کو "اہل البیت" کہہ کر آیت تطہیر میں مخاطب کیا گیا ہے آپ کے مسکونہ گھروں میں نہ آپ کے چچا (عباسؓ) رہتے تھے نہ آپ کے داماد (علیؓ) اور نہ آپ کی بیٹی فاطمہؓ اور نہ ان کی اولاد صاحب روح المعانی نے صحیح کہا ہے کہ:۔

• اہلبیت میں الف لام عوض مضاف الیہ کے آیا ہے یعنی "بیت النبی" اور اس

سے مراد صاف طور سے مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے گھر سے ہے نہ کہ قرابت اور نسب کے گھرانے سے اور یہ بیت نبی صلعم کا بیت سکونت ہے نہ کہ مسجد نبوی پس اس بنا پر آپ کے اہل سے مراد آپ کی ازواج مطہرات سے ہے باعتبار ان قرائن کے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اور بلحاظ ان آیات کے جو اس آیت سے قبل و مابعد کی ہیں نیز یہ بات بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت کا کوئی اور علیحدہ گھر نہیں تھا سوائے آپ کی ان ازواج کے گھروں کے۔

سیاسی غرض کی خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی قرابتداروں کو "اہل بیت" میں شامل کرنے کے لئے حدیثیں وضع ہوئیں ایک تو وہی ہے جس کا ذکر طیب صاحب نے کیا ہے حضرت حسینؓ کو رجس سے پاک ہونے کو ھؤلاء اہل بیتی کہہ کر ثابت کرنا چاہا ہے اور دوسری حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے ہے۔ الصواعق المحرقہ میں جس طرح حضرات علی و فاطمہ و حسن و حسینؓ کے چادر میں لے کر ھؤلاء اہل بیتی کے الفاظ آپ سے منسوب کیے گئے ہیں اسی طرح حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹوں کے لئے بھی ہیں یعنی۔

انه صلی اللہ علیہ وسلم اشتمل علی العباس وبنیه بملاءة ثم قال یارب هذا عمی وصنو ابی وهؤلاء اهل بیتی فاسترهم من النار کستری ایاهم بملاءتی هذه فامنت اسکفة الباب وحوائط البیت فقالت آمین (ص[illegible])

آنحضرت صلعم نے (حضرت) عباس اور ان کے بیٹوں کو چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا اے پروردگار یہ میرے چچا ہیں میرے باپ کے مثل ہیں اور یہ لوگ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو نار (دوزخ) سے اسی طرح بچا جیسے میں نے اپنی اس چادر سے پس دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیوار اور در سے آمین کی آوازیں آئیں پھر آپ نے بھی آمین کہی۔

خاندان نبوت میں سے صرف ان ہی دو شاخوں نے [illegible] سیاسی میدان میں قدم رکھا تھا یعنی عباسیوں اور علویوں (اولاد علیؓ) نے جن کے بارے میں یہ مکذوبہ روایتیں ہیں اور ان ہی کو سیاسی پروپیگنڈے میں ان کی حاجت بھی تھی کسی دوسری شاخ یعنی عقیلیوں، جعفریوں، حارثیوں وغیرہ کے لئے اس قسم کی کوئی روایت کوئی حدیث نہیں ہے کیونکہ نہ انہوں نے طلب خلافت اور سیاست ملی میں کوئی خاص حصہ لیا تھا اور نہ ان کو اس کی انہیں ضرورت تھی، مفسرین محدثین



نے آیت تطہیر کا نزول ازواج مطہرات ہی کے بارے میں بیان کیا ہے عربی زبان سے ناواقف لوگوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیا جاتا ہے کہ آیت تطہیر میں عنکم و یطہرکم میں ضمیر جمع مذکر آئی ہے اگر صرف ازواج کے لئے ہوتی تو ضمیر مونث آتی مگر یہ قطعاً مغالطہ دہی اور دھوکہ ہے اہل کا لفظ جمع مذکر ہے خواہ واحد کے لئے آئے یا تثنیہ کے لئے یا جمع کے لئے یا مونث کے لئے ہر جگہ ضمیر مذکر ہی آئے گی۔ کلام اللہ میں متعدد جگہ یہ لفظ اسی طرح آیا ہے اور ہر جگہ نبیوں کی زوجہ ہی کے لئے آیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے نے آکر فرزند ہونے کی بشارت دی، ان کی زوجہ سارہ یہ سن کر تعجب سے کہنے لگیں کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں اس پر فرشتوں نے کہا۔

قالوا اتعجبین من امر الله رحمت الله وبرکاته علیکم اهل البیت۔

(فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے کام (امر) پر تعجب کرتی ہو اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت (ابراہیم)

اس آیت میں بھی ضمیر وہی علیکم کی جمع مذکر آئی ہے۔ قرآن شریف کے علاوہ پورے کلام عرب میں کہیں بھی لفظ اہل کے لئے جمع مذکر کے سوائے کسی اور ضمیر کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ نہر زبیدہ کے بننے کے بعد ایک عرب شاعر نے سیدہ زبیدہ کو یوں مخاطب کیا تھا ؎

یااهل بیت خلیفة الغنی یا لله انتم زینة النون

غرضکہ آیت تطہیر محض اور صرف ازواج مطہرات کے بارے میں ہے اور رجس سے پاکی کا وعدہ ان ہی امہات المومنین سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے نسبی قرابت دار کو خواہ وہ چچا ہوں یا داماد یا نواسے رجس سے پاک کرنے کا نہ اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ فرمایا اور اس آیت کا اطلاق ان میں سے کسی پر ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ طیب صاحب کی یہ غیر طیب کوشش جس مقصد سے ہے اسی مقصد سے ایک اور مکذوبہ روایت کا بھی الہام فرمایا ہے یعنی آیت مباہلہ میں آنحضور کا حسنین وغیرہ کا ساتھ لے جانا مفتی محمد عبدہ و علامہ سید رشید رضا نے تفسیر القرآن میں آیت مباہلہ کے سلسلہ میں وضعی روایتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وجماع هذه الروایات الشیعة مقصدهم منها معروف وقد

ان روایتوں کا منبع و مصدر شیعہ ہیں اور ان کی غرض اور مقصد ان سے ظاہر و معلوم ہے

اجتهدوا في ترويجها ما استطاعوا
حتى راجت على كثير من اهل
السنة ولكن واضعيها لم يحسنوا
تطبيقها على الآية فان كلمة نساءنا
لا يقولها العربي ويريد ها بنته
لا سيما كان له ازواج ولا يفهم
هذا من لغتهم والبعد من ذالك
ان يراد بانفسنا علي ثم ان وفد
نجران الذين قالوا ان الاية نزلت
فيهم لم يكن معهم نساءهم
واولادهم

ان روایتوں کی اشاعت کرنے میں بہت کچھ
جدوجہد حتی الامکان کی گئی یہاں تک کہ اہل سنت
میں سے کثیر تعداد بھی متاثر ہو گئی مگر ان روایتوں کے
وضع کرنے والوں نے اس آیت پر ان کی تطبیق عمدگی
کے ساتھ نہیں کی کیونکہ کوئی عرب نساءنا کا لفظ اور
کلمہ اپنی زبان پر اس طور سے نہیں لا سکتا کہ
مراد اس کی اس لفظ سے بیٹی ہو خصوصاً جب
اس عرب کے ازواج بھی موجود ہوں ورنہ ان کی
لغت میں اس لفظ کا یہ مفہوم پیدا ہو سکتا ہے
اور اس سے بھی بعید بات یہ ہے کہ انفسنا
سے مراد علیؓ کی ذات لی جائے۔ علاوہ بریں
یہ بات بھی ہے کہ نجران کے (عیسائی) وفد کے
ساتھ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ آیت
نازل ہوئی نہ ان کی بیویاں تھیں اور ان کے
بیٹے اور اولاد۔

نہ کوئی مباہلہ ہوا۔ اور نہ مباہلہ کے شرائط کہ عیسائی جب تک اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو نجران سے نہ
بلا لیتے پورے ہوئے۔ اگر شرائط بھی پوری ہوئیں تو آپ اپنی ازواج مطہرات کو اور اپنے فرزند
ابراہیم کو ساتھ لیتے نہ بیٹی اور نواسوں کو جن پر اس آیت لفظ "نساء" اور "ابن" کا اطلاق ہی نہیں
ہو سکتا جیسا مفتی محمد عبدہ وعلامہ رشید رضا نے فرمایا ہے، "نساء" کا لفظ کوئی عرب اپنی زبان سے
بیٹی کے مفہوم میں ادا نہیں کر سکتا اور "ابن" کا لفظ نواسہ کے لئے نہیں ہو سکتا۔ ادعوهم لآبائهم
هو اقسط عند الله "فرمان خداوندی ہے ابن کا لفظ اپنے صلبی بیٹے کے لئے ہے اور بیٹی
کے بیٹوں کے لئے "سبط" عرب ہی کا قول ہے ؎

بنونا بنو ابنائنا وبناتنا     بنوهن ابناء الرجال الاباعد

غیب حسب کہ شیعوں کی وضع کردہ روایات کو [illegible]
[illegible]



ہے ان پر تنقید بیدلاگانہ کی گئی ہے کتاب میں جو اغلاط رہ گئی تھیں، بعض عبارتیں ترک ہو گئی
تھیں نظر ثانی میں ان کی تصحیح کر دی گئی ہے

عدالتی کارروائی کے سلسلہ میں جن مخلصین نے طرح طرح سے امداد کی اللہ پاک اجر
جزیل عنایت فرمائیں۔ محترمی تہور علی صاحب انصاری بی اے ال ال بی (علیگ) تو اس عاجز
کے شکریہ سے مستغنی ہیں ان ہی کی نیک دلی اور حساس طبیعت نے عدالتی کارروائی کی
داغ بیل ڈلوائی۔ سید محمود رضا صاحب ایڈوکیٹ و مسٹر اسحٰق احمد صاحب ایڈوکیٹ کی نیز
بعض جے پوری و بدایونی احباب کی توجہ فرمائی بھی لائق شکر ہے۔ یہ سطریں لکھتے وقت
ایک ایسے محبوب قوم کی یاد آ رہی ہے جو اس کتاب کے بڑے قدر دان تھے بڑے
معاون بھی یعنی سردار احمد خاں بتانی مرحوم (مغفور) صدر تنظیم اہل سنت جام پور ضلع
ڈیرہ غازی خاں۔ مشیت ایزدی کہ مقدمہ کی کامیابی کی اطلاع پانے کے چند ہی دن بعد قدرت
نے انہیں ہم سے چھین لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مخدوم منظور احمد شاہ (زمیندار پورراں ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی
طباعت کے بڑے خواہش مند ہیں شکریہ واجب ہے۔ اور اسی طرح مکرمی شبنم صاحب کمین
کی اعانت و توجہات کا۔ کتاب کے آخر میں عزیزی اقبال احمد العمری ایم اے ال ال بی کے
عربی اشعار جن میں کتاب کے مضامین کا خلاصہ ہے نیز ان کے اور مولانا سہیل عباسی کے
وہ اشعار بھی ایک محترم بزرگ کے اصرار سے شامل کرنا پڑے ہیں جن سے کتاب کی ستائش
کے ساتھ اس عاجز و کم مایہ کی شاعرانہ توصیف کا وہ پہلو بھی نکلتا ہے جو شاید خود ستائی کے
مرادف تصور ہو۔ من آنم کہ من دانم صحابہ اور تابعین کرام کی بدگوئی اور سب و شتم کے موضوعات
کا پردہ چاک کرنے کی جو سعادت اس کتاب کی تالیف سے نصیب ہوئی ہے وہی اصل ثمرہ ہے ؎

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ

۲۱ دسمبر ۱۹۶۰ء
کاشانہ محمود۔ لالوکھیت
کراچی

محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرض مؤلف

## طبع دوئم

پہلا ایڈیشن صرف ایک ہزار طبع ہوا تھا، اس وقت ناشر کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ دو ڈھائی مہینے کے قلیل عرصہ میں یہ ایڈیشن ختم ہو جائے گا اور مانگ برابر بڑھتی رہے گی. حتیٰ کہ بعض شائقین ٹیلیگرام بھیجکر کتاب کے نسخے طلب کریں گے اور کتنے ہی آرڈر دوسرے ایڈیشن کی طباعت تک ملتوی کرنے ہوں گے۔

کتاب کی اس عام مقبولیت کا راز فی الحقیقت اس امر واقعہ میں مضمر ہے، جو موجب صد طمانیت و مسرت ہے کہ ملت کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے موجودہ دور میں روایت پرستی، توہمات اور شخصیت پرستی کے ہزار سالہ بندھنوں سے افراد ملت کے فکر و نظر کو بالآخر چھٹکارہ ملنے لگا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کو فکر صحیح کی توفیق۔ راقم الحروف کو پاکستان و بھارت سے جو خطوط روزانہ ڈاک سے موصول ہوتے ہیں ان سے بخوبی واضح ہے کہ اسلامی تاریخ کے مستور گوشوں کے بے نقاب ہو کر حقیقت حال کا انکشاف ہونے کا ملت کے ہوشمند طبقے نے کس خوش دلی سے خیر مقدم کیا ہے۔ کتاب کے جو چند نسخے تبصرے کے لئے بھیجے گئے تھے ان پر اب تک دو چار ہی تبصرے ہوئے ہیں "ماہنامہ تجلّی" کے فاضل مدیر مولانا عامر عثمانی نے ماہ جولائی کے شمارہ میں کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں

کتابیں روز لکھی جاتی ہیں لیکن زیر نظر کتاب ان کتابوں میں سے ہے جو صدیوں میں ایک آدھ لکھی جا سکتی ہے فاضل مصنف جناب محمود احمد عباسی نے انتہائی دیدہ ریزی اور تلاش و تحقیق کے بعد "خلافت معاویہ و یزید" کے بارے میں چیدہ فریدہ و جدید مواد پیش کیا ہے جس سے ہر انصاف پسند آدمی پر منکشف ہو جاتا



ہے کہ حقیقت کیا تھی اور آج کن خرافات و کذبات کو حقیقت کہا جا رہا ہے۔

"لا متناہی پروپیگنڈے نے (امیر) یزیدؒ کی شخصیت کو جتنا بھیانک حضرت حسینؓ کی شہادت کو جس درجہ مظلومانہ اور دیگر تفصیلات کو جس قدر ڈرامائی بنا دیا ہے ان کے تعصب سے بلند ہو کر ٹھنڈے اور تحقیق پسند دل و دماغ سے اگر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو چند جزئیات سے اختلاف کے باوجود یقین ہے کہ من حیث المجموع اس سے اتفاق ہی کرنا ہوگا روایت اور درایت دونوں ہی کے فنی تقاضوں کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے فاضل مصنف نے مضبوط دلائل پیش کئے ہیں اور بے حد کاوش کے ساتھ ایسا مواد سامنے لائے ہیں جو صدیوں کے پروپیگنڈے اور افسانوی جذبات کی گرد میں اٹی ہوئی "تاریخ کربلا" کا حقیقی چہرہ نکھارتا ہے۔

جزاھم اللہ خیر الجزاء

"حاصل تبصرہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دیانت داری کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ تاریخ کربلا پر تحقیقی زاویئے سے نگاہ ڈالنے کا موقع میسر آئے اور بعض تاریخی شخصیتوں کے متعلق جو خانی تصورات ذہنی وراثت میں ملے ہیں ان کی تنقیح ہو سکے۔ ہم مصنف کو ان کی عرق ریزی محنت اور بالغ نظری کی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ انشاء اللہ آخرت میں انہیں بہترین اجر ملے گا کیونکہ ان کی پیش کردہ تفصیلات سے صرف امیر معاویہؓ ہی نہیں کثیر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے دامن کردار کو ہرزہ سراؤں کے دروغ و افتراء کی گرد سے پاک و صاف دکھاتی ہیں اور (امیر) یزیدؒ کے بارے میں جو وقیع معلومات انہوں نے پیش کی ہیں وہ یقیناً امیر معاویہؓ کو اس الزام سے صاف بچا لے جاتی ہیں کہ انہوں نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نا اہل بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے۔ وللہ درّ المصنّف۔"

فاضل تبصرہ نگار نے جس بے بنیاد الزام کا اشارہ مندرجہ بالا سطور میں کیا ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نا اہل

بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے وہ آج بھی مدعیان علم وفضل کے زبان قلم سے کبھی نہ کبھی دہرایا جاتا ہے اور اموی خلافت کے ان بہترین اور منور ترین ایام کو بدترین اور سیاہ ترین ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے زمانے کے ایک سنی عالم صاحب نے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت معاذ اللہ ناکام رہی اور آپ کی امت تیس چالیس برس بھی آپؐ کا برپا کردہ نظام آپ کے بعد برقرار نہ رکھ سکی۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے اپنے ماہنامہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے جس پر سبائیوں نے ان کو ہدیۂ تبریک بھی پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

"اموی فرمانرواؤں کی حکومت حقیقت میں خلافت نہ تھی سان کی حکومت اپنی روح میں اسلام کی روح سے ہٹی ہوئی تھی۔ ان (۴) فرق کو ان کی حکومت کے آغاز ہی میں محسوس کرلیا گیا تھا چنانچہ اس حکومت کے بانی امیر معاویہ کا اپنا قول یہ تھا کہ انا اول الملوک (میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں)؛

ان صاحب کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ جمہور صحابہ کرامؓ کے اجماع کو ہیچ قرار دیکر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ بدعت کے اولین علمبردار ہیں انہوں نے "جمہوریت" کے بجائے "شخصی" حکومت کی بنیاد ڈال کر اسلام کے سیاسی نظام کو ہمیشہ کے لئے تباہ کردیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جس ذات گرامی کو کرام بررۃ (عبس) میں شامل فرمایا (یعنی بہت ہی بزرگ وپاکباز گروہ میں) اور جن کے لئے حتماً فرمایا: "وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ" (ان سب سے اللہ نے حسن سلوک کا وعدہ کیا ہے (حدید ۵)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے بارے میں دعا فرمائی "کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذریعہ ہدایت بنائے، صحابہ کرامؓ نے جنہیں اپنا متفق علیہ امام مانا اور ان پر اجماع کو اپنا مبارک دور جانا۔ حضرت حسنؓ وحسینؓ اور دوسرے اکابر بنی ہاشم۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہم) نے جن سے بیعت کی۔ وہ ان صاحب کے نزدیک جمہوریت کش، ظالم اور بدعتی تھے یعنی خلیفہ راشد ہونے کے بجائے ملک عضوض کے بانی۔ کاش انہوں نے سوچا ہوتا کہ جن بزرگوں نے امیر المومنین سیدنا معاویہؓ پر اجماع کیا اور انہیں امام مفترض الطاعت بنایا یعنی ایسا امام جس کی اطاعت واجب ہو۔ وہ کس پایہ کے ہیں اور اللہ ورسول اور جمہور امت کے نزدیک ان کا کیا درجہ ہے اسی طرح جن صحابہ کرامؓ نے امیر المومنین یزیدؓ کی ولایت عہد اور پھر



دس برس بعد ان کی خلافت پر اجماع کیا وہ کون تھے سیدنا عبداللہ بن عمر سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار۔ سیدنا جابر بن عبداللہ۔ سیدنا انس بن مالک رضوان اللہ علیہم اور سینکڑوں دیگر صحابہؓ جن کے تذکرے اور ترجمے راقم الحروف کی مبسوط کتاب میں درج ہیں۔ ان سب نے امیر المومنین یزیدؓ کی ولایت عہد کی منظوری دی اور جو ان کی خلافت کے وقت زندہ تھے انہوں نے ان کی خلافت وامامت کی تائید وتوثیق کی صرف دو حضرات ان کے خلاف کھڑے ہوئے صحابہ کرام نے ان حضرات کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے اقدامات کو درست نہیں سمجھا۔

کاش ان صاحب نے مغربی جمہوریت ہی کی لچک پر غور کرلیا ہوتا کہ فرانس امریکہ اور انگلستان کا نظام سیاسی اپنے بنیادی اختلافات اور عملی تفاوت کے باوجود ساری دنیا کے نزدیک جمہوری سمجھا جاتا ہے۔ جب لفظ جمہوریت کی خود اصل لفظ کی پاسداری کرنے والوں کے نزدیک اتنی صورتیں ہوسکتی ہیں تو مسلمانوں کے عملی نظام کی مختلف صورتیں کیوں نہیں ہوسکتیں؟

کیا یہ صاحب کہہ سکتے ہیں کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر حضرت علی مرتضیٰؓ تک خلیفہ کے برسر اقتدار آنے کا ایک ہی دستور تھا؟ انہیں یہ نظر آتا ہے یا نہیں کہ ہر ایک صاحب بالکل نئے طریقے پر برسر آئے رائے خلافت ہوئے اور جس جمہوریت کا نام لیا جاتا ہے اس کے مطابق ان میں سے کسی ایک کے لئے بھی استصواب رائے عامہ نہیں ہوا۔ امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ کے متعلق رائے شماری البتہ ہوئی تھی۔ لیکن صرف اہل مدینہ کی۔ باقی عالم اسلام سے قطعاً کچھ دریافت نہیں کیا گیا تھا۔

اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے جس کا انتخاب بالکل پہلی بار امت کے عام استصواب سے ہوا تو وہ امیر المومنین یزیدؓ ہیں۔ اس کے بعد غور طلب ہے کہ حضرت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین فاروق اعظمؓ کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا، اور قطعاً کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اس تقرر کی تمام ذمہ داری آپ نے اپنے اوپر لی۔ اب اگر دنیا کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی طرح آپ بھی موت کے منہ اور جنگل سے نکل آتے اور زندہ رہتے تو کیا حضرت فاروق اعظمؓ سے ولایت کا یہ عہدہ چھین لیا جاتا؛

اب دیکھنا چاہئے کہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب امیر یزید کو ولی عہد

مقرر فرمایا تو اپنی مرضی سے نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کے مشورے سے پھر اس مشورہ کو جب آپ نے من وجوہ قبول فرمالیا تو دوبارہ اسے عالم اسلام کے نمائندہ وفود کے سامنے پیش کیا۔ لیکن ان کی اکثریت کے فیصلے کے باوجود مطمئن نہیں ہوئے جب تک کہ اہل مدینہ کی بھاری اکثریت نے تائید نہ کردی حالانکہ حضرت علیؓ کے وقت سے اہل مدینہ ارباب حل وعقد نہیں رہے تھے۔

پھر کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا تقرر تو جمہوری سمجھا جائے اور علیٰ منہاج النبوۃ، لیکن امیر المومنین یزیدؒ کا تقرر صحابہ کرامؓ کے اس زبردست اجماع کے باوجود غیر جمہوری اور بدعت سیئہ قرار دیا جائے محض اس لئے کہ وہ خلیفہ سابق کے دوست اور رفیق نہیں ہیں، فرزند ہیں۔

اب دریافت طلب ہے کہ "الحمد" سے لے کر "والناس" تک اور مؤطا سے لے کر ابن ماجہ تک وہ کونسی آیت اور کونسی حدیث ہے جس میں باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کی حرمت یا کراہت کا ادنیٰ شائبہ بھی ثابت کیا جاسکے۔

پھر یہ آیت مبارکہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (ان کے مسائل باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں)

اس آیت کو بڑے اہتمام سے موقعہ بے موقعہ پیش کیا جاتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مریض کے بارے میں انجینئر سے، آبپاشی کے نظام کے سلسلے میں خانقاہ نشین سے صحت عامہ کے بارے میں کمانڈر فوج سے اور عدلیہ کے متعلق تاجر سے مشورہ کرنے والا شخص عقلمند سمجھا جائے گا یا احمق؟

اگر امرهم شوریٰ بینهم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر کس وناکس سے بات کی جائے، وہ اہل ہو یا نہ ہو تو ظاہر ہے کہ امور سیاسی میں اصحاب سیاست اور ارباب حل وعقد ہی سے مشورہ کیا جائے گا اور انہیں کی بات سنی اور مانی جائیگی۔

سیدھی اور صاف راہ جس پر بے غل وغش چلا جا سکتا ہے اور جو ہمیشہ موجب ... ہوگی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجر و انصار اصحابؓ کی راہ ہے جنہوں نے جان ومال کی بازی لگا کر دین قائم کرنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور سخت سے سخت آزمائش میں بھی ثابت قدم رہے یہی مہاجر اور انصار رضی اللہ عنہم



خدا اور بندوں کے نزدیک علمبردار ان دعوت محمدیہ کے پیشوا ہیں۔ حقائق دینیہ کے جزئیات وکلیات سب انہی پر کھلے اور دین کی تمام برکتوں کا نزول انہی کے قلوب پر ہوا۔ انہی کے طریقے پر چلنے سے سکینہ نازل ہوتا ہے اور رشد وہدایت کی راہ ملتی ہے۔

گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے والے دروغ گو، باطل پرست، ہوا وہوس کے بندے اور ناقابل اعتبار لوگوں کی بیان کردہ باتوں پر توجہ کرنا سخت خطرناک ہے بے وجہ صلحا کی عزت وحرمت خطرے میں پڑتی ہے اور آدمی دنیا وآخرت کا عذاب مفت میں سمیٹتا ہے۔

دین کے برپا کرنے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اچھی طرح اپنی دعوت کی کنہ وحقیقت سمجھتے ہیں۔ آپ کی سنت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں نجات ہے۔ اگر آپ بعض امتیوں کی خواہشات کی پذیرائی فرماتے تو یہ امت قسم قسم کی مشکلات میں مبتلا ہوجاتی۔ اگر آپ نے لگا بندھا کوئی سیاسی نظام اس امت کو عطا فرمایا ہوتا تو اس کے ہاتھ پاؤں بندھ جاتے، اور سرمو اس سے تجاوز کی گنجائش نہ رہتی۔ لیکن چونکہ آپ کی دعوت متحرک وفعال اور ترقی کناں دعوت ہے اور آپ کی امت قید زمانی ومکانی سے آزاد ہے نسل اور وطن کی بیڑیاں کاٹ کر، زبان اور رنگ کے طوق اتار کر آپ نے اسے انتہائی آزادی عطا فرمائی ہے، اس لئے نہ وہ کسی خاندان سے وفاداری ووابستگی کی مکلف ہے اور نہ کسی ذات سے۔ اسے چند لچک دار، موزوں اور اصل اصول عطا ہوئے ہیں جنہیں ہر زمانے میں اور روئے زمین کے ہر خطہ پر وہ اپنی صوابدید کے مطابق، اپنے حالات کے تحت اپنے مفاد کے پیش نظر اور اپنی مصلحتوں کو سمجھ کر عملی جامہ پہنانے کی مجاز ہے جس عہد کے مسلمان جس سیاسی نظام کی تشکیل کریں گے وہ سیاسی نظام عند اللہ والناس مقبول ہوگا بشرطیکہ تقاضائے دعوت محفوظ رہیں جو محض یہ ہیں (۱) اقامت صلوٰۃ یعنی مساجد کی تنظیم اور باقاعدہ سرکاری طور پر جماعت کا قیام (۲) زکوٰۃ کی وصولی اور احکام کے مطابق اسے کام میں لینا (۳) اچھی باتوں کے حکم اور بری باتوں سے روکنے کا سرکاری انتظام کرنا۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ

(ان لوگوں کو جب ہم زمین پر حکمرانی عطا فرماتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں جن کی خوبی عیاں ہے۔ ان برائیوں سے روکتے ہیں جن

الْأُمُورِ (الحج ۴۱) کی شناعت ظاہر ہے۔ اور اللہ ہی کے ہاتھ میں تمام امور کی انجام دہی ہے)

اللہ تعالےٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب کو آزما لیا۔ مہاجرین اور انصار کے سینے اپنے نور اور اپنی معرفت سے معمور دیئے اور ان کا طرز عمل ہمیشہ کے لئے امت کے واسطے مشعل راہ بنا دیا۔

یہ ہے امت پر اللہ کا فضل اور اس کی نعمت کہ اپنے کسی مسئلے میں وہ عملی نمونہ سامنے رکھنے سے محروم نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امت کی تشکیل کی اس کے اولین علم برداروں نے ایک ایک مسئلہ حل کرنے کی عملی صورتیں پیش کر دی ہیں اور سب کے سامنے تجربہ کر کے کامیابی کی راہیں دکھا دیں۔ خلافت اور جنگ کے مسائل بھی بتا دیئے، آئینی اور عمرانی امور میں اختلاف کا طریقہ بھی بتا دیا اور صلح وصفائی کے آداب بھی۔ یہ مہاجرین وانصار جو راہ چلیں اور جس امر پر مجتمع ہو جائیں وہی حق وصواب ہے۔

اولئک ھم الرشدون

اور سب کا ایمان ظنی واعتباری ہے صرف قوی آثار سے اسے مومن باور کیا جاتا ہے لیکن ازواج مطہرات، مہاجرین وانصار یا خلفائے اسلام، غزاۃ قسطنطنیہ، فاتحین ہند قاتلین مرتدین، مقاتلین روم وشام وفارس کے ایمان کی شہادت اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ اس پر شک کرنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے۔

امیر المومنین سیدنا معاویہؓ سے یہ قول منسوب کرنا کہ "میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں" کذب محض ہے۔ جس روایت سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے اس کے اسناد تک منقطع ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول الاسم ہے یعنی "عن شیخ من المدینۃ"

(ص ۱۳۵ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

اموی خلافت کے تقریباً آخر تک صحابہ کرام کا دور تھا امیر المومنین عبدالملکؒ اور ان کے بعد اگرچہ اموی خلفاء طبقے کے اعتبار سے سب کے سب تابعی ہیں اور امیر المومنین یزیدؒ بھی لیکن کاروبار خلافت صحابہ کرامؓ چلا رہے تھے۔ والیوں میں امراء عساکر میں قضاۃ میں، ارباب شوریٰ میں اور اصحاب تبلیغ واشاعت میں ہر جگہ صحابہ کرام نظر آتے ہیں۔ یہ خلافت انہی کی خلافت تھی اور تمام اجتماعی نظام انہی کے ہاتھ میں تھا۔



چونکہ ان بزرگوں کی ترقیاں اور ان کے برپا کردہ نظام سیاسی کی برکتیں اہل کفر ونفاق پر شاق تھیں اور ان کے دل اس بے انتہا عروج کا خیال کر کے غیظ وغضب سے بھر جاتے تھے اس لئے انھوں نے اپنی روایتوں کے ذریعے اس دور کی نورانیت ماند کرنے کی کوشش کی ہے یوں اللہ کا فرمان سچ ہو گیا لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (تاکہ ان کے سبب کافروں میں غیظ وغضب پیدا کر دے (سورہ فتح)

یہی مضمون آیت استخلاف میں بھی بیان ہوا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۔ | اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے انہیں یقیناً زمین پر حکومت عطا فرمائے گا ایسے ہی جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور یقیناً ان کے لئے ان کا وہی دین برپا کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور یقیناً وہ ہر خوف کے بعد انھیں امن عطا فرمائے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ اب بھی کوئی منکر ہو تو یہ لوگ بدراہ ہیں۔ |

(نور: ۵۵)

اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ خدائے تعالےٰ نے تکوینی طور پر صلحائے امت ہی کو حکومت عطا فرمائی، اور ان کے تحت جو نظام بپا رہا وہ وہی تھا جو اللہ کے ہاں مقبول ہے ان کی ہر مصیبت کے بعد اس نے انھیں سکون بخشا، ہر فتنہ کے بعد امن نصیب کیا اور ہر مشکل پر انھیں قابو دیا۔ ان کی یہ صفت تھی کہ وہ سوائے اللہ کے اور کسی کے آگے گردن نہیں جھکاتے تھے۔ اب جو لوگ اس وعدے کے باوجود دین حق قبول کرنے سے منکر ہوئے وہ بدراہ ہیں اور جنھوں نے اس الٰہی وعدے کے باوجود خلافت کے نظام پر نکتہ چینی کی اور اسے غیر صالح بتایا وہ بھی بدراہ ہیں۔ اس لیے

راقم الحروف تمام مسلمانوں سے عموماً اور علم تاریخ کے طلبہ سے خصوصاً عرض پرداز

ہے کہ صحابہ کرامؓ کے حالات و سیرت پر گفتگو کرتے یا اسلامی تاریخ مرتب کرتے وقت کتاب و سنت کے مقرر کردہ آداب کی پابندی کریں۔ دشمنانِ دعوت کی مفتریات خبیثہ سے بے اعتنائی برتیں۔

عدل و تقویٰ و تحقیق کا طریقہ یہ ہے کہ متضاد روایات سے قطع نظر کرکے صرف واقعات کا احصاء کیا جائے اور روایات کو یا تو محدثین کرام کے اصول پر جانچا جائے یعنی روایتاً یا پھر زمانہ حاضر میں درایت کی جو لپک ہے اس پر پرکھا جائے اور اگر فقہائے اسلام کی راہ اختیار کی جائے تو سب سے اچھی کہ روایتاً اور درایتاً دونوں طرح سے بات کی تحقیق کی جائے۔

تاریخ کا منشا روایات کا انبار لگانا نہیں اور نہ یہ جو طبری، واقدی مسعودی و سیوطی وغیرہ نے اختیار کیا کہ جو روایت جہاں سے ملی ٹانک دی۔ قرآن مجید کے مطابق تاریخ نام ہے ترتیب زمانی کے ساتھ واقعات کی تدوین کا اور واقعات بھی جو اخلاف کے لئے موجب عبرت ہوں تاکہ حق کے ساتھ بزرگانِ پیشین کی پیروی کریں اور حق کے ساتھ ان کی غلطیوں سے بچیں۔ یعنی جس طرح اللہ نے فرمایا ہے اسی کی پیروی میں مورخ کہہ سکے بلکہ اسے کہنا ہی چاہیئے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (یوسفؑ ۱۱۱)

ترتیب زمانی کے ساتھ ان کے واقعات کی روئداد عقلمندوں کے لئے موجب عبرت ہے یہ کوئی وضع کردہ جھوٹی بات نہیں بلکہ وہ ہے جس کی توثیق مبرہن محسوس واقعات سے ہو رہی ہے اور اس میں ہر تفصیل ہے اور اہل ایمان کے لئے ہدایت و رحمت کے اس میں اسباب ہیں۔

یہی صحابہؓ و تابعین تھے جنھوں نے اپنی مرضی سے، اپنی آزاد رائے سے بلا کسی جبر و اکراہ کے امیر المومنین یزیدؒ سے بیعت خلافت کی اور اس پر مستقیم رہے۔ ان عالم صاحب نے جن کا ذکر اوپر ہوا کہتے ہیں کہ اگر حسینؓ و یزیدؒ کا الیکشن آزادانہ رائے سے ہوتا تو اول الذکر ہی کو ووٹ ملتے اور ثانی الذکر آخر شخص ہوتا جس کو رائے دی جاتی۔ ان صاحب نے صریحًا



واقعات سے چشم پوشی کی ہے۔ الیکشن سے مراد اگر جمہور امت کی رائے معلوم کرنے سے ہے تو جیسا عرض کیا گیا مملکت اسلامی کے ہر ہر علاقے میں ان ہی کے نمائندگان کے ذریعے رائے معلوم کی گئی اور بلا کسی جبر و اکراہ کے معلوم کی گئی وہ سب کی سب رائیں امیر یزیدؒ ہی کے حق میں تھیں۔ حضرت حسینؓ کو نہ ولایت عہد کے وقت اور نہ بیعت خلافت کی توثیق کے وقت رائے عامہ کا کوئی قابل ذکر حصہ ملا اور نہ خود بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے خاندان کے کسی فرد کا کوئی ووٹ حاصل ہوا جیسا کہ اس کتاب میں بالوضاحت بیان ہوا ہے کہ ان کے اپنے عزیزوں میں سے معدودے چند نوجوانوں کے علاوہ ان کے پندرہ ۱۵ بھائیوں میں سے صرف چار نے ان کا ساتھ دیا۔ ان کے گیارہ بھائیوں نے اقدامِ خروج سے اختلاف کیا اور باوجود دعوت کے کسی طرح ان کا ساتھ نہ دیا۔ صحابہؓ و تابعین کے بارے میں ان صاحب کی یہ سوء ظنی حد درجہ قابل ملامت ہے کہ ان صحابہ و تابعین نے محض لالچ سے، دھمکی سے یا جبر و کراہ سے ایک نااہل شخص سے بیعت خلافت کی۔ سبائی راویوں کی مکذوبہ روایتوں پر اعتماد کر لینے اور طبری و مسعودی جیسے مورخین کے بیانات کو بغیر تنقید کے باور کر لینے ہی کا یہ سبب ہے کہ ایسے ایسے ذی علم حضرات بھی بدگمانی کا شکار ہو کر صحابہ و تابعین کے طرز عمل پر زبان طعن دراز کرنے سے اجتناب نہیں کرتے۔

یہ کتاب ابتدائے عہد اموی کے واقعات اور سیرت معاویہؓ و یزیدؒ کا مختصر خاکہ ہے جس کے بارے میں راویوں نے صریحًا کذب بیانی کی ہے اور اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اس لئے یہ چند جملے لکھے گئے ہیں۔ موجودہ عہد میں مناقب و مثالب کی وضعی روایتوں سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔

کذب بیانی، افترا، پردازی، سب و شتم اور تفرقہ اندازی کا نام تاریخ نہیں ہے مولانا حالیؒ نے ہمارے شاعروں کے متعلق فرمایا ہے ؎

عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے — بری بات کہنے کی گر کچھ سزا ہے
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے — مقرر جہاں نیک و بد کی جزا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

لیکن کتب تاریخ میں افترا و تلبیسات کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف کا

جی چاہتا ہے کہ آخری مصرعہ میں "شاعر" کی بجائے "راوی" کردے، یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ، یہ محمد بن سائب کلبی اور اس کا بیٹا ہشام اور اسی قماش کے دوسرے مفتری اور کذاب لوگوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کر دیا اور طبری جیسے لوگوں نے اپنے دلوں کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر ان مفتریوں اور کذابوں کا تمام سرمایۂ زور اُمت کو گمراہ کرنے کیلئے جمع کر دیا اور جو لوگ شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح "حاطب اللیل" ہیں یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہاتھ میں کام کی لکڑی آئی یا بیکار و زہریلی، انہوں نے تاریخ الخلفاء جیسی کتابیں لکھ کر اخلاف کو اسلاف سے بدظن کرنے کا سامان فراہم کر دیا اور یوں اکثر لوگوں کے فکر و نظر پر مکذوبہ روایتوں کے پردے پڑتے گئے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ محمد وصحبہ وخلفائہ اجمعین

محمود احمد عباسی
۳۰ جولائی ۱۹۵۹ء

کاشانۂ محمود
لالوکھیت بی ایریا
کراچی



۷۸۶

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

# عرض مؤلف

اموی خلافت اپنے وقت (۴۰ھ—۱۳۲ھ) میں جیسی کامیاب اور امت کے لئے موجب فوز و فلاح رہی حقائق تاریخ شاہد عادل ہیں۔ اسی کی برکت تھی کہ دین خالص رہا اور ایک صدی کے اندر اندر تین چوتھائی متمدن دنیا حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ بنی امیہ سے بڑھ کر کوئی خاندان مسلمانوں میں فاتح و مدبر نہیں گذرا۔ ظاہری و باطنی کوئی نعمت نہ تھی جو امت مسلمہ کو اس دور میں میسر نہ آئی ہو اور جسے اموی حکمت عملی کا ثمرہ نہ کہا جاسکے ہر طرف مادی ترقیاں، روحانی برکتیں اور علوم دینیہ کی روز افزوں اشاعت تھی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اموی دور اپنی درخشانی و تابانی میں ہمیشہ مایۂ ناز اور موجب صد افتخار رہے گا خیر القرون کا یہ دور ابتداً صحابۂ کرام کا اور بعد ازاں تابعین عظام کا دور تھا۔ خلفاء سے لے کر ادنیٰ امراء تک کو کہ جن میں متعدد صحابہ و تابعین بھی شامل تھے جو کاروبار خلافت چلا رہے تھے، فیض یافتگان نبوی سے اکتساب فیض کا شرف حاصل رہا جگہ جگہ اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جن سے استنارت پر ہدایت ہوتی تھی اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ہی سب کا معیار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور میں چند سیاسی اختلافات و مناقشات کے باوجود کوئی مذہبی فرقہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہو سکا۔ اموی دور کے تقریباً ایک صدی بعد سے جو مخصوص کتب حروب داخلیہ کے بارے میں تالیف ہوئیں ان کے مولفین نے جو کچھ "خانہ زنبیت" کے حامل تھے نیز مورخین سابقین نے اس عہد کے حالات قلمبند کرتے ہیں نہ صرف بحق و انصاف

جی چاہتا ہے کہ آخری مصرع میں "شاعر" کی بجائے "راوی" کر دے۔ یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ، یہ محمد بن سائب کلبی اور اس کا بیٹا ہشام اور اسی قماش کے دوسرے مفتری اور کذاب لوگوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کر دیا اور طبری جیسے لوگوں نے اپنے دلوں کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر ان مفتریوں اور کذابوں کا تمام سرمایۂ زور امت کو گمراہ کرنے کیلئے جمع کر دیا اور جو لوگ شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح "حاطب اللیل" ہیں یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہاتھ میں کام کی لکڑی آئی یا بیکار و زہریلی انہوں نے تاریخ الخلفاء جیسی کتابیں لکھ کر اخلاف کو اسلاف سے بدظن کرنے کا سامان فراہم کر دیا اور یوں اکثر لوگوں کے فکر و نظر پر مکذوبہ روایتوں کے پردے پڑتے گئے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ محمد وصحبہ وخلفائہ اجمعین

محمود احمد عباسی
۳۰ جولائی ۱۹۵۹ء

کاشانۂ محمود
لالو کھیت بی ایریا
کراچی



۷۸۶

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

# عرضِ مؤلف

اموی خلافت اپنے وقت (۴۰ — ۱۳۲ھ) میں جیسی کامیاب اور امت کے لئے موجب فوز و فلاح رہی حقائق تاریخ شاہد عادل ہیں۔ اسی کی برکت تھی کہ دین خالص رہا اور ایک صدی کے اندر اندر تمیں چوتھائی متمدن دنیا حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ بنی امیہ سے بڑھ کر کوئی خاندان مسلمانوں میں فاتح و مدبر نہیں گذرا۔ ظاہری و باطنی کوئی نعمت نہ تھی جو امت مسلمہ کو اس دور میں میسر نہ آئی ہو اور جسے اموی حکمت عملی کا ثمرہ نہ کہا جاسکے ہر طرف مادی ترقیاں، روحانی برکتیں اور علوم دینیہ کی روز افزوں اشاعت تھی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اموی دور اپنی درخشانی و تابانی میں ہمیشہ مایۂ ناز اور موجب صد افتخار رہے گا خیر القرون کا یہ دور ابتداً صحابۂ کرام کا اور بعد ازاں تابعین عظام کا دور تھا خلفاء سے لے کر ادنیٰ امراء تک کہ جن میں متعدد صحابہ و تابعین بھی شامل تھے جو کاروبار خلافت چلا رہے تھے۔ فیض یافتگان نبوی سے اکتساب فیض کا شرف حاصل رہا جگہ جگہ اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جن سے استنارت پر یہ امت حریص تھی اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ پر ہی سب کا مدار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور میں چند سیاسی اختلافات و مناقشات کے باوجود کوئی مذہبی فرقہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہو سکا۔ اموی دور کے تقریباً ایک صدی بعد سے جو مخصوص کتب حدیث داخلِ کتب یا رہنے تالیف ہوئیں ان کے مولفین نے جو کچھ "شاعرِ" نجیبت کے خیالات تھے نیز مورخین سابقین نے اس عہد کے حالات تحقیق کرتے ہیں نہ صرف بخوفِ انصاف

سے کام لیا بلکہ خاص خاص واقعات کو وضعی روایات کی بنا پر اس درجہ مسخ کر کے پیش کیا کہ دسے خوئے۔

انیسویں صدی جیسے آزاد و بے لاگ محقق کو بھی یہ کہنا پڑا کہ تہمت تراشی و افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈا بنی اُمیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا، اس کی مثال شاید ہی کہیں اور ملے ہر قسم کی برائی اور معصیت کو جو تصور کی جا سکتی ہے، بنی امیہ سے منسوب کیا گیا، ان پر یہ اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان کے ہاتھوں میں محفوظ نہیں اس لئے یہ مقدس فریضہ ہوگا کہ دنیا سے انہیں نیست و نابود کر دیا جائے اُن عہد کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے اس میں ان ہی خیالات اور پروپیگنڈے کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جا سکتا ہے۔ کذب بیانیوں کی یہی حالت الا ماشا اللہ برابر قائم رہی صدیوں پر صدیاں گزر گئیں۔ ناموروں سے نامور مؤرخ عہد بہ عہد پیدا ہوتے مبسوط سے مبسوط کتب تاریخ مرتب و مدون کر کے پردہ عدم میں روپوش ہوتے رہے مگر بقول دسے خوئے "سچ کو جھوٹ سے تمیز" کرنے کی یا وضعی روایتوں اور مبالغات کو جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں نقد و درایت سے جانچنے کی کوئی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور مؤرخ نے نہیں کی خصوصاً ابتدائے دور اموی کے بعض مشہور واقعات کے اخلاق و مبالغات کے بارے میں روایت پرستی کی اس زمانہ ایسی وبا پھیلی کہ متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مورخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفا کرتے رہے علامہ ابن کثیرؒ نے تو بعض ایسی روایتوں کو جنہیں وہ صحیح نہ سمجھتے تھے طبری سے نقل کرتے ہوئے یہ کہہ کر اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کا معناً اعتراف کیا ہے کہ

ولولا ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمۃ ذکروہ ما سقتہ (ص ۲۱۳ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

اور اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ جو حفاظ (روایات) اور ائمہ میں سے ہیں ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔

---

ؔ مقالہ بعنوان خلافت (طبقاً) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن۔



البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنھوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انہوں نے خلط ملط کر ڈالا۔ وہ لکھتے ہیں:-

وَخَلَطَهَا الْمُتَطَفِّلُوْنَ بِدَسَائِسَ مِنَ الْبَاطِلِ وَهِمُوْا فِيْهَا وَابْتَدَعُوْهَا وَزَخَارِفَ مِنَ الرِّوَايَاتِ الْمُضْعَفَةِ لَفَقُوْهَا وَوَضَعُوْهَا (الی آخرہ)

(مقدمہ علامہ ابن خلدون طبع مصر)

اور نا اہل وخود ساختہ (مورخین) نے اس کو (تاریخ کو) باطل اور من گھڑت خرافات سے غلط ملط کر دیا، لغو اور بے ہودہ باتیں اس میں بھر ڈالیں اور گھٹیا قسم کی وضعی روایتیں ادھر ادھر سے لے کر اس میں شامل کر دیں۔

اسی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ متاخرین آنکھیں بند کر کے اگلوں کے قدم بقدم چلتے رہے۔ علامہ موصوف نے ولایت عہد کی بحث میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے متعلق جو بیان کیا ہے وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے اس کے پیش نظر راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مورخ ہیں جنہوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو تاریخی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین ورق (یعنی چھ صفحے) جو اس حادثے کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فرد بشر کو چار دانگ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے تاریخ ابن خلدون (عربی) کے جتنے اڈیشن اب تک طبع ہوئے ہیں ان کے حاشیہ پر تشریح کر دی گئی ہے کہ یہ تین ورق نیز وہ چند سطریں جو امیر یزیدؒ کی ولایت کے بارے میں تھیں اصل میں سے غائب ہیں۔ اس کو بھی پانچسو برس کا طویل زمانہ گزر گیا کسی دوسرے مورخ کو پھر بھی توفیق نہ ہوئی البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ نے منہاج السنۃ میں کہ وہ کتب تاریخ میں شامل نہیں حضرت معاویہؓ و یزیدؒ کی سیرۃ کے بعض امور کی بابت انکشاف حقیقت کیا ہے، اسی طرح حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور بعض دیگر مورخین ابن کثیر و بلاذری وغیرہ کی تحریرات میں بھی ضمنی طور سے بیان ہوا ہے پچھلی صدی سے مستشرقین نے اس باب میں بھی داد تحقیق دی ہے لیکن

بقول امام غزالیؒ تعصبات کے پردے میں حقیقت روپوش ہوتی چلی گئی اس پردے کو ہٹانے اور اس عہد کی سچی تاریخ کی ترتیب و تدوین کی شدید ضرورت کا احساس نہ صرف فن تاریخ کے تقاضے کے لحاظ سے بلکہ مصالح ملیہ کے اعتبار سے بعض زعمائے ملت کو ہوتا رہا قیام پاکستان کے بعد سے ہز ہائی نس سر آغا خاں (سر سلطان محمد بالقابہ) نے اپنی تقریریں اور تحریروں میں اس شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین و مورخین کو بار بار متوجہ کیا تھا ہز ہائی نس سر آغا خان نے اپنی ایک تحریر[1] میں فرمایا تھا۔

"دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے اس لیے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنی امیہ کے درخشاں دور صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرے کی شدید حاجت ہے۔"

"مصر و شمالی افریقہ میں تو اس قسم کی تالیف کی اس سے بہت کم ضرورت ہے جتنی پاکستان میں ہے کیونکہ مصر اور شمالی افریقہ کے (مسلمانوں) نے اس تشکیلی دور کی عظمت و شان کو فراموش نہیں کیا ہے لیکن جغرافیائی حالات نے اس خطہ کو جو سابق کا "ہند" تھا ایرانی اثرات سے بہت کچھ وابستہ کر رکھا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے باقی رہ جانا کلیتاً خاندان بنی امیہ کے قریشی حکمرانوں کا رہین منت ہے جنھوں نے مغرب کی طرف سے اندلس اور فرانس کے راستے سے رومتہ الکبریٰ اور قسطنطنیہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا شاندار خواب دیکھا تھا اور وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے اگر تباہ کن عباسی تحریک[2] نے

---

[1] ہیش لفظ نوشتہ سر آغا خان مندرجہ "دی گریٹ امید" مولف محمد اے حارث۔

[2] راقم الحروف نے مبسوط تالیف میں "انتزاع اموی خلافت و قیام خلافت عباسیہ" کے تحت بتایا ہے کہ مضر و ربیعہ کی شدید ترین دشمنی نے اموی خلافت کی افادیت ختم کر دی تھی اگر محمد الامام عباسیؒ کی تعمیری تحریک اس وقت کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی تو ملت کا شیرازہ ایسا بکھر گیا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ ہو کر تباہ ہو جاتی۔ عرب اور غیر عرب کی چپقلش نے صورت حال



اسلام کی اس یکتا اور صحیح متحدہ مملکت کو پامال نہ کر ڈالا ہوتا۔ اس تاریخی حقیقت کو تسلسل اور متواتر ذہن نشین رکھنا چاہیے تاکہ پاکستان کی آنے والی نسلوں کے مسلمان اکتساب فیضان کی توقعات دمشق کے اثر آفرین اور فعال صدی سے وابستہ کریں نہ کہ کوفہ و بغداد کی چار صدیوں سے۔"

تقریباً دس برس پہلے ہز ہائی نس ممدوح نے کراچی میں جو تقریر بعنوان "اسلامی ملکوں کی تاریخ ان کا عروج و زوال و مستقبل کی توقعات" فروری ۱۹۵۱ء میں کی تھی اس میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ بیشتر اسلامی کتب تاریخ بنی امیہ کے مخالف اثرات کے تحت لکھی گئیں، فرمایا تھا۔

"یقین جانیئے صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک و فعال تھا اور ہے۔ امویوں کے شاندار عہد میں وہ فعال و متحرک سیدھا سادہ، خالص و بے میل رہا اور اس کی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں۔ اتنی کشادہ اور گہری کہ آئندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود منگولوں کی خطرناک تاخت و تاراج کے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپ دشمنی کے باوجود وہ قائم و برقرار رہا۔

آپ اپنے مورخین سے مطالبہ کیجئے اور اپنے مفکرین سے کہیے کہ وہ اس شاندار صد سالہ اموی دور پر اپنی توجہ مرکوز کریں اور اس کے سیدھے سادے عقیدے، کشادہ ذہنیت نیز قانونی اور متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد و فعال خصوصیت کو بطور مثال کے سامنے رکھیں۔"

اسی کے ساتھ ہز ہائی نس نے پاکستانیوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ کو اپنے ملک میں بہت سے مسائل کا سامنا ہے اقتصادی فوجی اور سائنٹفک مسائل کا اور یقیناً آپ اپنی مادی مشکلات پر غالب آجائیں گے، لیکن آپ ملت کی اسپرٹ اس کے جذبہ و روح و ضمیر کا خیال رکھیں اسلامی تاریخ کی تیسری صدی کی جانب نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری کی طرف نظریں جمائیں "پہلی صدی ہجری میں سیاسی قیادت منفقہ

---

بقیہ ص ۴۸ کا   نازک کر دی تھی۔ عباسی تحریک تخریبی نہیں تعمیری تھی اس بارے میں بھی روایات کو نقد و درایت پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔

طور پر سے بنوامیہ کی قیادت یا بالفاظ دیگر اموی خلافت تھی۔

ان الفاظ کی اہمیت ور قدر وقیمت بدرجہا بڑھ جاتی ہے جب اس کا لحاظ کیا جائے کہ یہ ارشادات اس طبقے کے روحانی پیشوا اور امام حاضر کے ہیں جس کے یہاں امامت اصول دین میں ہے مگر اس کے باوجود وہ عالم اسلامی کے اتحاد کے اس درجہ ساعی رہے کہ ترکی زعمائے وقت مگسان کی تجویز درباره احیاء خلافت مان لیتے تو شاید اسرائیل کے ناسور کی عفونت نہ پھیلتی مسلمانان ہند کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک سے جس کی داغ بیل سرسید علیہ الرحمتہ کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی اور بالآخر پاکستان کی تشکیل پر منتج ہوئی ہز ہائینس عملاً وابستہ رہے اور اہم خدمات انجام دیں لیکن اہم تر خدمت مسلمانان پاکستان کی اسپرٹ اور روح کی بالیدگی اور تروتازگی کے لئے پہلی صدی ہجری کے عہد بنوامیہ کی متحرک، فعال اور ملایانہ متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد مثال کے سامنے رکھنے اور اس عہد کی سچی تاریخ مرتب مدون کرنے کی ہے جو کسی فرد واحد کے انجام دینے کا نہیں راقم الحروف کو اپنی کم بضاعتی کا اعتراف ہے مدت دراز سے اس عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و تفتیش میں بہت مصروف تھی محترمی ڈاکٹر مولوی عبدالحق مدظلہ بابائے اردو کی فرمائش سے کتاب "الحسین" پہ مختصر سا تبصرہ کیا تھا جو سہ ماہی رسالہ اردو جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا پھر اس تبصرے پر تبصرہ رسالہ "تذکرہ" کراچی میں دو سال تک ہوتا رہا اس سلسلہ میں بارہ قسطیں راقم الحروف کے مضامین کی شائع ہوئیں چند ہی قسطوں کے شائع ہونے پر پاکستان اور بھارت کے اہل علم حضرات کے ہمت افزا اور ستائشی خطوط بکثرت آنے شروع ہوئے جن میں سے اکثر میں تقاضا تھا کہ ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔

مجھی و محترمی جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر "صدق جدید" نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰ جنوری ۱۹۵۸ء موسومہ مدیر رسالہ "تذکرہ" فرمایا تھا کہ "آپ کے ہاں "الحسین پر" تبصرہ کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے وہ بہت ہی جامع نافع بصیرت افروز ہے اسے کتابی صورت میں جلد سے جلد لائیے۔"

یہی تقاضا بہت سے اہل علم کا برابر جاری اور اب تک کہ کتاب مرتب ہو کر مطبع میں دے دی گئی برابر جاری ہے بلکہ ایک بزرگ مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد صاحب نے پیرانہ سالی میں دہلی سے کراچی کا سفر اسی مقصد سے کیا اور مہربانی سے ایک قطعہ



تاریخ فارسی بھی ارشاد فرمایا جو دوسری جگہ درج ہے غرضیکہ غیر متوقع طور سے ان مضامین کو بنظر استحسان دیکھا گیا جس سے اندازہ ہوا کہ پاکستان اور بھارت کے مسلمان کس درجہ مشتاق ہیں کہ اموی عہد کے حالات جن پر کثیف پردے وضعی روایات کے پڑے ہوئے ہیں صحیح طور سے منکشف ہو جائیں۔ حالات نامساعد رہے لیکن کتابی صورت میں لانے کے لئے ترتیب از سر نو کرنی پڑی اور مبسوط کتاب کی طباعت کو جس کے کچھ حصہ کی کتابت بھی ہو چکی ہے ملتوی کر دینا پڑا۔ اس کتاب کی ترتیب میں راقم الحروف کے پیش نظر یہ مقصد رہا ہے کہ واقعات اور مستند روایات کی روشنی میں ابتدائے عہد اموی کے حالات کو اجاگر کر کے صحیح صورت حال افراد ملت خصوصاً نوجوانوں کے سامنے پیش کرے تاکہ غلط فہمیاں جو وضعی روایات کی بناء پر عام طور سے پھیلی ہوئی ہیں دور ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں محبت و الفت کے وہ جذبات بیدار ہوں جو انما المؤمنون اخوۃ کا تقاضا ہے اور اسلاف کرام کے سیاسی مناقشات کو مذہبی رنگ دے کر بدگوئی اور سب و شتم کو اب جبکہ ناقابل تردید حقائق سے صحیح صورت حال کا بین طور سے انکشاف ہو گیا ختم کر دیا جائے اس خصوص میں بھی محترم امام شیعہ اسمٰعیلیہ کی نادر مثال شمع ہدایت ہے جنہوں نے واشگاف الفاظ میں صاف کہہ دیا کہ خلیفہ سوم کی شہادت کے وقت تک کامل اتحاد رہا کوئی اختلاف نہ تھا حضرت علی خلفائے ثلاثہ سے پورا تعاون کرتے رہے خلافت کا کوئی سوال نہ اٹھایا جب انھوں نے ہی نہ اٹھایا تو ہم بھی کیوں اٹھائیں جب وہ ان کا احترام کرتے تھے تو ہم کیوں نہ کریں[1]

اے کاش امت کا ہر طبقہ اختلاف عقائد کے باوصف اسی رواداری پر عمل پیرا ہو تو چمن اسلام پاکستان میں بھی اتحاد بین المسلمین سے وہ ہی کیفیت ہو کہ

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

کاشانۂ محمود
لالوکھیت دہلی ایریا، کراچی
محمود احمد عباسی

[1] فرمان سر آغا خان بعنوان "اسمٰعیلی اور پہلے تین خلفا" بحوالہ اسلامک ریویو، کرنگ "دی گریٹ امید"، مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ ورکس، کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اموی خلافت کا پس منظر

## سبائی پارٹی اور حضرت علیؓ کی بیعت

حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے حلیم و کریم خلیفہ راشد کو بحالتِ تلاوت قرآن مجید ظلماً شہید کر دینے کے بعد سبائی لیڈر مالک الاشتر اور اس کے ساتھی بلوائیوں نے جب حضرت علیؓ سے بیعت خلافت کرنی چاہی تو ان کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے منع کیا اور کہا کہ گھر میں بیٹھے رہیں یا اپنی جاگیر ینبوع چلے جائیں بلوائیوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں ورنہ خونِ عثمانؓ کا الزام آپ پر لگ جائے گا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا۔

فانك واللہ لئن نهضت مع هولاء اليوم ليحملنك الناس دم عثمان غداً۔ (طبری ج۵ ص۱۵۱)

واللہ اگر آپ ان لوگوں کے ساتھ بیعت خلافت کیلئے، اٹھ کھڑے ہوئے تو کل آپ پر لوگ خونِ عثمانؓ کا الزام لگا دیں گے۔

مگر افسوس حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا مشورہ قبول نہ فرمایا (رفاہی علی) اور بیعت لے لی۔ یہ بیعت چونکہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت بھی حضرت عثمانؓ جیسے محبوب خلیفۂ راشد کو ناحق قتل کر کے سبائی گروہ نے اپنے اثر سے قائم کی تھی لہٰذا اشتر ہی پہلا شخص تھا جس نے سب سے اول بیعت کی تھی (ان اول من بایعه الاشتر (ایضاً ص۱۵۲)) نیز قاتلین سے قصاص نہیں لیا گیا تھا جو شرعاً واجب



تھا۔ اور نہ قصاص لئے جانے کا امکان باقی رہا تھا۔ کیونکہ یہی سبائی بلوائی اور قاتل نیز سبائی گروہ کا بانی عبداللہ بن سبا بایعین میں نہ صرف شامل بلکہ سیاست وقت پر اثر انداز ہے۔ اکابر صحابہ کی اکثریت نے جو مدینہ میں موجود تھی۔ بیعت کرنے سے گریز کیا یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، اسامہ بن زیدؓ حب رسول اللہ حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ مسلمہ بن مخلدؓ، ابوسعید الخدریؓ محمد بن مسلمہؓ نعمان بن بشیرؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ فضالہ بن عبیدؓ، کعب بن عجرہؓ صہیب رومیؓ سلمہ بن وقشؓ۔ قدامہ بن مظعونؓ عبداللہ بن سلامؓ، مغیرہ بن شعبہؓ جیسے عظمائے ملت و ارباب حل و عقد نے بیعت نہیں کی (طبری و محاضرات الخضری) حضرت اسامہؓ نے بیعت نہ کرنے کی وجہ کا برملا اظہار بھی کر دیا تھا جس پر الاشتر ان پر حملہ آور ہوا تھا حضرت سعدؓ نے بچا لیا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بسیارے از احادیث متواترہ مرد یہ بطرق متعددہ بیان فرمودند کہ امت بر حضرت مرتضیٰ جمع نہ شود (ج۲ ص۲۷۵)، طالبین قصاص حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و حضرت ام المومنین عائشہؓ کے اقوال اس بارے میں نقل کرتے ہوئے لکھا کہ:

خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل و عقد عن اجتہاد و نصیحتاً للمسلمین بیعت نہ کردہ۔ (ازالۃ الخفاء ج۲ ص۲۷۹)

خلافت حضرت مرتضیٰ کے لئے قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے بیعت ان سے نہیں کی۔

ان اکابر صحابہ اہل حل و عقد کو حضرت علیؓ کی ذات سے مخالفت نہ تھی اور نہ ان کے خلیفہ ہونے پر اعتراض تھا۔ یہ حضرات انتخاب و بیعت خلافت میں سبائی گروہ و قاتلین عثمانؓ کی دراندازیوں کو مصالح ملیہ کے خلاف سمجھتے تھے اس لئے امت کی بھاری اکثریت نے بیعت نہیں کی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

فان كثيرا من المسلمين اما النصف واما اقل او اكثر لم

پس مسلمانوں کی کثیر تعداد نے یعنی نصف (ملت) نے یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ نے

بما یعوہ ولم یبایعوا سعد بن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیرھما
(منہاج السنۃ ج ۲ صـ۲۳۲)

ان کی (علیؓ کی) بیعت نہیں کی نہ سعد بن ابی وقاصؓ نے بیعت کی اور نہ (عبد اللہ) بن عمرؓ نے اور نہ دوسرے (صحابہ) نے

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے طلب بیعت پر تو اتنا ہی کہا تھا کہ جب سب لوگ بیعت کرلیں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ مالک الاشتر نے قتل کر دینے کی دھمکی دی اور ضامن طلب کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں خود ان کا ضامن ہوں انہیں چھوڑ دو، وہ مفسدین کی من مانی کارروائیوں سے بیزار ہو کر مکہ چلے گئے۔ مالک الاشتر وغیرہ نے گرفتار کرانا چاہا۔ ان کی سوتیلی ماں ام کلثوم بنت علیؓ۔ بیوہ حضرت عمرؓ یہ خبر سن کر بعجلت اپنے والد کے پاس آئیں اور کہا کہ ابن عمرؓ آپ کی مخالفت میں نہیں گئے ہیں اس پر ان کا تعاقب ترک ہوا۔

سبائیوں کی حرکاتِ شنیعہ سے امت میں جو انتشار پیدا ہو گیا تھا تمام عالم اسلامی میں خلیفہ شہید کے مظلومانہ قتل سے اک آگ سی لگ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ صورت حال بہت حد تک سنبھل سکتی تھی اگر قصاص لینے کی تدبیر کی جاتی مگر قصاص نہ لیا گیا۔ محدث دہلویؒ نے طالبین قصاص کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

دوم آنکہ قصاص حق است و حضرت مرتضیٰؓ قادر است بر اخذ قصاص ذی النورینؓ و اخذ آن نمی کند بلکہ مانع آن است و حضرت مرتضیٰؓ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔
(ازالۃ الخفاء ج ۲ صـ۲۷۲)

دوسرے یہ کہ قصاص لینا حق ہے اور حضرت مرتضیٰؓ اس پر قادر تھے کہ حضرت (عثمان) ذی النورینؓ کے (مظلومانہ قتل کا) قصاص لے سکتے مگر انہوں نے قصاص نہ لیا بلکہ اس کے مانع ہوئے۔ حضرت مرتضیٰؓ نے بھی خطائے اجتہادی سے کام لیا۔

حضرت موصوف کی یہ خطائے اجتہادی تھی یا بے بسی اور مجبوری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بخلاف حضرات خلفائے ثلاثہ جن کی بیعت پر تمام امت مجتمع تھی۔ اتحاد و اتفاق تھا۔ کفار کے مقابلے میں جہادی سرگرمیاں تھیں، بڑے بڑے ملک فتح ہو کر مسلمانوں کے زیر تسلط آئے۔ مگر حضرت علیؓ کے زمانے میں نہ کوئی جہاد ہوا، نہ کوئی ملک فتح ہوا، نہ ملت ان کی



بیعت و خلافت پر مجتمع ہوئی۔ آپس ہی میں تلواریں چلتی رہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

فان الثلاثۃ اجتمعت الامۃ علیہم فحصل بہم مقصود الامامۃ وقوتل بہم الکفار وفتحت بہم الامصار وخلافۃ علی لم یقاتل فیہا کافر ولا فتح مصر وانما کان السیف بین اھل القبلۃ۔
(منہاج السنۃ ج ۱ صـ۱۴۵)

تینوں خلفاء (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) نے پوری امت کو اپنی (خلافت) پر مجتمع کر لیا تھا اور اس طرح انہیں امامت (خلافت) کا مقصود حاصل ہو گیا تھا۔ (اور ان کی اس امارت کے مسلّم ہو جانے کی وجہ سے) انھوں نے کفار پر جہاد کیے اور شہروں کو اپنے اقتدار کے تحت لے آئے اور علیؓ کی خلافت میں نہ کفار سے جہاد ہوا اور نہ شہر فتح ہوئے۔ اس دور میں بس تلوار اہل قبلہ ہی میں چلتی رہی۔

دشمنان دین اور کفار سے تیغ آزمائی کرنے کے بجائے طلب وحصول خلافت کی غرض سے تلوار اٹھائی گئی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

مقاتلات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔
(ازالۃ الخفاء صـ۲۷۲ سطر ۲۰)

علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیاں (مقاتلات) تو (بعد شہادتِ عثمانؓ) اپنی خلافت کی طلب وحصول کے لئے تھیں نہ باغراض اسلام۔

شاہ صاحب کے اس خیال کی تائید ایک آزاد نگار مستشرق کے بیان سے ہوتی ہے۔ دیخوئے نے اپنے مقالہ بعنوان "خلافت" میں یہ لکھتے ہوئے کہ "بلوائیوں کے جم غفیر نے (حضرت) علیؓ کو زمام خلافت ہاتھ میں لے لینے کے لئے بلایا اور طلحہؓ و زبیرؓ، کو ان کی بیعت کے لیے مجبور کیا" کہا ہے کہ:۔

(حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ (حضرت) علیؓ کو (خلیفہ شہید کی) جانشینی کا استحقاق واقعاً حاصل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس و پارسائی کا جذبہ تو ان کے

(طلبِ خلافت) میں کارفرما نہ تھا بلکہ حصولِ اقتدار وحبِ جاہ کی ترغیب تھی۔ اس لئے معاندین لوگوں نے اگرچہ وہ (حضرت) عثمانؓ کے طرزِ حکمرانی کی مذمت کرتے تھے علیؓ کو ان کا جانشین تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن ج ۵ ص ۲)

غرضیکہ شہادتِ عثمانؓ سے حالات نے نازک صورت اختیار کر لی خلافت علی منہاج النبوۃ کا خاتمہ ہو گیا محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیث بسیار تصریح وتلویح فرمودند کہ خلافت خلیفہ بعد حضرت عثمانؓ منتظم نہ خواہد شد۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں صراحت اور وضاحت سے فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد خلافتِ خاصہ منتظم نہ ہو سکے گی۔

یہ بتا کر شاہ صاحبؒ نے اس امر کا اظہار بھی واضح طور سے کیا ہے کہ باوجود اوصافِ خلافتِ خاصہ رکھنے کے حضرت علیؓ کی خلافت قائم نہ ہو سکی اور نہ ان کا حکم نافذ ہوا۔ اور آخر میں تو یہ نوبت پہنچی کہ سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس اور کہیں ان کی حکومت باقی نہ رہی۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"حضرت مرتضیٰ با وجود وفور اوصافِ خلافتِ خاصہ در وے متمکن نہ شد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و ہر روز دائرہ سلطنت تنگ تر می شد تا آنکہ در آخر ایام بجز کوفہ و ماحول آن محل حکومت نماند (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۹)

حضرت مرتضیٰ (رضی) باوجودیکہ وہ خلافتِ خاصہ کے وافر اوصاف رکھتے تھے خلافت پر متمکن نہ ہو سکے اور نہ ان کا حکم اقطار ارض میں نافذ ہوا اور ہر روز ان کی سلطنت کا دائرہ تنگ سے تنگ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ آخر ایام میں سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس ان کی حکومت کا ٹھکانا نہ رہا۔

یہ افسوسناک حالت خانہ جنگی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی۔ دشمنانِ اسلام نے اس حالت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

لم یظہر فی خلافتہ دین الاسلام بل وقعت الفتنۃ بین اھلہ وطمع فیہم عدوہم من الکفار والنصاریٰ والمجوس بالشام والمشرق (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۳۱)

یعنی، ان کی (حضرت علیؓ کی) خلافت میں دینِ اسلام کو شوکت نہ ہوئی بلکہ اہلِ اسلام میں فتنہ واقع ہوا اور شام و مشرق (یعنی ایران وغیرہ) کے کفار و نصاریٰ اور مجوسیوں کو جو (مسلمانوں کے) دشمن ہیں ان کے (مسلمانوں کے) تباہ کرنے کی طمع پیدا ہوئی۔



سبائیوں کا مقصودِ اصلی یہی تھا کہ خونِ عثمانؓ کو ناحق بہا کر جس فتنے کا دروازہ کھولا ہے وہ کبھی بند نہ ہو سکے، مسلمان حسبِ سابق ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہوں اور فتوحاتِ اسلامیہ کا سلسلہ جاری نہ رہے۔ (عبداللہ بن سبا یہودی مفسد جس کو ابن السودا بھی کہتے ہیں بذاتِ خود مدینہ میں موجود تھا۔ قتلِ عثمان کا سارا پلان اسی نے بنایا تھا۔ طالبینِ قصاص کے بصرہ کو روانگی کی خبر سن کر حضرت علیؓ نے ان کے مقابلے میں جانا چاہا۔ ابنِ سبا اور اس کی پارٹی ان کے ساتھ ساتھ لگی رہی۔ اکابر صحابہ نے اس اقدام کی مخالفت کی حضرت عبداللہ بن سلامؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا:-

لا تخرج منہا (ای مدینۃ الرسول) فو اللہ لئن خرجت منہا لا ترجع الیہا ولا یعود الیہا سلطان المسلمین ابدا فسبوہ فقال دعوا الرجل فنعم الرجل من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وسار حتی انتھی الی الربذہ (ص ۷۱ ج ۳ طبری)

(اے علیؓ تم (مدینہ رسولؐ کو) چھوڑ کر مت جاؤ، خدا کی قسم مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو پھر کبھی لوٹ کر نہ آؤ گے اور نہ مسلمانوں کی حکومت (خلافت) ادھر کبھی پلٹے گی یعنی مدینہ مستقرِ خلافت نہ رہے گا (ان کے اس کہنے پر سبائیوں نے) ان کو سب وشتم کیا۔ اس پر (حضرت علیؓ نے کہا) ان کو چھوڑ دو الگ رہو یہ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھے شخص ہیں یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گئے یہاں تک کہ مقام ربذہ میں پہنچ گئے۔

حضرت حسنؓ بھی اپنے والدِ ماجد کے مستقرِ خلافت چھوڑنے کے خلاف تھے اس وقت تو وہ ان کے ساتھ نہ گئے۔ بعد میں اسی مقام ربذہ میں آ کر ملے۔ اور اپنے والد سے شکایت کی کہ میرا کوئی مشورہ آپ نے نہ مانا بلکہ اس کے خلاف کیا میں نے عرض کیا تھا کہ جب تک تمام ولایتوں کے وفود نہ آ جائیں اور وہاں کے لوگ بیعت نہ کر لیں اپنی بیعت نہ لیجئے۔ حضرت علیؓ نے جواباً کہا کہ انتخابِ خلیفہ کا حق اہلِ مدینہ کا ہے (فان الامر امر اھل المدینۃ

طبری) ان کا اور ان کے ساتھیوں کا یہی موقف تھا کہ مدینہ میں جب بیعت خلافت ہو چکی تو اب سب کو بیعت میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ پھر مرکز کو مضبوط کر کے داخلی فتنوں کا سدّباب ہو سکتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کا جن میں اکابر صحابہ کی ایک جماعت شامل تھی یہ قول تھا کہ خلیفہ شہید کی بیعت ہماری گردنوں میں ہے۔ ان کی وفات طبعی نہیں ہوئی اور نہ وہ آخر وقت تک خلافت سے دستبردار ہوئے۔ ظلم و تعدی سے ان کو اچانک شہید کر دیا گیا۔ ہم علیؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔ بشرطیکہ وہ باغیوں اور قاتلوں سے تبرّا کریں اور ہمارے ساتھ ہو کر قصاص لیں۔ نظامِ خلافت کی حرمت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی اگر قاتلین کو بغیر قصاص لئے چھوڑ دیا جائے۔ حضرت طلحہؓ نے واضح الفاظ میں سامعین سے کہا تھا۔

| | |
|---|---|
| وان ترکتم داعتی قصاص) لم يقم لكم سلطان ولم يكن لكم نظام۔ | اگر قصاص لینا تم نے ترک کر دیا تو پھر نہ تمہارے لئے حکومت قائم رہ سکتی ہے اور نہ نظامِ حکومت۔ |

(۵۳۳۲ھ طبری و ۱۳۳ جمہرۃ الخطیب)

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ باغیوں کی جماعت پر ہمیں قدرت حاصل نہیں۔ اس وقت ان کا غلبہ ہے۔ اس دوران میں بعض صحابہ کی مساعی سے طالبینِ قصاص اور حضرت علیؓ میں مفاہمت کی شکل پیدا ہو گئی۔ اور حضرت علیؓ تکمیل صلح کی غرض سے جب روانہ ہونے پر تیار ہوئے تو یہ اعلان کیا کہ جس شخص نے بھی عثمانؓ کے معاملے میں کچھ کیا ہو وہ ہمارے ساتھ نہ چلے (الا ولا یرتحلن غدا احدٌ اعان علی عثمان رضی اللہ عنہ ۱۹۴ ج ۵ طبری) یہ سن کر ان سبائیوں نے جن میں ابن سبا اور اس کا خاص الخبیث الاشتر نیز دوسرے باغی اور قاتل شامل تھے خفیہ میٹنگ کر کے طے کیا کہ اس صلح و مفاہمت کو ناکام بنا دیا جائے کیونکہ صلح کی صورت میں ہماری خیر نہیں۔ مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ عبداللہ بن سبا کی تجویز کے مطابق ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں اور متبعین کے ذریعے جن کی تعداد ڈھائی ہزار بیان کی گئی ہے رات کو شب خون مار کر آتش جنگ مشتعل کرا دی۔ حضرت علیؓ نے اس خانہ جنگی اور برادر کشی کو روکنے کے لئے قرآن شریف دکھا دکھا کر کہا کہ یہ کلام اللہ ہمارے تمہارے درمیان ہے۔ اسی کے مطابق فیصلہ ہو (طبری ج ۵ ص ۲۰۴)، لیکن سبائیوں کا تیر نشانہ پر بیٹھ چکا تھا۔ ہر فریق نے اسی غلط فہمی میں قتال کیا کہ دوسرے نے شرائط صلح سے غداری کی۔ اس سانحہ کے بعد بھی سبائیوں کی



ریشہ دوانیوں کا خاتمہ نہ ہوا اہلِ شام سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں، سبائیوں کی من مانی کارروائیاں دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے ہیں کسی نہ کسی حیلے بہانے سے حضرت علیؓ سے کرا لیتے ہیں۔ ان کے بعض عزیز قریب بھی بیزار ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے برادر بزرگ حضرت عقیلؓ کی دوربین نگاہوں نے اس صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائیؓ کے گرد و پیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑہ غرق کئے بغیر نہ رہیں گے اس ضمن میں وضاعین نے کتنے ہی لطیفے اور کتنی پھبتیاں کسی ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار کا امکان نہیں کہ حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ جو بزرگ خاندان تھے، وہ اپنے بھائیؓ سے علیحدہ ہو کر ان کے بالمقابل حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے ولی الدم اور طالب قصاص تھے صفین کے میدان میں وہ ان کے کیمپ میں موجود رہے انہوں نے اپنے بھائیؓ کے ساتھ وفاداری اسی میں سمجھی تھی کہ ان کی سیاست پر جو لوگ مستولی ہیں وہ اپنے کیفر کردار کو پہونچیں۔

حضرت علیؓ کے بڑے بھائی کا ان کے خلاف ہو کر حضرت معاویہؓ کے ساتھ صفین کے میدانِ جنگ میں ان کے ساتھ ہونے کو شیعہ مورخ نے بھی ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وفارق (عقیل) اخاه علياً امير المؤمنين في ايام خلافته وهرب الى معاوية وشهد صفين معه۔ | اور (عقیل) اپنے بھائی علی امیر المومنین سے ان کے ایامِ خلافت میں جدا ہو گئے اور معاویہ کے پاس بھاگ گئے اور ان کے ساتھ صفین کی جنگ میں موجود رہے۔ |

(عمدۃ الطالب ص ۱۵ مطبع لکھنؤ)

نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ نے کتاب واقعۃ الصفین میں اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بعنوان "بیعۃ اهل البصرۃ علیاً وقسمہ ما فی بیت المال فیہ" لکھا ہے کہ ساٹھ لاکھ کی رقم بیت المال میں تھی جو فوجیوں پر تقسیم کر دی گئی ہر ایک کے حصے میں پانسو کی رقم آئی۔ پھر ان سے کہا گیا کہ:۔

| | |
|---|---|
| لکم ان اظفرکم اللہ عزّ وجلّ بالشام مثلها۔ | اگر خدائے عز و جل اہلِ شام پر تم کو فتح مند کرے تو اتنا ہی تمہیں اور ملے گا۔ |

الاشتر وغیرہ تقریر کر کے لوگوں کو اہلِ شام کے مقابلے میں جینے کی ترغیب و تحریص کر رہے تھے کہ بنی فزارہ کا ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا:۔

| | |
|---|---|
| أتريدون ان تسيرنا الى اخواننا من اهل الشام نقتلهم كلا كما سرتنا الى اخواننا من اهل البصرة نقتلهم كلا والله اذا لا نفعل ذالك۔ | کیا تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے شامی بھائیوں کے مقابلہ میں جائیں اور انہیں قتل کریں جس طرح تم ہمیں برادران بصرہ کے قتل کرنے کو لے گئے تھے نہیں واللہ ہم یہ ہرگز نہ کریں گے۔ |

الاشتر نے یہ سن کر اپنے لوگوں سے کہا ذرا لینا اس کی خبر، وہ شخص جان بچانے کو بھاگا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے اور لاتوں اور گھونسوں سے مار ڈالا حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی۔ آپ تشریف لائے اور پوچھا کہ کس نے مارا۔ کہا گیا کہ ہمدان قبیلے کے لوگوں نے اس پر فرمایا قتيل عمية لا يدرى من قتله وديته من بيت المال المسلمين یعنی یہ جاہلیت کے زمانے کا قتیل ہے۔ معلوم نہیں قاتل کون ہے اسکی دیت بیت المال المسلمین سے ادا ہو۔

سبائیوں نے ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے پر ابھارا اور روپیہ کا لالچ دیا۔ مورخین نے زید بن عتابہ تمیمی کا یہ مضحک خیز واقعہ بیان کیا ہے کہ پانسو کی رقم کے لالچ میں صفین کی جنگ میں شریک ہوا۔ اور لڑائی کا رنگ پلٹتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔

| | |
|---|---|
| وكان زيد المذكور لما عظم البلاء بصفين قد انهزم ولحق بالكوفة فلما قدم زيد على اهله قالت له بنته اين خمس المائة؟ | زید مذکور نے جب صفین کی مصیبت کو بڑھتا اور ہزیمت ہوتی دیکھی تو بھاگ کر کوفہ آگیا اور جب گھر والوں کے پاس پہنچا تو اس کی بیٹی نے پوچھا وہ پانسو کی رقم کہاں ہے۔ |

(حاشیہ ۱۸۱ واقعہ صفین نصر بن مزاحم)

بیٹی کے سوال کا جواب اشعار میں دیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ تیرا باپ صفین سے بھاگ آیا اب پانسو کی رقم کہاں مل سکتی ہے۔ عبداللہ بن سبا اور الاشتر کو اس کی کیا پرواہ تھی کہ کون پارٹی فتحمند ہوا اور کون منہزم۔ ان کو تو مسلمانوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکانی تھی۔ واقعہ صفین کے قدیم ترین مؤلف نے لکھا ہے کہ جب اہل شام کو اس کی خبر ہوئی کہ پانچسو پانچسو کی رقم کے لالچ میں بہت سے لوگ فوج میں بھرتی ہو کر آئے ہیں



تو انہوں نے ان عراقیوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا:

| | |
|---|---|
| يا اهل العراق الما ذا نزلتم بعجاج من الارض؟ لا خمس الا جندل الاحرين والخمس قد يجمل الامرين جمنا الى الكوفة من قنسرين | اہل عراق! تم اس زمین میں ایسے چھچھوروں کے ساتھ کیوں آئے ہو یعنی کرائے کے لوگوں کے ساتھ۔ تمہارے لئے سوائے پتھروں کے وہ پانسو نہیں ہو سکتے تم اس مقام قنسرین سے کوفہ کو چمپت ہو جاؤ۔ |

(ص ۱۸۱ واقعہ صفین نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ)

یہ موقع جنگ جمل وصفین کی تفصیل کا نہیں۔ ومناعین نے سبائی پارٹی کی سازشی کارروائیوں کی پردہ پوشی کے لئے صورت حال حد درجہ مسخ کر کے پیش کی ہے اس لئے اشارۃً یہ چند فقرات لکھے گئے۔ حضرت علیؓ بھی اپنے ماحول سے سخت بیزار تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ سبائیوں کی اس دلدل سے نکل جائیں۔ اگر اس جگہ ان خطبوں کے اقتباسات پیش کئے جائیں جو انہوں نے اپنے نام نہاد پیرووں کی غداریوں اور سرکشیوں کے متعلق دیئے ہیں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ جمل اور صفین کے موقعوں پر باہم گفت وشنید سے جو اچھے نتائج مرتب ہونے کی فضا پیدا ہو گئی تھی وہ محض غیر جانب دار عناصر کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھی بلکہ خود فریقین خانہ جنگی سے بچنا چاہتے تھے مگر دونوں مرتبہ سبائی گروہ کی پیش قدمیوں نے بنتی صورت بگاڑ دی۔ لیکن خدائے بزرگ و برتر کو ملت اسلام کی بہتری مقصود تھی۔ اور امت کو تباہی سے بچانا تھا کہ بالآخر مصلحین کی مساعی جمیلہ سے خون عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ ثالثی کے سپرد ہو گیا اور دشمنان اسلام کے عزائم فاسدہ بروئے کار نہ آسکے۔ انہوں نے اپنی ناکامی سے اہل شام پر سب وشتم کا آغاز کیا۔ حضرت علیؓ نے نہ صرف ان کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ گشتی مراسلہ اپنے زیر حکومت علاقہ کے لوگوں کو بھیجا جس میں واضح طور سے بتایا گیا کہ اہل شام سے جو اختلاف تھا وہ خون عثمانؓ کے مسئلے میں تھا۔ ورنہ ہم اور وہ سب ایک ہی دین کے پیرو ہیں اس مراسلہ کو نہج البلاغۃ کے شیعہ مؤلف نے بھی شامل کتاب کیا ہے جس کی نقل یہاں درج کرنا مناسب ہے:

| | |
|---|---|
| من كتاب له عليه السلام الى اهل الامصار يقتص فيه ما جرى | یہ گشتی مراسلہ ہے جناب علی علیہ السلام کا جو تمام شہروں کے اہالیان کو بھیجا گیا |

بینہ و بین اھل صفین وکان بداء امرنا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر انّ ربّنا واحد ونبیّنا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ ولا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء۔

(صفحہ ۱۵۹ الجزء الثانی نہج البلاغۃ مطبوعہ دار الکتب الکبریٰ مصر)

جس میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے جو ان کے اور اہل صفین کے درمیان پیش آیا۔

ہمارے معاملے میں ابتدا یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خون عثمان کی بابت اختلاف ہوا۔ حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔

سبائیوں کی ساری کوششیں یہی تھیں کہ خانہ جنگی جاری رہے کیونکہ جمل کی طرح یہاں صفین کی مصالحت و ثالثی سے ان کو اپنی موت نظر آتی تھی۔ مسئلہ ایسا صاف اور سادہ تھا کہ کوئی ثالث بھی اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لوگ جنھوں نے خلیفہ راشد کو ظلماً قتل کیا نظامِ خلافت کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا سیاست ملیہ پر ایک لمحہ کے لیے بھی مستولی رہیں۔

## خلافت سے معزولی اور شہادت

حضرت علیؓ کو بھی ثالثی کے تقرر کے ساتھ ہی اس کا بخوبی احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ منصب خلافت پر قائم نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ قاتلین عثمانؓ جو خانہ جنگیوں میں نمایاں حصّہ لے رہے تھے حضرت علیؓ با وجود قدرت کے قصاص نہ لے سکے تھے اور ان میں سے بعض کو عہدے بھی دیئے دیئے تھے جس سے انھوں نے اپنی پوزیشن کو مشتبہ کر لیا تھا۔ سلیمان بن مہران سے یہ روایت ایک ایسے راوی کی زبانی بیان کی ہے جس نے صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کے منہ سے یہ الفاظ سنے تھے وہ تاسّف



سے فرماتے تھے:

لو علمت ان الامر یکون ھٰکذا ما خرجت اذھب یا موسٰی فاحکم ولو بحز عنق۔

اگر میں یہ جانتا کہ یہ معاملہ اس طور پر ہو جائے گا تو خروج نہ کرتا اے ابو موسٰی! تو تم فیصلہ کرو خواہ وہ میری گردن ہی اڑانے کے بارے میں کیوں نہ ہو۔

(ازالۃ الخفاء ج ۲ صفحہ ۲۸۳ طبع اول)

ثالثوں نے اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کو منصب خلافت سے معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ ارباب حل و عقد کے مشورہ پر منحصر کیا اور یہ قرار دیا کہ جب تک انتخاب خلیفہ کی کارروائی مکمل نہ ہو فریقین اپنے اپنے مقبوضہ علاقہ پر قائم رہیں لیکن صفین کی واپسی کے بعد سے حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک گروہ (خوارج) سے قتال و جدال میں الجھ گئے تا آنکہ ان ہی میں سے ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت ممدوح کو زہر آلود خنجر سے مجروح کر دیا۔ اس کا خسر شجنہ بن عدی اور برادر نسبتی الاخضر بن شجنہ جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کے فوجیوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ زخم ایسا کاری لگا کہ تین روز بعد وفات پا گئے۔ خوارج سے ان کے جھگڑے نہ ہوتے اور یہ سانحہ پیش نہ آتا۔ تو امت کے مشورے سے نئے خلیفہ کا انتخاب ہوتا۔ اور تاریخی واقعات کا رخ ہی دوسرا ہو جاتا۔ بہر حال جو مقدر تھا پیش آیا۔

## وصیّت

وفات سے قبل حضرت ممدوح نے اپنے صاحبزادے حسنؓ سے تنہائی میں دیر تک گفتگو کی۔ نصیحتیں اور وصیتیں کیں آیہ شریفہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا تلاوت فرما کر اتحاد و اتفاق امت کی ضرورت پر متوجہ کیا (صفحہ ۳۲۷ ج ۷ البدایہ والنہایہ صفحہ ۸۵ ج ۶ طبری) اور یہ ہدایت کی کہ میرے مرنے کے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا ان کے امیر المومنین ہو جانے سے کراہت مت کرنا۔ کیونکہ ان کو بھی تم گنوا بیٹھے تو اختلاف و انتشار امت کے تلخ ترین نتائج بھگتنے پڑیں گے (صفحہ ۱۳ ج ۸ البدایہ النہایہ) حضرت علیؓ جیسے بزرگ کو اپنی زندگی کی آخری ساعت میں اس بات کا احساس تھا کہ ان کی پارٹی بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ وہ بھی اخر یہ دل

اپنی پارٹی کے لوگوں کی مذمت کرتے اور فرماتے کاش میں تمہارا منہ نہ دیکھتا۔ تم نے میرے قلب کو رنج و غم سے بھر دیا۔ اے کاش میں اب سے بیس برس پہلے مرگیا ہوتا۔ شیخ ابن تیمیہؒ نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے فوجیوں سے عاجز تھے۔ وہ ان کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے لشکر والے ان کے مطیع و اطاعت کیش تھے۔

وكان علی رضی عاجزاً عن قهر انطلة من العسكرين ولم تكن اعوانه يوافقونه على ما يأمر به - واعوان معاویہؓ يوافقونه

(ص۲۰۴ ج۲ منہاج السنۃ)

اور (حضرت) علیؓ اپنے فوجی عاملوں کے قہر سے عاجز تھے ان کے اعوان انصار ان کے احکام کی موافقت نہیں کرتے تھے۔ برخلاف ان کے (حضرت) معاویہؓ کے اعوان و انصار ان کی موافقت کرتے تھے۔

ان حالات میں حضرت علیؓ کی یہ عراقی پارٹی قطعاً ناکارہ و ناکام ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں عشرہ مبشرہ میں کے بعض حضرات، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور دیگر صحابۂ کرام کی کثیر تعداد بقید حیات تھی لیکن امت کو اختلال و انتشار سے نکالنے، دشمن اسلام قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے اور خلافت کی ڈگمگاتی کشتی کو ساحل مراد تک سلامتی کے ساتھ پہنچانے کی اہلیت اگر کسی میں بدرجۂ اتم تھی تو وہ حضرت معاویہؓ کی ذات میں تھی۔ اس لئے مفاد ملت کے پیش نظر حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے کو خاص ہدایت کی کہ ان کے امیرالمومنین ہونے سے کراہت نہ کریں۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے اپنے گرامی قدر والد ماجد کی تدفین کے بعد عراقیوں کے مجمع کے سامنے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ جس سے میں لڑائی کروں، تم اس سے لڑائی کرو گے اور جس سے میں صلح کروں اس سے تم صلح کرو گے۔ پھر کہا:-

وان علياً ابي كان يقول لا تكرهوا امارة معاوية فانكم لو فارقتموه لرأيتم

اور میرے والد ماجد علیؓ فرماتے تھے کہ معاویہؓ کی امارت (یعنی امیرالمومنین ہونے سے) تم کراہت مت کرنا کیونکہ



الرؤس تندر عن كواهلها كالحنظل -

(جلد ۳ ص۳۲ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید وازالۃ الخفاء جلد ۳ ص۲۹۳ والبدایہ والنہایہ ص۱۳۱ ج۸)

تم نے اگر ان کو بھی گنوا دیا تو تم دیکھو گے کہ مونڈھوں پر سے حنظل کی طرح دھڑا دھڑ سر دکٹ کٹ کر) گریں گے۔

امامۃ والسیاسۃ جیسی کتاب میں جو کسی غالی مؤلف نے شرارت سے امام الفقیہ ابی عبداللہ بن مسلم قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ سے محض غلط منسوب کردی ہے اور ان کی تالیفات کی فہرست مندرجہ الفہرست ابن ندیم میں بھی شامل نہیں اس میں حضرت حسنؓ کی تقریر کا یہ فقرہ موجود ہے۔ جو انہوں نے کوفیوں کو خطاب کرتے ہوئے کی تھی۔

ان ابي كان يحدثني ان معاوية سيلي الامر، فوالله لو سرنا اليه بالجبال والشجر ما شككت انه سيظهر ان الله لا معقب لحكمه ولا راد لقضائه

(ص۱۴۷ ج۱ طبع اولی ۱۹۳۷ء)

اور میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہؓ خلافت پر ضرور فائز ہو جائیں گے خدا کی قسم اگر ہم پہاڑوں اور درختوں جیسی بڑی فوجی قوت سے بھی ان کے مقابل آتے تو وہ ضرور غالب رہتے۔ خدا کی حکمت کو نہ کوئی لوٹا سکتا ہے اور نہ اس کا ارادہ پلٹا جا سکتا ہے۔

سبائیوں کو یہ سننے کی تاب کہاں تھی ان بدبختوں نے نواسہ رسولؐ پر بھی حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ غالی راویوں نے حسب عادت اس واقعہ کو مسخ کر کے یہ کہا ہے کہ حسنؓ کے کمانڈر لڑائی میں مارے گئے اس لئے لوگوں نے اپنے امام پر حملہ کر دیا۔

اس قول کی رکاکت تو خود ہی ظاہر ہے۔ سبائیوں کو غیظ و غضب اس لئے تھا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی امارت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے پہلے بھی ان کی گوشمالی کی تھی اور اب تو تفویض امارت کے بعد وہ اپنی خیریت

نہیں سمجھتے تھے۔

## مصالحت اور بیعتِ خلافت

زخم کے مندمل ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ نے بلا تاخیر مزید صلح و مصالحت میں سبقت کی۔ سبائیوں کی برابر یہ کوشش رہی کہ صلح نہ ہونے پائے۔ ان کے ایک لیڈر حجر بن عدی نے پہلے تو حضرت حسن بن علیؓ سے گفتگو کی۔ انہوں نے سختی سے ڈانٹ دیا۔ پھر ان کے چھوٹے بھائی حسین بن علیؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ تم نے عزت کے بجائے ذلت کو اور کثیر کے بجائے قلیل کو اختیار کیا ہے، اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دو تو میں اہل کوفہ میں سے تمہارے اعوان و انصار کی کثیر جماعت حاضر کردوں گا۔[1] مگر حضرت حسینؓ نے فتنہ پرداز کی کوئی بات نہ مانی اور صاف کہا کہ ہم نے بیعت کرلی ہے۔ معاہدہ ہوگیا ہے۔ اب کوئی سبیل ہمارے بیعت کے توڑ ڈالنے کی نہیں ہے۔

فقال الحسين انا قد بايعنا و عاهدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا۔

پس حسینؓ نے کہا۔ ہم نے بیعت کرلی ہے عہد کرلیا ہے اور ہمارے بیعت توڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

(اخبار الطوال للدینوری ص۲۲۳ مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۸ء)

غالی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ صلح و مصالحت سے متفق نہ تھے انہوں نے اپنے بھائی سے بحث و مباحثہ کیا لیکن حضرت حسنؓ نے چھوٹے بھائی کو جھڑک دیا اور کہا۔

اسكت فانا اعلم بالامر منك۔ تم چپ رہو، میں اس معاملہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ (طبری ج۶ ص۹۲)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی جدید تالیف "علیؓ و بنوہ" میں زیادہ تصریح سے لکھا ہے:-

[1] ان لوگوں کا شعار رہا کہ اول تو بڑھ بڑھ کر باتیں کریں پھر وقت پہ دغا دیں۔



ان الحسين بن علیؓ لم يكن يرى رأي اخيه ولا يقره ميله الى السلم وانه الح على اخيه في ان يتمسك و يمضي في الحرب ولكن اخاه امتنع واشتد عليه ليوضعنه في الحديد ان لم يطعه (صفحہ ۲۰۳)

حسین بن علیؓ نے اپنے بھائی کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور صلح و امن کی طرف ان کے میلان کو نہیں مانا انہوں نے اپنے بھائی پر لڑائی میں چلنے کو زور دیا۔ لیکن ان کے بھائی نے منع کیا۔ اور ڈرایا کہ اگر میری اطاعت نہ کی تو بیڑیاں پہنا دی جائیں گی

بہرحال حضرت حسینؓ نے اپنے بڑے بھائی کی رائے سے اتفاق بہ جبر کیا ہو یا بخوشی، واقعۂ بیعت سے تو کسی کو انکار نہیں۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ عراقی فوج کے کمانڈر قیس بن عبادہ نے اس وقت کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کرلی تھی عراقیوں سے پوچھا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کرو۔ یا تو بلا امام قتال کرو یا معاویہؓ کی اطاعت میں داخل ہو لو۔

فاختاروا الدخول في طاعة معاويه

لوگوں نے (حضرت) معاویہؓ کی اطاعت و بیعت میں داخل ہونا اختیار کیا۔

(اخبار الطوال ص۲۳۳)

مختصر یہ کہ عراق سے جب یہ حضرات مدینہ آئے تب بھی سبائیوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ان کے بعض لیڈر مدینہ آئے جن میں سلیمان بن صرد پیش پیش تھے حضرت حسنؓ سے گفتگو کی: "السلام علیک یا مذل المومنین" کہہ کر سلام کیا حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ "وعلیک السلام" بیٹھو! میں مذل المومنین نہیں بلکہ معز تم ہوں۔ میں نے لوگوں سے قتال و جدال کو دفع کیا۔ واللہ اگر ہم پہاڑوں جیسی فوج لے کر بھی مقابلہ کو نکلتے تب بھی کوئی قوت خلافت و امارت کو معاویہؓ سے نہیں روک سکتی تھی۔ (اخبار الطوال)

پھر حضرت حسنؓ کے پاس سے اٹھ کر یہ لوگ حضرت حسینؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ اور ان کے بھائی نے جو جواب ان کو دیا تھا وہ بھی بتایا۔ اس پر حضرت حسینؓ نے کہا:-

"ابو محمد (حسن رضؓ کی کنیت) نے سچ کہا؛ تم سب لوگ اس وقت تک اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو۔ جب تک یہ (معاویہ رضؓ) زندہ ہیں"

(اخبار الطوال)

الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت حسین رضؓ نے کوفی لیڈر سلیمان بن صرد کو یہی جواب دیا اور کہا:-

لیکن کل رجل منکم حلس من احلاس بیتہ ما دام معٰویۃ حیا فانہا بیعۃ کنت واللہ لہا کارہًا فان ہلک معاویہ نظرنا ونظرتم ورأینا ورأیتم

(ص۱۶۲)

لیکن تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کے اندر خاموشی سے اس وقت تک بیٹھا رہے جب تک کہ معاویہ رضؓ زندہ ہیں کیونکہ ان کی بیعت میں نے واللہ بکراہت کی تھی اگر معاویہ رضؓ وفات پا گئے تو ہم بھی غور کریں گے اور تم بھی ہم بھی رائے قائم کریں گے اور تم بھی۔

گویا اس غالی مؤلف کے نزدیک حضرت حسین رضؓ نے حضرت معاویہ رضؓ سے بیعت بہ مجبوری وبکراہت کی تھی۔ حصول خلافت وحکومت کے لئے موقع مناسب کے منتظر تھے اور حضرت معاویہ رضؓ کی وفات کے بعد ان کو لامحالہ اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے کھڑا ہونا ہی تھا۔

غالی راویوں کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ابو مخنف نے تو یہ غلط قول حضرت حسین رضؓ سے منسوب کر دیا کہ اپنے بھائی حسن رضؓ کا حضرت معاویہ رضؓ سے بیعت کرلینا ان کو اس درجہ شاق تھا کہ فرماتے تھے گویا میری ناک چاقو سے کاٹنے والا کاٹ ڈالتا یا میرا جسم آری سے چیر ڈالتا میں نے بھائی کی اطاعت کراہت سے کی ہے (فاطعتہ کرہًا) اسی کے ساتھ بقول ابو مخنف انہوں نے شیعان کوفہ سے کہا:-

وان کان صلحًا وکانت بیعۃ ولتنتظر ما دام ہذا

اب اس وقت گو صلح ہے اور بیعت بھی ہے جب تک یہ شخص (معاویہ رضؓ)



الرجل حیًا فاذا مات نظرنا ونظرتم

زندہ ہے انتظار کرو جب مر جائے تو ہم بھی سوچیں گے اور تم بھی۔

(مقتل ابی مخنف ص۱۲ مطبوعہ نجف)

## حضرت معاویہ کا سلوک

حضرت معاویہ رضؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت علی رضؓ کے ان دونوں صاحبزادوں حضرات حسن وحسین رضؓ کے ساتھ بڑی محبت اور عزت کا برتاؤ ہوتا۔ مقررہ وظائف کے علاوہ گراں بہا عطیات دیئے جاتے اور یہ دونوں حضرات ہر سال بلا ناغہ امیر المؤمنین کی خدمت میں دمشق جاتے اور مہمان عزیز کی حیثیت میں ان کے پاس رہتے۔

فلما استقرت الخلافۃ لمعاویۃ کان الحسین یتردد الیہ مع اخیہ الحسن فیکرمہما معاویۃ اکرامًا زائداً ویقول لہما مرحبا واہلاً یعطیہما عطاء جزیلاً وقد اطلق یوم واحد مائتی الف۔

جب خلافت معاویہ رضؓ کی قائم ہو گئی تو حسین رضؓ اپنے بھائی حسن رضؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ ان دونوں کی بہت ہی عزت کرتے اور مرحبا کہتے اور عطیات دیتے ایک ہی دن میں ان کو بیس لاکھ درہم عطا کئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۵۰)

علامہ ابن کثیرؒ نے متعدد جگہ ان گراں قدر وظائف وعطیات کا ذکر کیا ہے جو امیر المومنین معاویہ رضؓ حضرت حسن وحسین رضؓ اور دیگر بنی ہاشم کو دیا کرتے تھے۔ زید بن الحباب کی روایت ہے کہ:-

قدم الحسن بن علی علی معاویہ فقال لہ: لاجیزنک بجائزۃ لم یجز بہا احد کان قبلی فاعطاہ اربعمائۃ

حسن بن علی رضؓ (ایک مرتبہ حضرت) معاویہ رضؓ کے پاس (دمشق) آئے تو انھوں نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایسا (گراں قدر) عطیہ دوں گا جو مجھ سے

الف الف ووفدا لیه مرة الحسن والحسین فلجازهما علی الفود بمائتی الف الف۔

قبل کسی نے بھی نہ دیا ہو گا چنانچہ انہوں نے چالیس لاکھ کی رقم ان کو دی پھر ایک دفعہ حسن و حسینؓ جب آپ کی خدمت میں آئے تو ان حضرات کو انہوں نے فی الفور بیس لاکھ دیئے۔

(ص۱۳۷ ج۸ البدایہ والنہایہ)

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ میں ان عطایا کا ذکر کیا ہے جو حضرات حسنؓ و حسینؓ و دیگر اکابر بنی ہاشم کو امیر المومنین معاویہؓ دیا کرتے تھے۔ لکھا ہے :-

ومعاویة اول رجل فی الارض وهب الف الف وابنه (یزید) اول من ضاعف ذالك كان يجيز الحسن والحسين ابن علی فی کل عام لکل واحد منهما بالف الف درهم وكذالك كان يجيز عبدالله بن عباس وعبدالله بن جعفر۔

اور معاویہؓ دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے دس دس لاکھ درہم عطا کئے اور ان کے فرزند (یزیدؒ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس دو گنا کیا اور یہ عطیات (حضرت) علیؓ کے ان دونوں بیٹوں حسن و حسینؓ کو ہر سال دس دس لاکھ درہم کے عطا ہوتے اور اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ کو بھی دیئے جاتے۔

(ج۳ ص۲۳ شرح ابن ابی الحدید)

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ بدستور امیر المومنین معاویہؓ

---

[1] یہ وظائف وعطیات یا تو خمس اور غنیمت میں سے ہوتے تھے۔ یا اس مال میں سے جو ملت کی ضروریات سے زائد ہوتا اور حق والوں کو حق دیا جا چکا ہوتا بعض اوقات خلفاء خود اپنے ذاتی حصہ میں سے انعام وغیرہ دیا کرتے تھے امن نے کہا ہے کہ معاویہؓ نے گرانبہا عطیات دے کر ان کے ہاتھوں کو سونے چاندی کی زنجیروں سے جکڑ لیا تھا۔



کی خدمت میں ہر سال حاضر ہوتے اور عطیات حاصل کرتے رہے۔

ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویة فی کل عام فیعطیه ویکرمه

جب حسنؓ کا انتقال ہو گیا تو حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جاتے وہ ان کو عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے۔

(ج۸ ص۱۵۱ البدایہ والنہایہ)

اور تو اور ابو مخنف جیسے غالی نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسینؓ کو علاوہ ہدایا کے حضرت معاویہؓ دس لاکھ دینار سالانہ بھیجا کرتے تھے ۔ وہ کہتے ہیں کہ

وکان (معاویة) یبعث الیه (الحسین) فی کل سنة الف الف دینار سوی الهدایا من کل صنف۔

اور (معاویہ) ہر سال (حسینؓ) کو علاوہ ہر قسم کے ہدایا کے دس لاکھ دینار بھیجا کرتے تھے۔

(مقتل ابی مخنف ص۳)

عراقی سبائیوں نے حضرت حسنؓ کی وفات کی خبر سن کر حضرت حسینؓ کو ورغلانے کی کوشش کی اہل کوفہ میں سے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا جس میں تحریر تھا۔

فان کنت تحب ان تطلب هذا الامر فاقدم علینا فقد وطنّا انفسنا علی الموت معك۔ (اخبار الطوال ص۲۳۵)

پس اگر تم کو اس امر (خلافت) کی خواہش ہے تو ہمارے پاس آ جاؤ ہم نے اپنی جانوں کو تمہارے ساتھ مرنے پر وقف کر رکھا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس خط کے جواب میں حضرت حسینؓ نے لکھ بھیجا کہ تم لوگ بدظنی سے بچو، اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں کوئی حرکت مت کرو اور اگر ان کا وقت آ گیا اور میں زندہ رہا تو اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔

فان یحدث الله به حدثا

پس اگر اللہ کی جانب سے ان کا واقعہ

| وانا ھی کتبت الیکم برائی (اخبار الطوال ص ۲۳۵) | پیش آجائے اور میں زندہ رہا تو تم لوگوں کو اپنی رائے سے تحریراً مطلع کروں گا۔ |
|---|---|

## جہادِ قسطنطنیہ وبشارتِ مغفرت

مجوسی و ایرانی شہنشاہیت کا تو پہلے ہی قلع قمع ہو چکا تھا۔ مگر اسلام کی مخالف ایک زبردست قوت رومی بازنطینی شہنشاہیت ابھی باقی تھی امامِ اوّل و خلیفۂ رسول اللہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت معاویہؓ کے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ و حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراحؓ و سیف اللہ خالد بن ولیدؓ اور دیگر امراء کو جہادِ شام پر متعین کیا تھا۔ انہوں نے شام و فلسطین وغیرہ کو فتح کیا رومیوں کو شکستیں دیں۔ حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معاویہؓ کو ان کے بھائی کی جگہ مقرر کیا انھوں نے خلافتِ فاروقؓ اور خلافتِ عثمانیؓ میں رومیوں کو برّی و بحری معرکوں میں شکستیں دیں لیکن مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر ابھی تک پیش قدمی نہیں کی گئی تھی شجاعانِ عرب ملک شام فتح کرنے کے زمانہ ہی سے رومی نصرانیت کے صدر مقام قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا خیال رکھتے تھے۔

| ان العرب منذ فتحوا الشام نکت وانی فتح القسطنطنیۃ لانہا کانت لذلک العہد عاصمۃ النصرانیۃ وکان الاسلام لو فتحہا غلب علی شمالی اوربا بلا نزاع (ص ۲۱۴ حاضر العالم اسلامی تالیف پروفیسر لوتروپ ستودارد مع تعلیقات امیر شکیب ارسلان) | ملک شام فتح کرنے کے زمانے ہی سے عرب قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی فکر میں تھے کیونکہ اس عہد میں یہ شہر نصرانیت کا دار السلطنت تھا اور اگر یہ فتح ہو جاتا تو اسلام شمالی یورپ میں بلا مقابلہ غلبہ حاصل کر لیتا۔ |
|---|---|



صفین کی خانہ جنگی کے نتائج نے حضرت معاویہؓ کی ان جہادی سرگرمیوں کو چند سال کے لئے ملتوی کر دیا تھا جو رومی نصرانیت کے خلاف انہوں نے شروع کی تھیں ۴۱ھ میں زمامِ خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد کئی سال کی متواتر جدّوجہد سے انھوں نے جہازوں کا عظیم الشان بیڑہ تیار کیا جو سب سے پہلا اسلامی جنگی بیڑہ تھا۔ چنانچہ ۴۹ھ میں حضرت معاویہؓ نے جہادِ قسطنطنیہ کے لئے برّی اور بحری حملوں کا انتظام کیا۔ برّی فوج میں شامی عرب تھے۔ خصوصاً بنو کلب جو امیر یزیدؒ کا ننھیالی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ حجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا جس میں صحابہ کرام کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المؤمنین کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارتِ مغفرت دی تھی۔ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد کے باب "ما قیل فی قتال الروم" (یعنی رومی عیسائیوں سے جہاد) میں جو ذکر فرمایا گیا ہے اس کی یہ حدیث ہے۔

| قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوّل جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم (صحیح البخاری جلد ۱ ص ۴۱۰ مطبوعہ اصح المطابع) | نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی ان کے لئے مغفرت ہے۔ |
|---|---|

شارح صحیح بخاری علّامہ قسطلانیؒ نے "مدینہ قیصر" کی تشریح کی ہے کہ اس سے مراد رومی نصرانیت کا صدر مقام قسطنطنیہ ہے۔ پھر اس حدیث کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

| کان اوّل من غزا مدینۃ قیصر یزید بن معاویۃ ومعہ جماعۃ من سادات الصحابۃ کابن عمر وابن عباس | مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے اوّل جہاد یزید بن معاویہؓ نے کیا اور ان کے ساتھ سادات صحابہ مثل ابن عمرؓ ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ ابو ایوب انصاریؓ |
|---|---|

(وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنھم)

اور ایک جماعت تھی۔

حاشیہ ص۴۱۰ جلد۱ صحیح بخاری
مطبوعہ اصح المطابع دہلی ۱۳۵۷ھ)

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ کی منقبت میں ہے ساتھ ہی محدث المہلبؒ کا یہ قول ہے۔

قال المھلب فی ھذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ لانہ اول من غزا البحر ومنقبۃ لولدہ لانہ اول من غزا مدینۃ قیصر

(اس حدیث کے بارے میں (محدث) المہلبؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے (حضرت) معاویہؓ کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزیدؒ) کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا۔

حاشیہ صحیح بخاری ج ص۴۱۰

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ سات سال متواتر رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی بحری وبری جہادی سرگرمیاں جاری رہیں جن میں امیر یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے اس حدیث کے پہلے فقرے میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی حضرت اُم حرامؓ زوجہ حضرت عبادہؓ بن الصامت سے مروی ہے جن کے گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا تھا اور بحالتِ خواب حضرتِ معاویہؓ کے بحری جہاد اور جہاد قسطنطنیہ کی کیفیتوں کا انکشاف ہوا تھا۔

اول جیش من اُمتی یغزون البحر قد اوجبوا

میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس پر جنت واجب ہوگی۔

(صحیح بخاری ج ص۴۱۰)

علامہ ابن حجرؒ "قد اوجبوا" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "انہ



وجبت لھم بہ الجنۃ" (فتح الباری شرح بخاری) یعنی ان (سب غازیوں) کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صحیح بخاری کی حدیث جہادِ قسطنطنیہ کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

واول جیش غزاھا (ای قسطنطنیۃ) کان امیرھم یزید والجیش عدد معین لا مطلق وشمول المغفرۃ لاحاد ھذا الجیش اقوی ویقال ان یزید انما غزا القسطنطنیۃ لاجل ھذا الحدیث

اور پہلی (اسلامی) فوج جس نے (قسطنطنیہ پر) جہاد کیا اس کے سردار (امیر) یزیدؒ تھے اور لفظ فوج ایک معین تعداد ہے مطلق نہیں۔ یعنی اس فوج کے ہر شخص کا مغفرت میں شامل ہونا قوی تر ہے، کہا جاتا ہے کہ اسی حدیث (مغفرت) کی خاطر (امیر) یزیدؒ نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

(ص۲۵۵ ج منہاج السنۃ)

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ حضرت اُم حرامؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنکر کہ بحری جہاد کے غازیوں کے لئے جنت واجب ہوگئی، عرض کیا "یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ میں بھی ان میں شامل ہوں" آپ نے فرمایا کہ تم ان میں شامل ہوگی چنانچہ حضرت معاویہؓ نے جب جزیرہ قبرص پر جہاد کیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ اس جہاد میں شریک تھیں وہیں فوت ہوئیں لیکن دوسری مرتبہ قسطنطنیہ کے غازیوں کی مغفرت کو سن کر جب یہی درخواست کی تو آپ نے فرمایا "تم ان میں نہیں ہوگی" علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ذکر ہم دلائل النبوۃ کے طور سے کرتے ہیں وقد ذکرنا ھذا مقررا فی دلائل النبوۃ۔

(ص۱۵۸ ج ۸ : البدایہ والنہایہ)

اس حدیث میں جن دو اسلامی لشکروں کے غازیوں کے لئے وجوب جنت ومغفرت کی پیش گوئی لسان نبوی سے ہوئی (کتاب الجہاد صحیح بخاری وکتاب

الامارۃ صحیح مسلم)

پہلا اسلامی جیش حضرت معاویہؓ کی قیادت میں تھا اور دوسرا ان کے فرزند امیر یزیدؒ کی سرکردگی میں۔

امیر یزیدؒ کی اس فوج میں جیسا کہ ابھی ذکر ہوا بڑے بڑے صحابہ کرام یعنی حضرت ابو ایوب انصاریؓ (میزبانِ رسول ﷺ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ ابن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ بھی شامل تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت حسینؓ کی شرکتِ جہادِ قسطنطنیہ اور امیر یزیدؒ کے ساتھ اس فوج میں موجود ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

كان الحسين يفد الى معاوية في كل عام فيعطيه ويكرمه وكان في الجيش الذين غزوا القسطنطنية مع ابن معاوية يزيد۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۱)

حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے وہ ان کو عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے وہ (حسینؓ) اس فوج میں شامل تھے جس نے (امیر) معاویہؓ کے فرزند یزیدؒ کے ساتھ قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

شیعی مؤرخ مسٹر جسٹس امیر علی نے اپنی "تاریخ عرب" "ہسٹری آف سیراسینز" ص ۸۴ میں بھی حضرت حسینؓ کی شرکت جہادِ قسطنطنیہ کا اعتراف کیا ہے۔ مورخ اسلام علامہ ذہبی نے بحوالہ ابن عساکر لکھا ہے کہ وفد الحسين على معاوية وغزا القسطنطنية مع يزيد (یعنی حسینؓ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں آئے اور (امیر) یزیدؒ کے ساتھ جہادِ قسطنطنیہ میں شریک ہوئے) ص ۱۱ ج ۲)

اسی جہاد کے دوران حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔ اس کبر سنی میں آپ نے اتنے دور دراز مقام پر جہاد میں شرکت حدیث نبوی ﷺ کی بشارتِ مغفرت کی وجہ سے کی تھی۔ جب آپ کا آخری وقت آپہونچا آپ نے امیر عساکر امیر یزیدؒ کو وصیت کی کہ میرا جنازہ سرزمین عدو میں جتنی دور لے جا سکو لے جا کر



دفن کرنا۔

(ص ۵۹ ج البدایہ والنہایہ)

مسلمانوں کو میرا سلام پہنچانا اور یہ حدیث سنا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنی ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

من مات ولا يشرك بالله شيئا جعله الله في الجنة

یعنی جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرتا تھا اللہ اسے جنت نصیب کریں گے۔

امیر یزیدؒ نے ان محترم صحابی (میزبانِ رسول) کے جنازہ کی پڑھائی اور حسب وصیت قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس دفن کیا جہاں اب آپ کا عالی شان مزار اور اس کے متصل مسجد واقع ہے۔

وكان (ابو ايوب انصاري) في جيش يزيد بن معاوية واليه اوصى وهو الذى صلى عليه

(البدایہ والنہایہ : ج ص ۵۸)

(اور ابو ایوب انصاریؓ) یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے اور آپ نے اپنے معاملات کی وصیت بھی انہی یزیدؒ کو کی تھی (یزید) ہی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزیدؒ شرکت کی اور میزبانِ رسول ﷺ کی تدفین میں شریک رہے۔ طبری جیسے شیعی مورخ کا بھی یہ بیان ہے کہ:۔

"ابو ایوب انصاریؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہؓ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔"

(ج ۱۲ ص ۱۶)

ایک دوسرا شیعی مورخ (مؤلف ناسخ التواریخ) جہاں لکھتا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے جہادِ قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے لشکر میں وفات پائی اور امیر موصوف ہی نے ان کی تدفین کا انتظام کیا یہ بیان کرتے

ہوئے کہ "چوں ابو ایوبؓ درگذشت یزید سوار شد وجیش با او سوار شد و نعش او را مشایعت نمودند" وہی کہتا ہے کہ امیر یزیدؓ نے رومی عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

یا اہل القسطنطنیہ هذا رجل من اکابر اصحاب محمدؐ قد دفناہ حیث ترون واللہ لئن تعرضتم لہ لاهدمن کل کنیسة فی ارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب (کتاب دوم ص۲۲ ناسخ التواریخ)

اے اہل قسطنطنیہ! یہ ہمارے نبیؐ کے بڑے صحابی کا جنازہ ہے جن کو ہم نے یہاں دفن کیا ہے قسم بخدا اگر ان کی قبر کو کسی کا ضرر پہونچا تو سرزمین اسلام میں ہر کنیسہ کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا جائے گا اور ارض عرب میں پھر ناقوس کی آواز سنائی نہ دے گی۔

امیر شکیب ارسلان نے کتاب "حاضر العالم الاسلامی" کے تعلیقات زیر عنوان "محاصرات العرب القسطنطنیہ" میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے۔

ولما مرض (ابو ایوبؓ) اتاہ یزید بن معاویة یعودہ فقال: حاجتک قال: نعم، حاجتی اذا مت فارکب بی ثم سغ بی فی ارض العدو ما وجدت مساغاً فاذا لم تجد مساغاً فادفنی ثم ارجع فلما مات رکب بہ ثم سار بہ فی ارض العدو وما وجد مساغاً ثم دفنہ ثم رجع

جب (حضرت) ابو ایوب (انصاریؓ) بیمار پڑے یزید بن معاویہؓ ان کی عیادت کو آئے اور پوچھا کہ آپ کی جو خواہش ہو فرمایئے انھوں نے کہا کہ ہاں میری خواہش ہے کہ جب مر جاؤں تو میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں لے جانا جہاں تک تمھیں راہ ملے اور جب راہ نہ پاؤ تو دفن کر دینا پھر لوٹ آنا۔ جب وہ فوت ہوگئے (امیر یزیدؓ) ان کا جنازہ لے کر سرزمین عدو میں



ان ابا ایوبؓ قال لیزید بن معاویہ حین دخل علیہ اقرئ الناس منی السلام واحدثکم بحدیث سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات لا یشرک باللہ شیئاً دخل الجنة فحدث یزید الناس بما قال ابو ایوبؓ وتوفی ابو ایوبؓ عام غزا یزید بن معاویة القسطنطنیة فی خلافة ابیہ سنہ ۵۲ صلی علیہ یزید بن معاویہ وقبرہ باصل حصن القسطنطنیة بارض الروم ان الروم یتعاهدون قبرہ ویزورونہ ویستسقون بہ اذا قحطوا۔

(ص۲۱۵ بحوالہ طبقات ابن سعد)

گئے جب آگے راہ نہ پائی تو ان کو دفن کر دیا اور لوٹ آئے (حضرت) ابو ایوبؓ نے اس وقت جب یزیدؓ ان کے پاس آئے تھے ان سے کہا تھا کہ میں مر جاؤں تو میرا سلام لوگوں کو پہنچا دینا۔

اور میں تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ آپؐ نے فرمایا "جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا" پس (امیر یزیدؓ نے) لوگوں سے وہ باتیں بیان کیں جو (حضرت) ابو ایوبؓ نے فرمائیں ان کی وفات اس سال ۵۲ھ میں ہوئی جب امیر یزید بن معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر اپنے والد ماجد کے زمانہ میں جہاد کیا تھا۔ یزیدؓ بن معاویہؓ ہی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ ان کی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ کی فصیل کے پاس ہے اور رومی ان کی قبر پر جا کر عہد کرتے ان کی زیارت کرتے اور زمانہ قحط میں ان کے وسیلہ سے بارش کی

دعائیں مانگتے تھے[1]

جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار لشکر امیر یزیدؒ نے حسنِ انتظام اور ذاتی شجاعت و شہامت کا ثبوت دیا اور امتیازی درجہ حاصل کیا۔ جس کی بنا پر ملّت کی طرف سے "فتی العرب" (عرب کے سورما) کا خطاب پایا۔ امیر یزیدؒ ہی عرب کے پہلے شخص ہیں جنھیں یہ خطاب دیا گیا۔ امیر یزیدؒ کے اس خطاب "فتی العرب" کو تو پروفیسر حتی نے بھی تسلیم کیا ہے۔

(صفحہ ۲۰۱ ہسٹری آف دی عربس)

امیر یزیدؒ نے متواتر کئی سال عیسائیوں کے خلاف جہادوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

> "یزید کو متعدد معارک جہادیں بھیجنے اور جزائر بحرابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بری افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں۔"

(مکتوبات جلد اول ص ۲۴۲-۲۵۲)

---

[1] یہ فتح قسطنطنیہ سے پہلے کی بات ہے سیدنا ابوایوبؓ کی تربت ان نصاریٰ نے دیکھی تو اختلاف دین کے باوجود آپ کے وسیلہ سے حاجت براری کی دعائیں کیں اور اللہ نے ان کی دعائیں سنیں۔

## امارتِ حج

امیر یزیدؒ نے تین مرتبہ امیر حج کی حیثیت سے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا یعنی سنہ ۵۱ھ سنہ ۵۲ھ سنہ ۵۳ھ میں۔

| | |
|---|---|
| حج بالناس یزید بن معاویۃ | یزید بن معاویہ نے سنہ ۵۱ھ و ۵۲ھ |
| فی سنۃ احدی وخمسین وثنتین | اور سنہ ۵۳ھ میں لوگوں کو حج کرایا یعنی امیر |
| وخمسین وثلاث وخمسین | حج کے فرائض ادا کئے۔ |

(ج ۸ ص ۲۲۹ البدایہ والنہایہ)

مورخ اسلام علامہ ذہبی "تاریخ اسلام وطبقات المشاہیر والاعلام" میں بھی لکھتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے ان تین سالوں میں یعنی سنہ ۵۱ھ و سنہ ۵۲ھ اور سنہ ۵۳ھ میں امیر الحج کی حیثیت سے حج ادا کئے۔ (ص ۹۱ ج ۲)

شیعی مورخ طبری نے بھی امیر یزیدؒ کے امیر الحج ہونے کا تذکرہ کیا ہے سنہ ۵۱ھ کے حالات میں لکھا ہے:۔

وحج بالناس فی ھٰذہ السنۃ یزید بن معاویۃ (جلد ۶ ص ۱۶۱ طبری۔ طبع مصر)

مذہبی و سیاسی دونوں حیثیتوں سے منصب امارت حج منصب جلیل تھا۔ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد ہی سنہ ۹ھ میں یہ منصب جلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تفویض فرمایا۔ سنہ ۱۰ھ میں ہجرت کے بعد آپ نے پہلا اور اپنی حیات طیبہ کا آخری حج ادا کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ اس میں آپ ہی امیر حج تھے آپؐ کی وفات کے بعد خلفاء نے بھی اسی سنت کی پیروی کی یعنی کبھی خود امیر حج ہوتے اور کبھی نائبین کو بھیجتے جو علم و تقوے اور فن خطابت میں شانِ امتیاز رکھتے۔ راشدین میں سے حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان ذی النورینؓ اپنے اپنے عہدِ خلافت میں تقریباً ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے، امیر حج کے فرائض ادا کرتے، اطراف واکناف عالم اسلامی سے جو مسلمان حج ادا کرنے مجتمع ہوتے وہ خطبات امرائے حج سے مستفیض ہوتے۔ خطبہ ماثورہ کے ساتھ وقتی ضروریات ملیہ پر ہدایتیں اور نصیحتیں ہوتیں۔ پھر حضرات حاجیوں سے ملاقاتیں کرتے۔ ان کی حاجتیں و شکایتیں رفع کرتے۔ خلیفہ شہید مظلوم حضرت عثمانؓ کا ماہ ذی الحجہ میں جب بلوائیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن

عباسؓ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا [illegible] چونکہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنا لیا تھا اس لئے اپنے ایام میں نہ کوئی حج کیا اور نہ کبھی امیر حج کے فرائض ادا کئے اور نہ ان کی اولاد واخلاف نے ۔ الا یہ کہ ۳۸۰ھ میں شریف ابو احمد موسوی کو بویہ کے زمانۂ تسلط میں امارۃ الحاج کا عہدہ دیا گیا تھا ۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے براہ راست مختلف دو مرتبہ امیر حج کے فرائض ادا کئے ۔ حج معاویۃ بالناس فی ایام خلافتہ مرتین (ص۱۳۳ ج البدایہ والنہایہ) پھر ان کے نائبین میں سے ان کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تین سال متواتر امیر حج رہے ۔

ان تین سالوں میں سے آخری سال جب امیر حج کی حیثیت سے امیر یزیدؒ دمشق سے حجاز آئے ۔ تو انھوں نے حضرت حسینؓ کی بھتیجی یعنی حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ کی نور دیدہ سیدہ اُم محمدؓ سے نکاح کیا (ص۶۲ جمہرۃ الانساب ابن حزم) اس رشتہ کے اعتبار سے امیر یزیدؒ حضرت حسینؓ کے بھتیجے داماد اور دوسرے رشتہ کے اعتبار سے ان کے بہنوئی ہوتے تھے ۔ یعنی حضرت حسینؓ کی زوجہ اولے سیدہ آمنہ والدہ علی اکبر بن الحسینؓ حضرت معاویہؓ کی حقیقی بھانجی یعنی میمونہؓ بنت ابو سفیانؓ کی دختر تھیں (ص۲۵ جمہرۃ الانساب و طبری ص۱۹ ج۳) ان دونوں سالہ بہنوئی اور خسر و داماد کے تعلقات حضرت حسینؓ کے خروج سے پہلے تک بہت خوشگوار اور انس و محبت کے رہے ۔ دیگر صحابہ واکابرین ومجاہدین کی طرح حضرت حسینؓ نے بھی جہاد قسطنطنیہ کے ایام میں جس کی مدت قوی آثار سے چار ماہ کی تھی ، اپنے امیر عساکر کی قیادت میں پنج وقتہ نمازیں ادا کیں ۔ پھر ان تین سالوں کے دوران ان کی امارت حج میں مناسک حج ادا کئے ۔ ان کے خطبات سنے اور تمام حاجیوں کے ساتھ ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں ۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد سے پیشتر اور اس کے بعد بھی وہ ہر سال دمشق جاتے ۔ عزیزوں کی طرح امیر المومنین معاویہؓ کے پاس مقیم ہوتے اور وظائف وعطایہ کی بیش بہا رقوم حاصل کرتے رہے ۔

**ولیعہدی** اسی زمانہ میں امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کا مسئلہ پیش ہوا ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی کہ امیر المومنین اپنی زندگی میں ولیعہدی کا انتظام کر جائیں ۔ اس کے لئے انھوں نے امیر المومنین [illegible] لائق فرزند یزیدؒ



کا نام پیش کیا ۔ جہاں تک یزیدؒ کی اہلیت وقابلیت کا سوال ہے ان کے عہد میں سب کے نزدیک مسلم تھی ۔ مسئلے میں پیچیدگی اس خیال سے پیدا ہو رہی تھی کہ کہیں خلافت کو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کا رواج نہ ہو جائے اور جو کام مصلحت ملیہ کے تحت کیا جا رہا ہے ، وہ اصول نہ بن جائے اس لئے حضرت معاویہؓ جیسے مخلص پشتیبان امت یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ اس بارے میں پوری امت سے استصواب رائے نہ کریں ۔ چنانچہ اس تحریک پر غور کرنے کے لئے آپ نے یہ شرط رکھی کہ تمام ولایتوں کے نمائندے جمع ہوں اور بحث کر کے اپنا متفقہ فیصلہ دیں ۔

یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی ۔ عراقیوں کو بھی بلایا گیا تھا بلکہ عراقی ہی تھے جنھوں نے ولایت عہد کے لئے یزیدؒ کا نام پیش کیا ۔ ان میں سے بعض نے مخالفانہ تقریریں بھی کیں ۔ کتب تاریخ میں اس اہم فیصلہ کی بعض تفصیلات درج ہیں ۔ امام ابن قتیبہ کی طرف جو کتاب غلط منسوب ہے یعنی "الامامۃ والسیاسۃ" اس میں بھی یہ تفصیلات ملتی ہیں ۔ بھاری اکثریت کا فیصلہ تھا کہ امیر یزیدؒ ہی کو ولیعہد المسلمین بنایا جائے "الامامۃ والسیاسۃ" جیسی کتاب میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ امیر یزیدؒ کی صلاحیت وقابلیت اور عدالت پر کسی طرف سے نکتہ چینی کی گئی ہو ۔

اس فیصلہ کن اجتماع کے باوجود امیر المومنین معاویہؓ پوری طرح مطمئن نہ ہوئے کیونکہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ بعض قریش متفق نہیں ہیں ۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے جب سے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو مستقر بنایا تھا اور اس کے بعد دمشق کو یہ مرتبہ حاصل ہو جانے کے بعد حرمین شریفین کے باشندوں کا اہل حل وعقد ہونے کا وہ امتیازی حق جاتا رہا تھا ۔ جو حضرات شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ) کے عہد میں تھا ۔

لیکن حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جب تک وہاں کے باشندے بھی متفق نہ ہوں گے یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا ۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ سفر ہی اس لئے اختیار کیا تھا کہ حج وزیارت کے موقع پر اس مسئلہ میں بھی یکسوئی حاصل کر لیں ۔ سب لوگوں نے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور امت کے مصالح کے تحت اس کی منظوری دے دی ۔ امیر المومنین یزیدؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب ان کے لئے ہوا ۔

اس سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا اور ان کی یہ سعادت ہے کہ جمہور امت نے نہایت خوشدلی سے ان کی ولایت عہد کا استقبال کیا۔ لوگ چونکہ اس اجماع کا انکار نہیں کر سکتے اس لئے اسے بے وقعت بنانا چاہتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ امت نے یہ رائے جبر کے تحت دی اور کبھی کہتے ہیں کہ لالچ کے سبب گویا امت محمدیہ جو آج بھی خوف اور لالچ سے بالا ہے وہ خیر القرون میں ان دونوں قسم کی پستیوں میں مبتلا تھی اور وہ بزرگوار جنھوں نے دین قائم کرنے کے لئے جانی و مالی اور ظاہری و باطنی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا، وہ سب باطل پرست ہو گئے، عقبہ اور شجرہ کی بیعت، بدر و احد و خندق کے غزوں نے انھیں کندن نہیں بنایا تھا، دھات کا میل کر دیا تھا۔ نعوذ باللہ من سوءِ الظن فی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس ذیل میں روایات کا پہاڑ کھڑا کر دیا گیا ہے اور ایسی ایسی متضاد اور بے سر و پا باتیں کہی گئی ہیں کہ کسی درجہ میں بھی واقعات سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔ مثلاً طبری کی روایت میں کہا گیا ہے کہ جن پانچ قریشی حضرات نے اختلاف کیا تھا حضرت معاویہؓ نے ان سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ جب وہ متفق نہ ہوئے تو فرمایا کہ مجمع عام میں اگر تم میں سے کسی نے کوئی مخالفت کی تو تمہاری خیر نہیں، سر اڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ مجمع عام میں جب یہ لوگ آ کر بیٹھے ایک ایک فوجی تلوار لئے ان کے پاس کھڑا کر دیا گیا اور حضرت معاویہؓ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر میں کہا کہ یہ حسین بن علیؓ ہیں، یہ عبداللہ بن زبیرؓ ہیں، یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور یہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں اور یہ عبداللہ بن عباسؓ ہیں اور یہ سب لوگ یزید کی ولیعہدی پر متفق ہیں۔ یہ کہہ کر منبر پر سے اتر آئے ان قریشی حضرات میں سے کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی سب دم بخود بیٹھے رہے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ:

| | |
|---|---|
| والقوم سکت لم یتکلموا شیئاً حذر القتل (ج ۱ ص ۱۶۲) | یعنی یہ قریشی حضرات سب چپ بیٹھے رہے کسی نے کچھ نہ کہا قتل ہو جانے کے خوف سے |

ان لغو روایات میں جہاں حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی پر کذب بیانی کا الزام لگایا ہے، وہاں حضرت حسینؓ حضرت ابن زبیرؓ اور دوسرے بزرگوں کی بزدلی اور مداہنت بھی بیان کی ہے۔ معاذ اللہ۔

ابن جریر طبری نے بیان کیا کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے حالانکہ ان پانچ قریشی حضرات



میں سے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو اس وقت زندہ بھی نہ تھے۔ اس سے تین سال قبل ۵۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اس غلط بیانی کے علاوہ اس روایت کی اسناد حد درجہ لغو ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول الاسم ہے "رجل بنخلہ" یعنی مقام نخلہ میں ایک شخص نے یہ روایت بیان کی۔ اس نامعلوم الاسم نے جس شخص سے یہ روایت بیان کی اس کا نام طبری نے "ابوعون" لکھا ہے۔ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں اس کو "مجہول" بتایا ہے (ج ۳ ص ۳۷۲) اس ابن عون یا ابوعون نے اسمٰعیل بن ابراہیم سے اور اس نے یعقوب بن ابراہیم سے یہ وضعی روایت بیان کی، یہ دونوں بھی ضعیف و کثیر الغلط ہیں۔ غرضیکہ اسناد کے اعتبار سے یہ روایت حد درجہ غیر معتبر اور وضعی ہے[1] ان لغو بیانیوں سے یہ لوگ جو باتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یوں بھی بے قیمت قرار پاتی ہیں۔ کیونکہ۔

(۱) فیصلہ سے پہلے موافق و مخالف جو بھی گفتگو ہو وہ فیصلے کے بعد خود بخود کالعدم ہو جاتی ہے اور اس سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ جو چیز ناطق ہے وہ اکثریت کا فیصلہ ہے۔ موافق ہو مخالف۔

(۲) کسی شخص کی طرف ایسی کسی بات کی نسبت باطل ہے جو اس کے عمل متواتر کے خلاف ہو۔

(۳) ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلے میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ کتنے ہی محترم کیوں نہ ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا اور محترم کوئی فرد بشر نہیں۔ امام کی حیثیت سے آپ نے متعدد امور میں اپنی رائے سے

---

[1] اس روایت کے وضع کرنے والے احمق نے اتنا نہ سوچا کہ اگر ان میں سے کوئی بزرگ جان پر کھیل جاتے اور قتل کر دیئے جاتے تو اس سے رائے عامہ ہموار ہوتی یا کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور وہ ہنگامہ ہوتا کہ سنبھالے نہ سنبھلتا اب دو ہی باتیں ہیں یا تو حضرت معاویہؓ کو ان لوگوں کی بزدلی کا یقین تھا۔ اس لئے انھوں نے یہ ترکیب کی یا پھر اتنے عقل سے بیگانہ تھے کہ ادنیٰ صاحب سیاست بھی جو خطرہ مول نہیں لے سکتا وہ انھوں نے مول لے لیا۔ افسوس کہ گمراہ لوگ خاصانِ خدا کے متعلق کیسے لغو جذبات رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ایسا کوئی واقعہ ہوا اور نہ اس کا امکان تھا۔

خلافِ اکثریت کی رائے اختیار کی ہے، مثلاً غزوہ احد میں آپ کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں مورچہ بنا کر کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ یہی رائے حضرت صدیق اکبرؓ کی تھی مگر جو نوجوان شوقِ جہاد و شہادت میں سرشار تھے اور بعض دوسرے حضرات، وہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ صاحبِ وحی نبیؐ نے جو عیاناً مآل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اکثریت کی رائے کی پیروی کی کیا اس کے بعد بھی کسی شخص کو یہ حیثیت دی جاسکتی ہے کہ امت کی اکثریت کے فیصلے اور عمل کے خلاف اس کی رائے کو حق اور اکثریت کی رائے کو باطل قرار دے دیا جائے؟

کتبِ تاریخ و سیر و رجال کے صفحات پر دیکھا جاسکتا ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے فیصلے کے بعد یہ سب حضرات خاص کر حسین بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بدستور سابق ہر سال امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی خدمت میں دمشق جاتے عزیزوں کی طرح ان کے پاس مقیم رہتے اور وظائف و عطایا کی گرانقدر رقوم حاصل کر کے واپس آتے۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اختلاف کرنے کی نسبت باطل ہے۔ آپ کا موقف ظاہر و باہر ہے حتیٰ کہ "یزیدؒ کی علمی قابلیت اور نیکوکاری کا اعتراف واضح الفاظ میں کرتے تھے۔ رہے حضرت حسین بن علیؓ تو یا تو انہوں نے بھی ولیعہدی کی بیعت کر لی تھی۔ جیسا کہ ان کے اس طرزِ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک ہر سال دمشق جاتے رہے تھے۔ یا اگر اختلاف تھا بھی تو اختلاف رائے کی حد تک تھا، یا بعد میں ان کی رائے بدل گئی۔

ولایت عہد کے سلسلے میں کذابین نے یہ فضا پیدا کی ہے گویا اس وقت صحابہ کرام میں صرف یہ پانچ بزرگ ذی حیثیت تھے: عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (متوفی ۵۳ھ) عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ ان کے علاوہ باقی سب امت عوام الناس پر مشتمل تھی، حالانکہ اس زمانہ میں اور بھی بلند اور ممتاز ہستیاں اصحاب بیعت عقبہ، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب بیعتِ رضوان اور دیگر معمر صحابہؓ کی موجود تھیں۔

راقم الحروف نے اپنی مبسوط تالیف میں ایسے ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کا مختصراً تذکرہ لکھا ہے جو امیر یزیدؒ کے ولایت عہد اور زمانہ خلافت بلکہ بعض اس کے بعد



تک بقید حیات تھے۔ اور ان میں سے کسی نے بھی مطلق کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں حضرت حسینؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ کے اختلاف کا کیا مقام تھا؟ اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کیا مقام متعین کیا جاسکتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو بیعت خلافت سے سات سال پہلے وفات پاچکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ نے بطیب خاطر بیعت کی تھی۔ اور اس پر مستقیم رہے تھے۔ باقی رہے حضرت حسینؓ اور ابن الزبیرؓ تو کیا ان حضرات کا اجتہاد ایسا وقیع ہو سکتا ہے کہ اجلہ صحابہ کرام کے موقف پر غالب سمجھا جائے؟

اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفاتِ نبویؐ کے وقت ۵ برس کے قریب تھی۔ اور ابن الزبیرؓ کی تو دس برس کی۔ اس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کر لیا ہے مگر ان کبار صحابہ کے مقابلے میں ان حضرات کو نہیں رکھا جاسکتا جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برسہا برس گزار دئے اور دین قائم کرنے میں آپ کے زیرِ تربیت ہر قسم کی ظاہری اور باطنی قربانیاں دیں تا آنکہ بارگاہ خداوندی سے انہیں بشارت مل گئی کہ وہ سب خلائق کائنات اور خیر الامم ہیں۔

ابن خلدون نے اپنے مشہور آفاق "مقدمہ" میں ولایت العہد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"تمام صحابہ کرام ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے اور اجماع جیسا کہ معلوم ہے ۔۔۔۔ کہ حجت شرعی ہے پس امام اس معاملہ میں متہم نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ یہ کارروائی اپنے باپ یا بیٹے کے حق میں کیوں نہ کرے۔ اس لئے کہ جب اس کی خیر اندیشی پر اس کی زندگی میں اعتماد ہے تو موت کے بعد تو بدرجہ اولیٰ اس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہیئے بعض لوگوں کی رائے ہے کہ باپ اور بیٹے کو ولیعہد بنانے میں امام کی نیت پر شبہ کیا جاسکتا ہے اور بعض صرف بیٹے کے حق میں رائے رکھتے ہیں مگر نہیں ان دونوں سے اختلاف ہے ہماری رائے میں کسی صورت میں بھی امام سے بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں ہے خاص کر ایسے مواقع پر کہ جہاں ضرورت اس کی داعی ہو۔ مثلاً کسی مصلحت کا تحفظ یا کسی مفسدہ کا ازالہ اس میں مضمر ہو تب تو کسی طرح کے سوء ظن کی کوئی

وجہ ہی نہیں جیسے کہ حضرت معاویہؓ کا اپنے فرزند کو ولی عہد بنانے کا واقعہ ہے اولاً تو حضرت معاویہؓ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے اور پھر انھیں متہم یوں بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے پیش نظر یزیدؒ کو ترجیح دینے کے بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ امت میں اتحاد اور اتفاق قائم رہے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اہلِ حلّ وعقد صرف یزید ہی کو ولیعہد بنانے پر متفق ہو سکتے تھے کیونکہ وہ عموماً بنی اُمیہ میں سے تھے اور بنی امیہ اس وقت اپنے میں سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقتور گروہ انہی کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی ان نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولیعہدی کے لئے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس سے زیادہ مستحق سمجھے جا سکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا تاکہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق رہے جس کی شارع کے نزدیک بڑی اہمیت ہے قطع نظر اس کے حضرت معاویہؓ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جا سکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔ اور پھر آپ کے اس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہؓ کا موجود ہونا اور اس پر ان کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امر میں حضرت معاویہؓ کی نیک نیتی مشکوک نہیں تھی کیونکہ یہ صحابہ کرام کے حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہؓ ہی ایسے تھے کہ قبول حق میں حب جاہ ان کے آڑے آ جاتی یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً مانع ہے۔"

(مقدمہ ابن خلدون ص۱۷۵-۱۷۶ مطبوعہ مصر)

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اور مورخ اسلام علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر والاعلام ص۲۶۷ و دیگر مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے



امیر یزیدؒ کی بیعت ولایت عہد کی تکمیل پر یہ دعا مانگی۔

اللّٰھم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانہ فیما اراہ اھل لذالک فاتمم لہ ما ولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تتمم لہ ما ولیتہ۔

(ص۸۰ ج ۸۔ البدایہ والنہایہ)

خداوند کریم آپ جانتے ہیں اگر میں نے اس کو (یزید) کو اس لئے ولیعہد کیا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے تو اس کی ولیعہدی کو پورا کیجیو اور اگر میں نے اس کی محبت کی وجہ سے ولیعہد کیا ہو تو اس کی ولیعہدی کو پورا نہ ہونے دیجیو۔

الغرض امیر یزیدؒ کا ولی عہد اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا پوری امت کی رضامندی سے ہوا تھا۔ یہ رضامندی مصلحت ملّیہ کے تقاضہ کی بنا پر تھی نہ کسی خوف کے تحت اور نہ لالچ کی وجہ سے۔ ان کا انتخاب کسی اندرونی اختلال کا ثمرہ اور وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ امن کے بہترین زمانہ میں جب کہ جذبات میں کوئی ہیجان نہ تھا۔ اجلّہ صحابہ کرام کی تحریک وتائید سے ہوا تھا اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے رفقا اور آپ کے آل البیت اس پر مستقیم رہے۔

عالم اسلامی کے ہر ہر علاقہ میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی تھی اور ہر جگہ کے وفود توکید بیعت کے لئے امیر یزیدؒ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔

فاتسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید (ص۸۰ ج البدایہ والنہایہ)

امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی کہ مملکت اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لئے وفود آتے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملّیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملّت کا محبوب تھا۔

## کردار خلیفہ یزیدؒ

ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام کی شامل تھی۔ امیر یزیدؒ کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہ آتی تھی جس کی وجہ سے عقد بیعت خلافت ناجائز ہے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج ومخالفت کا جواز نکالا جا سکے۔

رجب ۶۰ھ میں جس وقت امیرالمومنین معاویہؓ کی وفات کی خبر مکہ معظمہ آئی، حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہاں موجود تھے۔ مورخ بلاذری نے المدائنی کی سند سے حضرت عامر بن مسعود الجمحیؓ صحابی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وفات کی خبر سنکر ہم لوگ حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

فقلنا یا ابا العباس جاء البرید بموت معاویة فوجم طویلاً ثم قال اللھم اوسع لمعاویة اما واللہ ما کان مثل من قبل ولا یاتی بعد لا مثلہ وان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم قال تبینا نحن کذالک اذا جاء رسول خالد بن العاص وھو علی مکة یدعوہ للبیعة فمضی فبایع

(ص۴ الجزء الرابع قسم ثانی کتاب انساب والاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

پھر ہم نے ان سے کہا کہ اے ابوالعباسؓ! قاصد موتِ معاویہ کی خبر لایا ہے (یہ سنکر) وہ دیر تک خاموش رہے پھر دعا مانگی کہ الٰہی معاویہ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو واللہ وہ ان لوگوں کی مثل نہ تھے جو ان سے پہلے گذر گئے لیکن ان کے بعد کوئی اُن کے مثل بھی آنے والا نہیں اور ان کے فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکو کاروں میں ہیں تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اور اطاعت کرنا اور بیعت کرنا (حضرت عامر نے) کہا کہ اسی طرح ہم ان کے (ابن عباسؓ کے) پاس تھے کہ خالد بن العاص کا جو اس وقت مکہ کے عامل تھے قاصد آیا ان کو (ابن عباسؓ) کو بیعت کے لئے بلایا وہ گئے اور بیعت کی۔

مورخ بلاذری کی مندرجہ بالا روایت کو الامامة والسیاسة کے غالی مولّف نے بتغیر الفاظ لکھا ہے۔ راوی کا نام بھی عامر بن مسعود الجمحی کے بجائے "ثعلبہ بن مسعود" تحریر کیا ہے، روایت میں بیان کیا ہے کہ جب راوی نے حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جا کر سنائی ہے اس وقت وہ کھانا تناول کرنے کے لئے چند مہمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ خبر وفات سنتے ہی دستر خوان اٹھوا دیا اور



کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا۔

اما واللہ ما کان کمن کان قبلہ ولما یکن بعدہ مثلہ اللھم انت اوسع لمعاویة فینا وفی بنی عمنا ھولاء لذی لب معتبر اشتجرنا بینا فقتل صاحبھم غیرنا وقتل صاحبنا غیرھم وما اغراھم بنا الا انھم لا یجدون مثلنا وما اغرانا بھم الا انا لا نجد مثلھم وواللہ ان ابنہ لخیر اھلہ اعد طعامک یا غلام! ... حتی جاء رسول خالد بن الحکم الی ابن عباسؓ ان انطلق نبایع

(ص۱۶۳ ج طبع اولی سنہ ۱۹۳۳ء)

لیکن واللہ وہ (معاویہؓ) ان لوگوں جیسے تو نہ تھے جو ان سے پہلے گذر گئے مگر ان کے بعد ان جیسا بھی یقیناً کوئی نہیں یا اللہ معاویہؓ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو۔ ہم میں اور ہمارے چچا کے بیٹوں (بنو عم یعنی بنی امیہ) میں وہ بڑے ذی مرتبت دانشور تھے، ان میں اور ہم میں جھگڑا (اختلاف) بھی رہا ان کے صاحب (یعنی عثمانؓ) کو ہمارے کسی غیر نے قتل کیا اور ہمارے صاحب (یعنی علیؓ) کو ان کے کسی غیر نے۔ اگرچہ ہم سے ان کی چشمک تھی مگر ہم جیسا وہ نہ پائیں گے اور نہ ان جیسا ہم پا سکیں گے۔ اور واللہ ان کا فرزند (یعنی یزید) یقیناً اپنے خاندان میں نیک اور اچھا فرزند ہے۔ ہاں اے لڑکے کھانا لاؤ۔ دستر خوان جب اٹھا دیا گیا خالد بن الحکم (حاکم مدینہ) کا قاصد (حضرت) ابن عباسؓ کے پاس آیا کہ چلئے (آپ گئے) اور بیعت کی۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مع دیگر اعیان بنی ہاشم کے سالہا سال تک بلاناغہ دمشق جاتے۔ امیرالمومنین حضرت معاویہؓ کے پاس مہینوں مقیم رہتے۔ اس طرح امیر یزیدؒ کے حالات و کردار سے بخوبی واقف تھے اور اپنی اسی ذاتی واقفیت سے انھوں نے امیر موصوف کو صالح و نیکو کار بتایا، بلا تامل و بطیب خاطر خود بیعت کی اور دوسروں کو بھی اطاعت و بیعت کی ترغیب دی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے صاحبزادہ حضرت محمدؒ بن الحنفیہؒ نے جو اپنے علم و فضل میں شانِ امتیاز رکھتے تھے۔

انھوں نے بھی امیر یزیدؒ کی نیکوکاری، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور سنت نبوی کی پیروی کرنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا۔

وقد حضرته (یزید) واقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلوٰة متحرياً للخير يسأل عن الفقه ملازماً للسنة (ص۲۳۳ ج البدایہ والنہایہ)

میں ان کے (یزیدؒ کے) پاس گیا ہوں اور ان کے پاس مقیم رہا ہوں۔ ان کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیک کاموں میں سرگرم مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا اور سنت نبویؐ کی پیروی کرنے والا پایا ہے۔

**مجالسِ علمی** اپنے زمانۂ خلافت میں امیر یزیدؒ ہمیشہ جامع مسجد دمشق میں نماز پڑھاتے خاص کر امیرالمومنین ہونے کی حیثیت سے جمعہ وعیدین کی نمازوں کی تو ظاہر ہے کہ خود امامت کرتے اور بعد ادائے نماز وہیں مجلس علمی منعقد کرتے۔ فقہ واحادیث کے علاوہ، علم الانساب میں ان کو خاص مہارت تھی ایک مرتبہ بنو قضاعہ کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا ان کے قبیلے کے بعض لیڈر اپنے قبیلے کا انتساب معد بن عدنان سے کرنے لگے تھے۔ وفد کو اس نظریہ سے اختلاف تھا اس لئے وہ اس مسئلہ کے تصفیہ کے لئے خلیفہ وقت کی خدمت میں بادیہ شام سے حاضر ہوئے جمعہ کا دن تھا۔ اس وقت امیر یزیدؒ مسجد دمشق میں بعد فراغت نماز مجلس علمی منعقد کر رہے تھے۔ یہ وفد وہیں پہونچا، صاحب "معجم تاریخ الیمن" نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

فلما بلغ ذلك قضاعة غضبوا شديداً وانكر وا ذلك اشد الانكار محتد وا واجتمعوا ثم دخلوا مسجد دمشق يوم الجمعة على يزيد (ص۸ مطبوعہ بریل لیڈن)

جب اس کا (یعنی غلط انتساب کا) حال قضاعہ کو معلوم ہوا، ان کو شدید غیظ و غضب پیدا ہوا اور اس کا سختی کے ساتھ انکار کیا۔ پھر یہ لوگ احتجاجاً اکٹھے ہوئے اور جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزیدؒ کے پاس پہونچے۔

**روایتِ حدیث** امیر یزیدؒ کبار تابعین میں تھے، اپنے محترم والد ماجد کے علاوہ بعض اجلۂ صحابہ سے فیضِ صحبت اٹھایا یعنی حضرت



وحیہ الکلبیؓ سے جو جلیل القدر صحابی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بھی رہے تھے۔ ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح کیا تھا۔ اور وہ امیر یزیدؒ کے رشتہ میں ماموں بھی ہوتے تھے۔ نیز حضرت ابوالدرداءؓ دربان رسول اللہؐ اسامہ بن زیدؓ اور دیگر متعدد صحابۂ کرام سے استفادہ کیا، حضرت ابوایوب انصاریؓ اور دوسرے صحابہؓ اور اپنے والد ماجد سے حدیث کی روایت کی، امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں نیز امیرالمومنین عبدالملک بن مروانؒ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

وقد ذكره ابوزرعة الدمشقي في الطبقة التي تلي الصحابة وهي العليا وقال له احاديث (ص۲۲۷ ج البدایہ والنہایہ)

اور ان کا (یزید کا) تذکرہ (محدث) ابوزرعہ دمشقی نے اس طبقہ (روایانِ حدیث) میں کیا ہے جو صحابہؓ کے بعد ہی آتے ہیں اور یہ مقام بلند ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی (یزید کی) مرویات سے احادیث ہیں۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کا جن کو وہ "احد الثقات" یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک اور "ثقہ" راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزیدؒ کا ذکر اس نے "امیرالمؤمنین" کہہ کر کیا تھا مگر ان "ثقہ" راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں۔ اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہوجاتا ہے جو انہی ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے یعنی۔

وقال ابن شوذب سمعت ابراهيم بن ابي عبد يقول سمعت عمر بن عبد العزيز يترحم على يزيد بن معاوية

اور ابن شوذب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے یہ بات سنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہؓ پر رحمۃ اللہ علیہ

(لسان المیزان ج ۳ ص ۲۹۴) کہتے سنا ہے۔

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن شوذب الخراسانی متوفی ۱۵۲ھ جو عام طور سے ابن شوذب کہلاتے تھے ، بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین ونسائی وابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ وصدوق بتایا ہے برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحییٰ بن عبدالملک ونوفل بن ابی عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول علی شاتم الرسول (ص ۵۶۹) میں ابراہیم بن میسرہ کی روایت نقل کی ہے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کو کسی انسان کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا سوائے ایک شخص کے جس نے (حضرت) معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی خلیفہ موصوف نے اس کے کوڑے لگوائے تھے۔ بات کیا تھی ، کذابین نے کیا سے کیا بنا دی۔ تہذیب التہذیب میں ہی ابن حجرؒ نے امیر موصوف کے فرزند عبدالرحمٰن کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان کو "فی الثقات" یعنے ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے اپنے والد (امیر یزیدؒ) سے روایت حدیث کی ہے۔ بیٹا تو ثقہ اور باپ جس سے روایت لے وہ غیر ثقہ۔ ایں چہ بوالعجبی است۔

مراسیل ابو داؤد میں ان سے روایت ہے۔ امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں یعنی معاویہ وعبدالرحمٰن اور خالد نے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔ محدثین نے ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کو صالحین میں شمار کیا ہے محدث مصعب الزبیری نے عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کے بارے میں کہا ہے "کان رجلا صالحاً" (تہذیب ج ص ۳۶۰) اسی طرح محدث ابوزرعہ ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "کانوا من صالحی القوم" یعنی یہ لوگ اُمّت کے صالحین میں سے تھے (تہذیب التہذیب) امیر یزیدؒ نے زمانہ طالب علمی ہی سے احادیث نبوی کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس علم میں ان کو بصیرتِ خاص حاصل تھی۔ اس زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ مورخین نے لکھا ہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

وفی روایۃ ان یزید لما قال له ابوه: سلنی حاجتک قال

اور روایت میں ہے کہ یزیدؒ سے جب ان کے والد نے کہا کہ جو بات خواہش تمہاری



له یزید: اعتقنی من النار اعتق اللہ رقبتک منها، قال: وکیف؟ قال: لانی وجدت فی الآثار انه من تقلد امر الامة ثلاثة ایام حرمه اللہ علی النار له۔

(ص ۲۲۸ ج البدایۃ والنہایۃ)

ہو، مجھ سے کہو، تو یزیدؒ نے ان سے کہا کہ مجھے نار (دوزخ) سے بچا لیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی گردن کو اس سے آزاد رکھے (معاویہؓ نے پوچھا وہ کیونکر؟ (یزید نے) کہا: میں نے احادیث میں پایا ہے کہ جس کو تین دن کے لئے بھی اُمّت کا امر (خلافت) سونپا جائے اللہ تعالیٰ اس پر نار (دوزخ) کو حرام فرمائے گا۔

یہ حدیث بھی امیر یزیدؒ نے اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من یرد اللہ به خیراً یفقهه فی الدین۔

یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

خود ان کو علوم دین میں یہ سمجھ اللہ تعالیٰ نے عنایت کی تھی۔ حدیث وفقہ سے واقفیت کے علاوہ اچھے قاری تھے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی تقریر میں امیر یزیدؒ کی علمی فضیلت اور قراءۃ قرآن کا بھی ذکر کیا تھا۔ ثم ذکر یزید وفضله وقراءته القرآن (ج ۱ ص ۱۹۰)

پھر اس غالی مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنی تقریر میں یزیدؒ پر اپنی برتری ثابت کرنے کی غرض سے اپنی پدری ومادری اور ذاتی فضیلت کا ذکر چھیڑا تو حضرت معاویہؓ نے اس پر فرمایا تھا کہ تمہاری والدہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی فضیلت کا کیا کہنا۔ یزید کی ماں کو ان سے نسبت ہی کیا ہے۔ البتہ تمہارے والد اور یزید کے باپ کے معاملہ میں تو اللہ تعالیٰ نے یزید کے باپ کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا۔ اپنی ذاتی فضیلت کا جو ذکر کرتے ہو تو قسم بخدا

---

له امت محمدیہ کی حرمت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

اُمّتِ محمّدیہ کے (سیاسی مسائل ومعاملات) کے لئے یزید تم سے بہتر ہے (واما ذکرت من انك خیرمن یزید نفسًا فیزید و اللّٰہ خیرلامة محمّدٍ منك)
(ج ۴ ص ۱۹۵)

امیر یزیدؒ نے نہ صرف حربی مہموں اور جہادوں میں نمایاں حصّہ سالہاسال تک لیا بلکہ سیاسی معاملات اور کاروبار سلطنت وخلافت کا عملی تجربہ بھی حاصل کیا تھا۔ یہ روایت اگر صحیح ہے تو حضرت معاویہؓ نے اسی بات کا ذکر کیا ہوگا۔

**خطبات جمعہ وعیدین** امام شہاب الدین معروف بہ ابن عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ نے اپنی مشہور کتاب العقدالفرید (ج ۴ ص ۱۵۶-۲۰۱) میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد حضرت ابوبکر الصدیقؓ وعمر الفاروقؓ وعلی المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے خطبات درج کئے ہیں ان ہی خطبات کے ساتھ امیر یزیدؒ کے چند خطبے بھی شامل کئے ہیں جو امیرالمؤمنین کی حیثیت میں دیئے تھے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ امیر موصوف کو قرآن حفظ تھا۔ خطبہ دیتے ہوئے کلام اللہ سے آیتیں ہی نہیں رکوع اور سورتیں تلاوت کرتے اور سامعین کے قلوب کو گرماتے۔ اس عہد میں زر ومال کی بہتات تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ امیرالمؤمنین لوگوں کو عیش پرستی سے اجتناب پر نصیحتیں کریں۔ صاحب العقدالفرید نے ان کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:-

## خطبہ امیرالمؤمنین یزیدؒ

الحمد للّٰہ احمدہ واستعینہ واومن بہ واتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیّات اعمالنا، من یھد اللّٰہ فلا مضل لہٗ ومن یضلل فلا ھادی لہٗ واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریك لہٗ وان محمّدًا عبدہٗ

سب تعریف اللہ کے لئے ہے اسی کی میں حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں اسی پر ایمان لایا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اپنے نفسوں کی شرارت اور بُرے اعمال سے پناہ مانگتا ہوں جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں



ورسولہٗ اصطفاہ لوحیہٖ واختارہٗ لرسالتہٖ بکتاب فصلہ فضلہ واعزہٗ واکرمہٗ ونصرہٗ وحفظہٗ ضرب فیہ الامثال وحلل فیہ الحلال، وحرم فیہ الحرام، وشرع فیہ الدین اعذارًا وانذارًا، لئلا یکون للناس علی اللّٰہ حجۃ بعد الرسل ویکون بلاغًا لقوم عابدین اوصیکم عبادی اللّٰہ بتقوی اللّٰہ العظیم الذی ابتداء الامور بعلمہ، والیہ یصیر معادھا، وانقطاع مدتھا وتصرم دارھا، ثم انی احذرکم الدنیا فانھا حلوۃ خضرۃ۔ حفت بالشھوات وراقت بالقلیل، وانیعت بالفانی، وتحببت بالعاجل، لا یدوم نعیمھا ولا یؤمن فجیعھا، اکالۃ غوالۃ غرارۃ لا تبقی علی حال، لا یبقی لھا حال، لن تعدوا الدنیا، اذا تناھت الی امنیۃ اھل الرغبۃ فیھا، والرضا بھا،

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور بتحقیق محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اپنی وحی کے لئے اللہ نے انھیں منتخب کیا اور اپنی رسالت اور اپنی کتاب اور اپنے فضل کے لئے انھیں اختیار کیا انھیں معزز ومکرم کیا ان کی مدد کی اور ان کی حفاظت کی۔ اس کتاب (قرآن) میں مثالیں بیان فرمائیں حلال وحرام کو واضح کیا، دین کے شرائع بیان کئے، اعذار وانذار کئے تاکہ لوگوں کو رسولوں کے بعد کوئی حجّت نہ رہے اور قوم عابدین تک یہ کتاب پہونچے اے اللہ کے بندو! میں تمہیں خدائے بزرگ وبرتر سے تقوے کی وصیت کرتا ہوں جس نے اپنے علم سے امور کی ابتدا فرمائی اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں، دنیا دیکھنے میں سرسبز ہے اور مزے میں شیریں، خواہشوں سے مملو ہے، تھوڑے پر قناعت نہیں کرتی، فانی چیزوں سے اُنس رکھتی ہے اور جلدبازی سے محبّت کرتی ہے۔ دنیا کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہیں گی اس کے حوادث سے امن نہیں،

| | |
|---|---|
| ان تکون کما قال اللہ عزّ وجل: واضرب لھم مثل الحیوٰۃ الدنیا کما انزلنا من السمآء ۔۔۔۔ (الیٰ قولہ مقتدرًا) | دنیا موذی، ٹھا ئن، فریب دینے والی کو ایک حالی پر قرار نہیں۔ دنیا سے رغبت رکھنے والوں کے ساتھ دنیا باقی نہیں رہتی اور نہ ان سے راضی رہتی ہے۔ اللہ عزّ وجل نے فرمایا ہے، اور آپ (اے پیغمبر) ان لوگوں سے دنیا دی زندگی کی حالت بیان فرما دیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاوے کہ اس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالےٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔" |
| ونسأل ربنا والٰہنا وخالقنا ومولانا ان یجعلنا وایاکم من فزع یومئذ آمنین، ان احسن الحدیث وابلغ الموعظۃ کتاب اللہ یقول اللہ بہ۔ | ہم اپنے رب سے التجا کرتے ہیں اپنے معبود سے اپنے خالق سے زاری کرتے ہیں اے ہمارے مولےٰ ہمیں اس دن (قیامت) کے خوف سے امن دے (اے لوگو!) بہترین کتاب اور اعلےٰ نصیحت کی کتاب، کتاب اللہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے اسے (غور سے) سنو اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔ |
| "واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون"۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم "لقد جاءکم رسول من انفسکم۔۔۔۔ الیٰ آخر السورۃ" (العقد الفرید ص۳۴۷ ج۲ طبع مصر سنہ۱۳۵۳ھ) | (اس کے بعد) اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بعد سورۂ انفال کے نویں پارے کی آیات تلاوت کرکے تفسیر بیان فرمائی اور سامعین کو نصیحتیں کیں۔ |



## لقب الخطیب الاشدق

امیر یزیدؒ خطبائے قریش میں امتیازی شان رکھتے تھے "الخطیب الاشدق" لقب پڑگیا تھا۔ یعنی برجستہ اور زور کی تقریر کرنے والے کسی نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے دریافت کیا کہ ابلغ الناس کون ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سائل نے کہا سوال یہ نہیں تھا۔ یہ بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قریش میں کون بڑا خطیب ہوا ہے؟ انھوں نے فرمایا معاویۃ وابنہ (ص۲۰۶ ج البیان والتبیین للجاحظ) یعنی حضرت معاویہؓ نے اور ان کے فرزند یزیدؒ نیز دونام اور بھی لئے۔ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے لکھا ہے:-

| | |
|---|---|
| کان یزید بن معاویۃ خطیبًا شاعرًا وکان اعرابی اللسان بدوی اللھجۃ۔ | یزید بن معاویہ خطیب اور شاعر تھا زبان اعرابی اور لہجہ بدوی تھا۔ (ص۸۲۴-۸۲۵ ج) |

سنہ۴۹ھ میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ دمشق میں امیر المؤمنین معاویہؓ کے پاس مقیم تھے کہ حضرت حسن بن علیؓ کی وفات کی خبر پہونچی۔ حضرت معاویہؓ نے اس سانحہ پر حضرت ابن عباسؓ سے خود بھی تعزیت کی جس کو شیعہ راویوں نے مسخ کرکے کہا ہے۔ پھر امیر یزیدؒ بھی تعزیت کے لئے آئے اور ایسے بلیغ اور جامع الفاظ میں تعزیت کے کلمات ادا کئے کہ حضرت ابن عباسؓ کو ان کی لیاقت پر استعجاب ہوا۔ جب امیر ان کے پاس سے اٹھ گئے۔ تو ابن عباسؓ نے جو کچھ فرمایا۔ علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنئے:-

| | |
|---|---|
| فلما نھض یزید من عندہ قال ابن عباس اذا ذھب بنو حرب ذھب علماء الناس (ص۲۲۹ ج۸ البدایہ والنہایہ) | جب یزید ان کے پاس سے اٹھ گئے تو ابن عباسؓ نے فرمایا: جو حرب (یزید کے پردادا کا نام حرب تھا) اٹھ گئے تو علماء الناس (لوگوں کے عالم) اٹھ جائیں گے۔ |

## خصائل محمودہ

علم وفضل، تقویٰ و پرہیزگاری، پابندیٔ صوم وصلوٰۃ

---

لہ عربی زبان کی چاشنی انہی دونوں باتوں سے ہے۔

کے ساتھ امیر یزیدؒ حد درجہ کریم النفس حلیم الطبع سنجیدہ و متین تھے۔ ایک عیسائی رومی مورخ نے ان کی سیرت کے بارے میں ان کے ہم عصر کا بیان ان الفاظ میں لکھا ہے۔

"وہ (یعنی امیر یزیدؒ) حد درجہ حلیم و کریم، سنجیدہ و متین، غرور و خود بینی سے مبرّا، اپنی زیر دست رعایا کے محبوب، تزک و احتشامِ شاہی سے متنفر تھے۔ عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے۔"

(انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص۲۶۳)

علامہ ابنِ کثیرؒ نے ان کے خصائل کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| وقد کان یزید فیہ خصال | اور یزیدؒ کی ذات میں قابلِ ستائش |
| محمودۃ من الکرم والحلم | صفات حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی |
| والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ | اور شجاعت و بہادری کی تھیں۔ نیز |
| وحسن الرأی فی الملک وکان | معاملاتِ حکومت میں عمدہ رائے رکھتے |
| ذا جمال حسن المعاشرۃ [1] | تھے اور وہ خوب صورت اور خوش سیرت |
| (ص۲۳۰ ج۸ البدایہ والنہایہ و تاریخ الاسلام ذہبی ص۹۴ ج۳) | تھے۔ |

**حکمرانی کا مطمحِ نظر** حکمرانی و فرمانروائی سے مطلب و مقصد امیر یزیدؒ کے نزدیک خدمتِ خلق تھا۔ اور اس خدمتِ خلق کا آئیڈیل و مطمحِ نظر امیر المومنین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی عادلانہ

---

[1] اس عبارت کے بعد ہی لفظ ایضاً کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اس لئے حذف کر دئے گئے کہ جن بزرگوں کو امیر یزیدؒ کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی۔ انھوں نے امیر موصوف کی پابندیٔ نماز اور اتباعِ سنت کا حال بیان کیا ہے۔ مثلاً برادرِ حسینؓ وغیرہم نے جو دوسری جگہ درج ہے نیز اس موقع پر ان کی کریم النفسی کا ذکر کیا گیا ہے



صالح حکومت و سیاست تھی۔ ایک مرتبہ امیر المؤمنین معاویہؓ نے یزیدؒ سے دریافت کیا کہ تم کس طرح عمل کرو گے اگر تمہیں والی بنا دیا جائے۔ یزیدؒ کے جواب کو علامہ ابن کثیرؒ نے مع حضرت معاویہؓ کے ریمارک کے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| قال (یزید) کنت واللہ یا ابت | یزید نے کہا کہ، واللہ اے ابا جان (حضرت) |
| عاملاً فیھم عمل عمر بن الخطابؓ | عمر بن خطابؓ نے جو عمل (امت کے ساتھ) |
| فقال معاویۃ: سبحان اللہ | کیا میں بھی ان کے ساتھ وہی کروں گا۔ |
| یا بنی واللہ لقد جھدت | اس پر (حضرت) معاویہؓ نے کہا سبحان اللہ |
| علی سیرۃ عثمانؓ بن عفان | اے بیٹے! میں نے تو واللہ عثمانؓ بن عفانؓ |
| فما اطقتھا فکیف بک و | کی سیرت (کی پیروی) کی کوشش کی مگر کر |
| سیرۃ عمرؓ | نہ سکا۔ پھر کہاں تم اور سیرتِ عمرؓ کی پیروی! |

امیر یزیدؒ کو حکومت و سیاسی امور ہی میں حضرت فاروقِ اعظمؓ کی پیروی کا اہتمام نہ تھا۔ بلکہ طرزِ معاشرت میں بھی ان کی پیروی کرتے زندگی حد درجہ سادہ تھی۔ عام باشندوں کی طرح ان کا لباس سادہ ہوتا۔ حکومت کے طمطراق اور تزک شاہی سے سخت متنفر تھے۔ لاکھوں روپیہ وظائف و عطایا کا دوسروں کو دریا دلی سے دیتے مگر اپنی ذات پر معمولی خرچ کرتے۔ زہاد و عباد امت کی مجالس میں شریک ہوتے۔ حضرت ابوالدرداءؓ جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے۔ انہی کی صاحبزادی کو نکاح کا پیام بھی دیا تھا۔ وہ یزیدؒ کو پسند کرتے تھے مگر اپنی بیٹی ایسے گھرانے میں بیاہنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کاج کے لئے خادمہ موجود ہو۔ پھر انھوں نے اپنی بیٹی یزیدؒ ہی کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دی۔ امیر یزیدؒ کے یہ ہم جلیس ضعفاء المسلمین یعنی غریب مسلمانوں میں سے تھے۔ اور انھوں نے امیر یزیدؒ سے اجازت بھی لی تھی کہ آپ کو تو انکار ہو گیا اب میں پیام دوں؟

(کتاب الزہد: امام احمد بن حنبل ص۱۴۲)

اس واقعہ کے ذکر سے راقم الحروف یہ بتانا چاہتا ہے کہ امیر یزیدؒ کے ہم جلیس زہاد و عباد امت تھے۔ علماء و فضلاء تھے۔ طلاب و شیدائیانِ علم تھے۔ ان ہی کا گھرانہ مسلمانوں کا پہلا گھرانہ ہے جہاں مختلف علوم کا جو اس زمانہ میں ...... مدون

ہو چکے تھے کتب خانہ قائم ہوا۔ امیر یزیدؒ کے فرزندوں میں کیسے کیسے فاضل اور صالح عالم تھے خاص کر علامہ خالد بن یزیدؒ جو مسلمانوں میں علم کیمسٹری کے موجد ہیں جنھوں نے یونان اور مصر وغیرہ سے یونانی اور سریانی کتب کے ذخیرے فراہم کئے۔ دارالترجمہ قائم کیا۔ خود بھی تصانیف کیں۔ الولد سرٌ لابیہ۔ والد میں علم و فضل کے حصول کی اس درجہ خواہش اور ترطیب اپنے باپ ہی کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی۔ جہاں اکثر قال اللہ و قال الرسولؐ کی آوازیں آتیں نہ بقول کذابین فنا موسیقی کی۔

## سیرتِ یزیدؒ و امام احمدؒ و امام غزالیؒ

قاضی ابی بکر عربی شاگرد حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اپنی کتاب العواصم (ص۲۳۲) میں بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امیر یزیدؒ کا ذکر کتاب الزہد میں زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں کیا ہے جہاں زہد و ورع کے بارے میں زہاد و امت کے اقوال نقل کئے ہیں۔ قاضی موصوف فرماتے ہیں:۔

وھذا یدل علی عظیم منزلتہ (ای یزید) عندہ حتی یدخلہ فی جملۃ الزھاد من الصحابۃ والتابعین الذین یقتدی لقولھم ویرعوی من وعظھم ونعم وما ادخلہ الا فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الی ذکر التابعین فاین ھذا من ذکر المورخین لہ فی الخمر وانواع الفجور الا تستحیون؟ [۱]

اور یہ دلیل اس کی ہے کہ ان کے (امام احمدؒ کے) نزدیک ان کی (امیر یزیدؒ کی) عظیم منزلت تھی یہاں تک کہ ان کو ان زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی اور ان کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی اور ہاں انھوں نے تابعین کے تذکرے سے قبل ہی صحابہ کے زمرہ کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے پس کہاں ہیں اس کے سامنے خمر اور طرح طرح کے فسق و فجور کے اتہامات جن کا ذکر مورخین

[۱] کتاب الزہد سے یہ ذکر اب نکال دیا گیا ہے لیکن قاضی ابو بکرؒ کے زمانے میں یہ ذکر موجود تھا مسند احمد بن حنبلؒ تک میں منقصت یزیدؒ کی وضعی روایتوں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔



کرتے ہیں! کیا ان لوگوں کو اس پر شرم نہیں آتی۔

ص۲۳۳

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے شافعی فقیہہ عماد الدین ابوالحسن علی الکیا الہراسی متوفی سنہ ۵۰۴ھ کے ایک استفسار کے جواب میں امیر یزیدؒ کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے اور ایک مومن کی حیثیت سے ان پر "رحمۃ اللہ علیہ" کہنے کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

ویزید صح اسلامہ وما صح قتلہ حسینؓ ولا امرہ بہ ولا رضی وبہ ومھما لا یصح ذالک منہ لا یجوز ان یظن ذالک بہ فان اساءۃ الظن بالمسلم ایضاً حرام وقد وقال اللہ تعالیٰ اجتنبو کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم من المسلم دمہ ومالہ وعرضہ وان یظن بہ ظن السوء ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسینؓ اورضی بہ فلینبغی ان یعلم بہ غایۃ الحماقۃ فان من قتل من الاکابر و

اور یزیدؒ صحیح الاسلام ہے اور یہ صحیح نہیں کہ انھوں نے حسینؓ کو قتل کرایا یا اس کا حکم دیا یا اس پر راضی ہوئے پس جب کہ یہ قتل ان سے (یزیدؒ) پایہ ثبوت کو نہیں پہونچتا تو پھر ان کے ساتھ ایسی بدگمانی رکھنا حرام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "بدگمانی سے بچتے رہو اس لئے کہ بعض بدگمانیاں سخت گناہ ہیں" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلم کا مال۔ اس کی جان۔ اس کی آبرو ریزی اور اس کے ساتھ بدگمانی کرنے کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزیدؒ نے قتلِ حسینؓ کا حکم دیا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہیئے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے جو لوگ بھی اکابر اور وزراء و سلاطین میں سے اپنے

الوزراء والسلاطين في عصره لو اراد ان يعلم حقيقة من الذي امر بقتله ومن الذي رضي به ومن الذي كرهه لم يقدر على ذالك وان كان الذي قد قتل في جواره وزمانه وهو يشاهده فكيف لو كان في بلد بعيد وزمن قديم قد انقضى فكيف يعلم ذالك فيما انقضى عليه قريب من اربعمائة سنة في مكان بعيد وقد تطرق التعصب في الواقعة فكثرت فيها الاحاديث من الجوانب فهذا الامر لا يعلم حقيقة اصلا واذا لم يعرف وجب احسان الظن بكل مسلم يمكن الظن به وما الترحم عليه فجائز بل هو مستحب بل هو داخل في قولنا في كل صلاة اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات فانه كان

اپنے زمانے میں قتل ہوئے۔ اگر کوئی شخص ان کی یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا، کون اس پر راضی تھا، اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو وہ شخص اس پر ہرگز قادر نہیں ہوگا کہ اس کی کنہ تک پہنچ سکے۔ اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس میں، اس کے زمانہ میں اور اس کی موجودگی میں کیوں نہ ہوا ہو تو پھر اس واقعہ کی حقیقت تک کیونکر رسائی ہوسکتی ہے۔ جو دور کے شہر اور قدیم زمانہ میں گذرا ہے پس کیونکہ اس واقعہ کی صحیح حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے جس پر چار سو برس کی طویل مدت بعید مقام میں منقضی ہو چکی ہو اور پھر امر واقعہ یہ بھی ہو کہ اس کے بارے میں تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہو جس کی وجہ سے متعدد فرقوں کی طرف سے اس کے بارے میں بکثرت روایتیں مروی ہوں پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی صحیح حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت



مؤمنا والله اعلم، كتبه الغزالي۔
(وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۱ ص ۴۶۵ مطبوعہ مصر)

تعصب کے پردوں میں روپوش ہے تو پھر مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن کے قرائن ممکن ہوں وہاں پر ان پر (یزیدؒ پر) رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور وہ تو ہماری ہر نماز کے اس قول اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات میں داخل ہیں کیونکہ وہ مومن تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی فقیہ الکیا الہراسی کے استفتاء اور امام غزالیؒ کے فتوے کا تذکرہ کرتے ہوئے یزیدؒ پر سب وشتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتل حسینؓ سے راضی تھے۔

ومنع من شتمه ولعنه لانه مسلم ولم يثبت بانه رضي بقتل حسينؓ واما الترحم عليه فجائز بل مستحب بل نحن نترحم عليه في جملة المسلمين والمؤمنين عموما في الصلوٰة
(ص ۱۷۳ ج ۱۲ البدایہ والنہایۃ)

اور امام غزالیؒ نے (امیر یزیدؒ پر سب وشتم کرنے سے) منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتل حسینؓ سے راضی تھے رہا ان پر (یزیدؒ پر) رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور ہم ان پر رحمت کی دعا اپنی نمازوں میں تمام مسلمین و مومنین کے شمول میں مانگا کرتے ہیں۔

## کتاب فضل یزیدؒ

پانچویں وچھٹی صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے۔ جب بنی امیہ اور خاص کر امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپیگنڈہ نے شدت اختیار کرلی تھی۔ کذب وافتراء

سے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے تھے بعض صلحائے امت احقاق کی خاطر انکشافِ حقیقت پر کمربستہ ہوئے منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربیؒ تھے جن کے متعلق علامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں۔ کان من صلحاء الحنابلۃ وکان یزار (ص۳۲۸ ج۱۲ البدایہ والنہایہ) یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے مرجعِ عوام تھے۔ انھوں نے امیر یزیدؒ کی حسنِ سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی:۔

ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویۃ اتی فیہ بالغرائب والعجائب

(ص۳۲۸ ج۱۲ البدایہ والنہایہ)

اور ان کی (شیخ عبدالمغیثؒ) کی تصنیف سے فضلِ یزید بن معاویہؓ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کئے ہیں۔

اِس سلسلہ میں علامہ ابنِ کثیرؒ نے یہ لطیفہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کتاب "فضل یزید"، کی شہرت ہوئی خلیفہ وقت الناصر لدین اللہ عباسیؒ شیخ موصوف کی خدمت میں پوشیدہ طور سے یہ تبدیلِ ہیئت اس طرح آئے کہ کوئی پہچان نہ سکے شیخ نے پہچان تو لیا مگر اظہار نہ کیا خلیفہ الناصرؒ نے امیر یزیدؒ کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انھوں نے دیا اسے یوں بیان کیا گیا ہے:۔

فسألہ الخلیفۃ عن یزید أیلعن ام لا؟ فقال لا اسوغ لعنہ لانی لو فتحت ھذا لباب لافضی الناس الی لعن خلیفتنا فقال الخلیفۃ ولم؟ قال لانہ یفعل اشیاء منکرۃ کثیرۃ منہا کذا وکذا ثم شرع یعدد

خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیثؒ) سے سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر بھی لعن کرنے لگ جائیں کے خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں شیخ نے کہا کہ وہ بہت سی منکرات پر



علی الخلیفۃ افعالہ القبیحۃ وما یقع منہ من المنکر لینزجر عنہا فترکہ الخلیفۃ وخرج من عندہ وقد اثر کلامہ فیہ وانتفع بہ

(ص۳۲۸ ج۱۲۔ البدایہ والنہایہ)

عمل پیرا ہوتے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں انھوں نے خلیفہ کے برے افعال گنانے شروع کئے۔ خلیفہ نے گفتگو ترک کر دی۔ اور ان کے پاس سے اٹھ آئے لیکن ان کے کلام کا اثر ان کے دل پر ہوا اور اس سے ان کو نفع پہنچا۔

امیرالمؤمنین الناصر الدین اللہ عباسیؒ متوفی ۶۲۲ھ کو جن کا ذکر اس روایت میں ہے یہ امتیاز حاصل تھا کہ خلفائے اسلام میں ان کی مدّت خلافت سب سے زیادہ رہی یعنی ۴۹ برس۔ بذاتِ خود بلند پایہ عالم تھے اور علماء وفضلاء کے قدر دان علمِ حدیث سے شغف تھا۔ متعدد شیوخ اور محدثین سے اجازہ بھی حاصل تھا اور فنِ حدیث میں ان کی کتاب روح العارفین نام ہے (الاعلام زرکلی) ۵۸۹ھ میں دارالعلوم نظامیہ بغداد میں دارالکتب بصرفِ کثیر تعمیر کرایا جس میں دس ہزار کتابیں اپنے یہاں سے منتقل کیں۔ (مراٰۃ الزمان ج۸ ص۴۲۱)

نیک کاموں اور خیر خیرات میں دریادل تھے۔ صاحب مراٰۃ الزمان لکھتے ہیں کہ ماہِ صیام میں روزہ داروں کی روزہ کشائی وافطار اور مسکینوں وفقراء کے کھانے کے لئے شہر کے مختلف حصّوں میں دس مکانوں میں طعامِ کثیر کا جس میں روغنی روٹی، حلوہ اور دیگر اغذیہ ہوتی تھیں۔ ان کی جانب سے کچھ اسی طرح اہتمام ہوتا تھا جس طرح ان کے جدِّ اعلےٰ حضرت عباسؓ زمانہ حج میں حاجیوں کے لئے اپنے مال سے رفادہ وسقایہ کا اہتمام کرتے تھے۔ ایسے عالم وفاضل اور ان صفات کے حامل امیرالمؤمنین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ یہ تبدیلِ ہیئت اپنے ہمعصر محدث کے پاس صرف یہ پوچھنے آئے کہ یزیدؒ پر لعن کیا جائے یا نہیں محض لغو ہے۔ صاحبِ کتاب

الذیل علیٰ طبقات الحنابلہ نے ایک فقیہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ امیرالمؤمنین موصوف کی پہلی ملاقات شیخ عبدالمغیثؒ سے امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر اچانک ہوگئی تھی اور اس ملاقات ہی میں انھوں نے شیخ سے دریافت کیا کہ تم ہی کیا وہ حنبلی ہو جنھوں نے "مناقب یزید" پر کتاب لکھی ہے۔ شیخ نے جواباً کہا کہ مناقب پر تو نہیں لکھی البتہ میرا مذہب و مسلک یہ ہے کہ یزید خلیفۃ المسلمین تھے۔ ان پر فسق کا الزام بھی تھوپا جائے تب بھی ان کی بیعت توڑنے کا جواز تو ہرگز نہ ہوگا۔ یہ جواب سن کر امیرالمؤمنین خوش ہوئے اور فرمایا۔ احسنت یا حنبلی۔ شیخ عبدالمغیث میں اور ابن الجوزی میں مناظرہ و بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔ جو ان کی وفات تک جاری رہا۔ مات عبدالمغیث (۵۸۳ھ) وھما متھاجران (کتاب الذیل ص ۳۸۶)

ابن الجوزی نے ان کی کتاب کا رد لکھا ہے جس کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ موصوف جو صاحب کتاب الذیل علے طبقات الحنابلہ کے الفاظ میں المحدث الزاہد، متدین، راست گفتار، جمیل السیرۃ، متبع سنت و حمید الاخلاق تھے خلیفہ یزیدؒ کی مذمت کے مانع تھے۔ ان کے مخالف ابن الجوزی نے اپنی کتاب کا نام رکھا تھا الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید (اس ضدی متعصب کا رد جو مذمت یزید کا مانع ہے) شیخ عبدالمغیثؒ نے اپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز ادا فرمانے کے ثبوت میں جو تصنیف کی تھی ابن الجوزی نے اس کا رد بھی لکھا تھا جس کا نام تھا۔ آفۃ الحدیث الرد علی عبد المغیث سیرۃ یزیدؒ کے سلسلے میں یہ باتیں اس موقع پر ضمناً یوں بیان ہوئیں کہ سیاسی مشاجرات کے پروپیگنڈے کے نتائج چند صدیوں بعد سب و شتم کی کیا نوعیت اختیار کرتے گئے تھے۔ امیر یزیدؒ کے ساتھ ان کے والد ماجد سیدنا معاویہؓ اور دیگر اکابر صحابہ پر سب و شتم کا آغاز کیا گیا تھا۔



## مدینۃ النبیؐ سے اُنس

امیر یزیدؒ کو مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم اور جوار رسولؐ کے رہنے والوں سے بڑا اُنس تھا۔ تینوں سال امیر حج کی حیثیت سے جب دمشق سے حرمین شریفین آئے تو مدینہ میں ضرور قیام کرتے۔ ایک وسیع مکان بھی یہاں بنوایا تھا جو "واریزیدا" کہلاتا تھا۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں سیاسی قیدیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اہلِ مدینہ کو وظائف و عطایا بکثرت دیتے۔ بلاذری نے المدائنی جیسے قدیم ترین اور ثقہ مورخ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

دخل عبد اللہ بن جعفر علی یزید. فقال کم کان ابی یعطیک فی کل سنۃ؟ قال الف الف قال فانی قد اضعفتھا لک فقال ابن جعفر فداک ابی وامی واللہ ما قلتھا لاحد قبلک فقال قد اضعفتھا لک فقیل أتعطیہ اربعۃ آلاف الف فقال نعم، انہ لیفرق مالہ کاعطائی اتی لا اعطی اہل المدینۃ
(ص ۳ قسم ثانی جزء رابع ص)

عبد اللہ جعفر (طیارؓ) (امیر) یزیدؒ کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھا کہ میرے والد ماجد آپ کو سالانہ کیا دیا کرتے تھے (ابن جعفرؓ) نے کہا دس لاکھ (امیر یزیدؒ) نے فرمایا میں نے اس کو دوگنا کیا (یہ سنکر ابن جعفرؓ نے کہا) کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ وہ قول ہے جو اس سے پہلے میں نے کسی کے لئے بھی نہیں کہا (امیر یزیدؒ) نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی دوگنا کیا (ان کے خزانچی نے یہ سنکر) عرض کیا کہ کیا آپ ان کو چالیس لاکھ سالانہ دیں گے؟ (امیرالمؤمنین نے) فرمایا۔

کتاب انساب الاشراف بلاذری (مطبوعہ یروشلم)

ہاں (تم جانتے نہیں) یہ اپنا مال تقسیم کر دیتے ہیں ان کو دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔

مدینہ طیبہ سے اُنس و محبت ہی کی وجہ تھی کہ اپنی شریک زندگی کے لیے وہاں کی دو خواتین کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے۔ ایک سیّدہ اُم محمد بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ ہاشمیہ خاتون کو جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔ دوسری خاتون حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی حقیقی پوتی سیّدہ اُم مسکین بنت عاصم بن عمر بن الخطابؓ تھیں بلاذری نے ان کو عمر بن عاصم بن عمر فاروقؓ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے وہ لکھتے ہیں:۔

فتزوج (یزید) فی حجتہ حج ام مسکین بنت عمر بن عاصم بن عمر بن الخطاب
(کتاب الانساب الاشراف)

ایک حج کے موقع پر (امیر یزیدؒ) نے عمر بن عاصم بن عمر الخطابؓ کی بیٹی ام مسکین سے شادی کی۔

یہ ام مسکین عمر بن عاصم مذکور کی بیٹی نہیں بہن تھیں بلاذری سے قدیم تر مورخ و نساب ابن قتیبہ نے سیّدہ ام مسکین کو حضرت عاصم بن عمر فاروقؓ کی دختر بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ امیر یزیدؒ نے ان سے نکاح کیا وہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی کی سگی خالہ تھیں (کتاب المعارف صنٹ)

یہ خاتون عابدہ زاہدہ تھیں حدیث کی روایت بھی ان سے ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال فی نقد الرجال (ج) میں بذیل الکنیٰ للنسوۃ سیّدہ



اُم مسکین کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

ام مسکین بنت عاصم بن عمر ام خالۃ عمر بن عبد العزیز وزوجۃ یزید بن معاویۃ لہا روایۃ عن ابی ھریرۃ تفرد عنہا ابوعبد اللہ (صنٹ)

ام مسکین جو عاصم بن حضرت عمرؓ کی دختر اور (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کی خالہ اور یزید بن معاویہ رضؓ کی زوجہ تھیں وہ (حضرت) ابوہریرہؓ سے حدیث کی روایت کرتی ہیں اور ان سے ان کے غلام ابوعبداللہ تنہا راوی ہیں۔

مدینہ طیبہ کی اس خاتون اور حضرت فاروق اعظمؓ کی ان پوتی سے نکاح کرنے کا ذکر کس اشتیاق سے ان اشعار میں کیا ہے جو اپنی زوجہ اولےٰ اُم خالد کو مخاطب کر کے کہے تھے فرماتے ہیں:۔

أراك ام خالد تضجين
باعت علی بیعك ام مسكين

میمونۃ من نسوۃ میاسین
زارتك من طیبۃ فی حولین

فی بلدۃ كنت بہا تكونین
ذا تصبر ام خالد من الدین

ترجمہ:۔ اُم خالد میں دیکھتا ہوں۔ تمہیں یہ شکوہ ہے کہ تمہاری جگہ اُم مسکین نے لے لی ہے یہ یہ برکت والی بیبیوں میں برکت والی ہیں اور حوارین میں تمہارے پاس (مدینہ) طیبہ سے آئی ہیں اب یہ اس شہر میں آتی ہیں جہاں تمہارا طوطی بولتا تھا تم ام خالد صبر کرو کہ صبر کرنا دین ہے۔

ان لذی کنت بہ کُد لین
لہین کما کنت بہ تظّین

وہ جس پر تم کو ناز تھا اس کی حالت اب
ایسی نہیں رہی جیسا تم سمجھتی تھیں۔

یوں تو امیر یزیدؒ طبعاً نہایت فیّاض اور بخشش وعطا میں وسیع القلب تھے لیکن جوار رسولؐ کے رہنے والوں کو اور خاص کر اہل مدینہ کے اِن اشخاص کو جو اپنے مال وزر کو وہاں کے حاجت مندوں میں تقسیم کرتے بیش بہا عطیات دیتے تھے۔ المدائنی نے یہ روایت بیان کی ہے۔ کہ عبداللہ بن زیاد جو عامل تھے ایک مرتبہ جب امیرالمؤمنین یزیدؒ کے پاس خراسان سے آئے اور وہاں سے کثیر رقم ساتھ لائے اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیّار دمشق میں موجود تھے۔ امیر یزیدؒ نے ان کو حکم دیا کہ پانچ لاکھ درہم وہ حضرت عبداللہ کو دے دیں۔ ابن زیاد نے بجائے پانچ لاکھ کے دس لاکھ درہم یہ کہہ کر دیئے کہ پانچ لاکھ امیرالمؤمنین یزیدؒ کی طرف سے اور پانچ لاکھ میری طرف سے۔

(ص کتاب انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

سیرتِ امیر یزیدؒ کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا کہ ان کے کردار میں کوئی خامی ایسی نہ تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا۔ امیر موصوف کے بچپن سے وفات تک کے حالات آخری حصّہ کتاب میں ملاحظہ ہوں۔



## اطاعتِ امیر و مُمانعتِ خروج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مذہبی اور سیاسی وحدت (امتِ مسلمہ) کی بنیاد ڈالی اس کی تعمیر میں اخوّت، مساوات اور یک جہتی کی تعلیم عملاً ہمیشہ کارفرما رہی۔ مدینہ میں آپؐ کی تشریف آوری کے بعد سے عربوں کے صدیوں کے قبائلی وطبقاتی کش مکش کا دس برس کی قلیل ترین مدت میں استیصال ہوگیا۔ نسلی وخاندانی خصائص و امتیازات کے باوجود تمام افرادِ امّت جنس واحد وملّتِ واحدہ بن گئے۔ شوریٰ فی الامر سے مملکت اسلامیہ کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ اللہ ورسولؐ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ امیر (اولی الامر) کی اطاعت واجب کی گئی۔ فرمانِ ایزدی ہے۔

یاایھا الّذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول واولی الامر منکم (القرآن الحکیم)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تمہارا امیر (اولی الامر) ہو اس کی۔

اولی الامر (امیر) کے لئے نسل ورنگ، قبیلہ وخاندان کی کوئی قید نہ تھی۔ جس کسی فردِ ملت پر اہلِ حل وعقد کا اتفاق رائے ہوکر بیعت عامہ ہوجائے، خواہ نسل ورنگ اور حیثیت کے اعتبار سے حبشی غلام بدہیئت، سر سے گنجا ہی کیوں نہ ہو، اس کی اطاعت کرنا اور حکم ماننا واجب ولازم کیا گیا۔ صحیح البخاری میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم بسند صحیح موجود ہے۔

عن انس بن مالك قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اسمعوا و اطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبة۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا حکم مانو اور اطاعت کرو اگر تم پر ایک حبشی غلام جس کا سر گنجا ہو، حاکم مقرر ہوجائے۔

صحیح مسلم میں بھی حضرت ابوذر غفاریؓ سے یہی ارشادِ نبویؐ منقول ہے۔

ان خلیلی اوصانی ان اسمع واطیع وان کان عبداً حبشیاً مجدع الاطراف

یعنی میرے خلیل نے مجھے وصیت فرمائی کہ حکم مانوں اور اطاعت کروں اگرچہ وہ (یعنی امیر) حبشی غلام ہو جس کے ہاتھ

گردن اڑا دو خواہ وہ کوئی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس بحث پر دیگر متعدد احادیث نقل کر کے احکام شریعت کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے۔

"چون بیعت برائے شخصے منعقد شود و تسلط او مستقر گشت اگر دیگرے برروئے خروج نماید قتال کند او را نماید کشت افضل باشد از دے یا مساوی یا مفضول"۔

(صفحہ ۱۳۰ جلد اول ازالۃ الخفاء طبع اول)

(یعنی جب کسی شخص کے لئے بیعت منعقد ہو جائے اور اس کی حکومت قائم ہو جائے پھر اگر کوئی دوسرا شخص اس پر خروج کرے۔ اور اس سے قتال کرے تو چاہیئے کہ اس دوسرے کو قتل کر دیں خواہ وہ افضل ہو یا مساوی یا کمتر)

اسی سلسلہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی مروی حدیث بھی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہے

| | |
|---|---|
| عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منہما (اخرجہ البغوی) | حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو خلفاء کے لئے بیعت ہو جائے تو ان میں سے آخر شخص کو قتل کر دو۔ |

حضرت ابوہریرہؓ کی مروی حدیث کا بھی تقریباً یہی مضمون ہے کہ جس کسی شخص کی اول بیعت ہو جائے اور بعد میں دوسرا شخص اپنی بیعت لینے کھڑا ہو تو اس اول شخص کی بیعت کی پاس داری کی جائے

الغرض شارع علیہ السلام کے ارشادات سے بخوبی واضح ہے کہ جب کسی شخص کو امت اپنا امیر اور حاکم تسلیم کر لے یعنی بھاری اکثریت کا تعاون اسے حاصل ہو جائے اس کے حقوق کی پاسداری اور اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے، سوائے کفر بواح (ارتداد) کے اور کسی صورت میں اس کے خلاف خروج جائز نہیں۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی مروی حدیث سے احکام شریعت کی اس بارے میں مزید وضاحت ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| عن جنادہ بن ابی امیہ قال دخلنا علی عبادۃ بن الصامت | حضرت جنادہ بن امیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی خدمت |



بال نہ ہوں۔

حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لوگوں کے سامنے اس وقت بیان کیا تھا۔ جب مفسدین نے حضرت عثمان ذی النورینؓ کے خلاف شورش وفتنہ بپا کرنے کی ابتداء کی تھی اور صاحب موصوف نے خلیفۂ وقت کی اطاعت اور ان کے احکام و ارشادات کی تعمیل اپنے اوپر لازم کر لی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ اطاعت معروف میں ہے۔ معصیت میں نہیں۔ لا طاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف۔

شارع علیہ السلام نے امت کو فتنہ و فساد سے محفوظ اور امت مسلمہ کے سیاسی نظام کو اختلال و انتشار سے محفوظ و مامون رکھنے کے لئے امیر المومنین وحاکم وقت کے خلاف خروج و مخالفت کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے سوائے ارتداد کے کسی حالت میں بھی ولاۃ الامر کے خلاف خروج کو جائز نہیں کیا گیا۔ بحیثیت سے یہ چند ارشادات نبوی صلعم - جن کے اسناد صحیح و جید ہیں اس موقع پر نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے۔

| | |
|---|---|
| عن ابن عباس یرویہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رای من امیرہ شیئاً فکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبراً فیموت الا مات میتۃ جاہلیۃ (صحیح بخاری جلد ۲ جزو ۲۹) | حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے امیر میں کوئی برائی دیکھے اور اس سے ناگواری محسوس کرے تو اسے صبر سے کام لینا چاہیئے کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر ہوا اور مر گیا جاہلیت کی موت مرا۔ |
| عن عرفجۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ ستکون ھنات وھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان (رواہ مسلم) | حضرت عرفجہؓ سے یہ قول مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ عنقریب فتنے ہوں گے اور بڑے فتنے۔ اگر کوئی شخص اس امت کے سیاسی نظام میں اختلال پیدا کرنا چاہے اور امت متفق ہو چکی ہو۔ تو تلوار سے اس کی |

وھو یرتق تک اللہ اللہ سمعنا حدیث ینفعک اللہ بہ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال دعانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبایعنا فقال فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعۃ من منشطنا ومکرھنا وعسرنا ویسرنا واثرۃ علینا وان لا ننازع الامر اھلہ الا ان تروا کفراً بواحاً عندکم من اللہ فیہ برھان۔

(صحیح البخاری: جلد ۲۔ کتاب الفتن)

میں حاضر ہوئے، وہ اس زمانہ میں علیل تھے ہم نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی بخشے کوئی حدیث ایسی بیان فرمایئے جو آپ کے لئے نفع بخش ہو اور آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ فرمایا ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمایا اور ہم سے جن امور پر بیعت لی ان میں امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی تھا اگرچہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند، اس پر عمل مشکل ہو یا سہل اور اس کے لئے ہمیں کچھ قربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اور یہ کہ حکومت کے بارے میں ہم برسر اقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں جب تک کہ اس سے کھلا کھلا کفر ظاہر نہ ہو جو اس کے خلاف خروج کو جائز کر دے اور اللہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔

مسلمانانِ عالم کی عظیم ترین اکثریت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اجتہاد و مذہب کی متبع ہی ہے اور اس اکثریت اور سوادِ اعظم کا اپنے امام کی پیروی میں ہمیشہ یہ نظریہ رہا ہے کہ لا نری الخروج علی الائمۃ ولو جاروا۔ یعنی ہم حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں۔ یہی اجتہاد اور مذہب دیگر ائمہ مجتہدین کا ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی علی ہذا یہی مسلک تھا جو ان بزرگواروں کے عمل سے بخوبی واضح ہے اور ایسے وضعی روایتوں نے مسخ نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس مسلک کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وکان المشھور من مذھب اھل السنۃ انھم لا یرون الخروج علی الائمۃ وقتالھم بالسیف وان کان فیھم ظلم کما دلت علی ذالک الاحادیث

اہل السنت کے مذہب و مسلک میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کرنے اور ان کے مقابلے میں



الصحیحۃ المستفیضۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان الفساد فی القتال والفتنۃ اعظم من الفساد الحاصل بظلمھم بدون القتال۔

(منشرح کتاب منہاج السنۃ النبویۃ)

تلوار اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الاحادیث صحیحہ مستفیضہ دلالت کرتی ہیں کیونکہ حاکمانِ وقت سے جنگ و جدل کرنے کا فساد اور فتنہ اس فساد سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگرد تھے اور وہ امام مالکؒ کے۔ امام احمدؒ کے مندرجہ ذیل قول سے ان کے شیوخ کے مسلک کی بھی تشریح ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح جملہ ائمہ اہلسنت والجماعت کا مسلک ہویدا ہوتا ہے۔ امام احمدؒ خلفاء کی اطاعت کے وجوب اور ان کے خلاف خروج کی ممانعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

”امامِ وقت اور خلیفۂ قائم کی اطاعت خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار واجب ہے۔ وہ جب مسندِ خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا بزورِ شمشیر وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المومنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے جس نے امام المسلمین کے خلاف خروج کیا جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضا و رغبت ہو یا بہ جبر و اکراہ۔ تو اس شخص نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے خلاف کیا اور اس خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا“

(حیات احمد بن حنبل ص ۲۴۶ بحوالہ المناقب لابن الجوزی ص ۱۷۶)

حضرت حسینؓ کی یہ سعادتِ کبریٰ ہے بالآخر آپ نے رجوع کر کے خروج عن الجماعت کے شر سے اپنے کو بچا لیا۔

## خلافت کے اُمیدوار

مورخین نے پانچ حضرات کے نام اس سلسلہ میں گنائے ہیں جو امیر المومنین معاویہؓ کی وفات پر

سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے خواہش مند تھے ان میں چاروں خلفائے راشدین کے صاحبزادوں کو شامل کیا ہے اور پانچوں نام حضرت ابن زبیرؓ کا ہے:-

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیقؓ
۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ
۳۔ حضرت سعید بن عثمان ذی النورینؓ
۴۔ حضرت حسین بن علی المرتضیٰؓ
۵۔ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم۔

ان حضرات میں سے اول الذکر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیقؓ تو ۵۳ھ میں یعنی حضرت معاویہؓ کی وفات سے سات سال پہلے فوت ہو چکے تھے ۵۳ھ میں مکہ جاتے ہوئے فوت ہو گئے رات کو سونے کے لئے لیٹے اور ایسے سوئے کہ پھر نہ اٹھے۔ ان کا ذکر زمرہ امیدواران میں محض عبث[1] ہے۔ دوسرے بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سیاسی مناقشات سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے خلیفہ مظلوم شہید حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو فتنہ عظمیٰ امت میں پیدا ہوا اور جنگ و جدل تک نوبت پہنچی حضرت ابن عمرؓ متحارب جماعتوں سے قطعاً علیحدہ رہے تحکیم کے وقت ان کا نام بیشک لیا گیا تھا کہ حضرت علیؓ کے بجائے زمام خلافت وہ اپنے ہاتھ میں لیں لیکن نہ یہ تجویز بروئے کار آئی اور نہ حضرت ابن عمرؓ کے طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان کو خلافت کی خواہش کسی وقت میں یا کسی درجہ میں بھی رہی ہو۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد اور خلافت کی بیعت انھوں نے بطیب خاطر کی اور اس پر مستقیم رہے جیسا کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ بالوضاحت بیان کیا گیا ہے۔ امیدواران خلافت کے

---

[1] صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جس وقت امیر مروانؓ نے صحابہ کے مجمع میں وہ فرمان پڑھکر سنایا جو ولایت عہد کے بارے میں امیرالمومنین معاویہؓ کی طرف سے آیا تھا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بول اٹھے کیا اب ہرقل کے بعد ہرقل اور قیصر کے بعد قیصر بیٹھے گا۔ پورے مجمع میں سے بس یہی ایک آواز نکلی تھی اس پر مروانؓ نے انھیں تنبیہ کی اور انھیں پکڑ لینے کا حکم دیا سو وہ بھاگ کر ام المومنین کے حجرے میں چلے گئے اور معاملہ ختم ہو گیا اور باقی مجمع جو اکابر پر مشتمل تھا سب نے یہ فیصلہ قبول کر لیا لیکن یہ اہل مدینہ سے استصواب سے پہلے کی بات ہے جب امیرالمومنین معاویہؓ نے خود مدینہ حاضر ہو کر جب یہ معاملہ پیش کیا تو قطعی طور پر طے ہو گیا بعض مورخوں نے اس واقعہ کو نہایت مکروہ طریقہ پر پیش کیا ہے لیکن صحیح بخاری ان لغو تفصیلات سے خالی ہے۔



ضمن میں ان کا نام لینا قطعاً غلط ہے۔ تیسرے صاحب حضرت عثمان ذی النورین کے صاحبزادے سعید ہیں جن کے متعلق بعض مورخین خصوصاً طبری سے اور الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ انھوں نے امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے بارے میں امیرالمومنین حضرت معاویہؓ سے گفتگو کی اور یہ کہہ کر اپنا حق مرجح جتایا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل تھے میری ماں یزید کی ماں سے بہتر تھیں اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں تقریباً اسی قسم کے الفاظ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں جن کا ذکر امیر یزیدؒ کے قطعہ اشعار میں بھی ہے۔ حضرت سعید بن عثمانؓ بڑے مجاہد اور حضرت معاویہؓ کے کارگزار عامل تھے۔ ان کی جانب سے اس قسم کی روایت محض باطل ہے۔ نہ وہ خلافت کے امیدوار تھے اور نہ اس امیدواری کے بارے میں کسی اقدام کا ان کی جانب سے ظہور ہوا۔ موخر الذکر دو حضرات کے اقدام حصول خلافت کے بعض حالات مختصراً ان اوراق میں بیان کئے گئے ہیں۔

## حضرت حسینؓ کا اقدام اور صحابہؓ کے نصائح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ امیرالمومنین یزیدؒ کے خلاف حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا۔ جیسا کہ بعد میں خود آپ نے اس سے رجوع کر کے عملاً ثابت کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے جو ان سے ملے انھیں طرح طرح سے سمجھایا اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ابن الزبیرؓ اور حسینؓ دونوں سے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین۔ (طبری ج ۴ ص ۱۹۱) | تم دونوں اللہ سے ڈرو! اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو۔ |

حضرت ابن عمرؓ نے یہ نصیحت ان دونوں افراد کو اس وقت کی تھی جب یہ بیعت سے گریز کر کے مدینہ سے مکہ آ رہے تھے۔ ابن زبیرؓ نے تو مکہ پہنچ کر اپنے آپ کو "عائذ بالبیت" (بیت اللہ کا پناہ گزیں) کہا اور حضرت حسینؓ مکہ آ کر اپنے دادا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے مکان میں اترے فنزل الحسین دار العباسؓ (ص ۱۶۲ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے چچا اس وقت مکہ میں موجود تھے ان ہی کے پاس مقیم

ہوئے۔ امیر یزیدؒ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی کہ عراق کے لوگ حضرتِ حسینؓ کو طلبِ خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں تو انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کو جو اس وقت خاندان بنی ہاشم کے بزرگ اور سردار تھے تحریر بھیجی کہ حسینؓ کو تفرقہ ڈالنے کی کارروائی سے روکیں۔

وکتب یزید بن معاویۃ الی ابن العباس یخبرہ بخروج الحسین الی مکۃ واحسبہ قد جاءہ رجال من اھل المشرق فمنّوہ الخلافۃ و عندک خبر وتجربۃ فان کان قد فعل فقد قطع راسخ القرابۃ وانت کبیر اھل بیتک والمنظور الیہ فاکففہ عن السعی فی الفرقۃ
(ص۱۶۴ ج البدایہ والنہایہ)

اور یزید ابن معاویہؓ نے ابن عباسؓ کو خط لکھا جس میں انھیں مطلع کیا کہ حسینؓ (مدینہ سے نکل کر) مکہ کو چلے گئے ہیں اہلِ مشرق (یعنی عراقیوں) میں سے چند آدمی ان کے پاس آئے ہیں اور انھیں حصولِ خلافت پر آمادہ کیا ہے۔ آپ کو حالات کا علم اور تجربہ (سابقہ واقعات کا) ہے اگر واقعی ایسا ہے تو انھوں نے (یعنی حسینؓ) قرابت کے مضبوط رشتہ کو قطع کر دیا ہے۔ آپ اہل بیت کے بزرگ ہیں اور حسینؓ کے پسندیدہ شخص ہیں اس لئے آپ انھیں تفرقہ ڈالنے سے روکیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس کے جواب میں جو تحریر امیر یزیدؒ کو بھیجی تھی جسے شیعہ مورخین نے مسخ کر کے بیان کیا ہے اس میں لکھا تھا۔

انی لا رجوا ان لا یکون خروج الحسین لامر تکرھہ ولست ادع النصیحۃ لہ فی کل ما تجتمع بہ الالفۃ و تطفی بہ النائرۃ (ص۱۶۴ ج البدایہ والنہایہ)

مجھے امید ہے کہ حسینؓ کوئی ایسا خروج نہ کریں گے جو برائی کا موجب ہو اور میں انھیں اس بارے کی نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا جس سے الفت قائم رہے اور ہنگامہ کی آگ بجھ جائے۔

دیگر مورخین کے علاوہ ناسخ التواریخ کے مؤلف میرزا محمد تقی سپہر کاشانی نے ذکر نگارش نامہ یزید بعبداللّٰہ ابن عباسؓ درامر حسین بن علیؓ کے عنوان سے جو مکتوب امیرالمومنین یزیدؒ سے منسوب کر کے درج کیا ہے اس میں بھی حضرت عبداللّٰہ بن الزبیرؓ



اور حضرت حسینؓ کے مدینہ سے مکہ چلے جانے کا ذکر کرتے ہوئے تقریباً وہی عبارت موجود ہے جو علامہ ابن کثیر وغیرہ مورخین نے نقل کی ہے یعنی:-

واما الحسین فقد اجبت الاعذار الیکم اھل البیت مما کان منہ وقد بلغنی ان رجالا من شیعتہ من اھل العراق یکاتبونہ و یکاتبھم ویمنونہ الخلافۃ ویمنیھم الامرۃ وقد تعلمون ما بینی وبینکم من الوصلۃ وعظیم الحرمۃ ونتائج الارحام وقد قطع ذلک الحسین و بتّہ وانت زعیم اھل بیتک وسید اھل بلادک فالقہ فاردده عن السعی فی الفرقۃ ورد ھذہ الامۃ عن الفتنۃ۔ (ج ۱ از کتاب دوم ص۱۴۱)

لیکن حسینؓ کے بارے میں آپ حضرات (اہل البیت) سے یہ شکوہ کرتا ہوں کہ مجھ کو یہ اطلاعیں پہونچی ہیں کہ عراقیوں میں سے ان کے طرفداروں سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے اور وہ ان کو حصولِ خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں، اور حسینؓ بھی اپنی امارت کی بشارت ان کو دے رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم میں اور آپ لوگوں میں (یعنی بنو امیہ اور بنو ہاشم) میں صلہ رحم اور رشتہ کی عظیم حرمت ہے اور حسینؓ اس حرمت کو توڑ رہے ہیں۔ اور آپ (یعنی ابن عباسؓ) ان کے خاندان کے بزرگ اور ان مقامات (حجاز) کے سردار ہیں آپ ان سے مل کر ان کو اس امت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش سے باز رکھئے۔

مکتوب کے آخر میں امیر موصوف کے وہ اشعار بھی درج کئے ہیں جو آئندہ اوراق میں قطعہ اشعار امیر یزیدؒ کے عنوان سے آپ مطالعہ کریں گے اور اسی کے ساتھ حضرت عبداللّٰہ بن عباسؓ کی جانب سے جواب خط بھی درج ہے جس کی ابتدائی سطور میں یہ لکھا ہے کہ حسینؓ کے مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کا سبب یہ ہوا کہ مدینہ میں جو عمال تمہارے ہیں انھوں نے ناشائستہ کلمات ان کے بارے میں کہے "وعجّلوا علیہ بالکلام الفاحش فاقبل الی حرم اللّٰہ مستجیرا بہ" اس لئے وہ بیت اللّٰہ میں پناہ لینے چلے آئے۔ پھر لکھا ہے۔

وسالقاہ فیما اشرت الیہ ولن ادع النصیحۃ فیما یجمع اللّٰہ بہ الکلمۃ ویطفی بہ النائرۃ ویخمد بہ الفتنۃ

تم نے جو چاہا ہے اس کے پورا کرنے کے لئے میں حسینؓ سے گفتگو کروں گا اور انھیں نصیحت کروں گا جس سے اختلافات رفع ہو جائے

| | |
|---|---|
| ویحقن بہ دماء الامۃ ۔ | اور اُمت کے لوگوں کا خون نہ بہنے پائے ۔ |
| (ج ۱ از کتاب دیم ص۱۶۳) | |

یہ مکاتیب بین ثبوت ہیں عراقی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کے جو انھوں نے حضرت حسین رض کو حصولِ خلافت پر آمادہ کرنے کے لئے شروع کیں۔ اور یہ خطوط جو شیعہ مورخین نے درج کئے ہیں مسکت ثبوت ہیں اس بات کا کہ حضرت حسین رض کا اقدام محض سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے تھا ۔

حضرت حسین رض کے بزرگوں، عزیزوں، ہمدردوں کے علاوہ جو صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل تھے خود امیر المومنین نے حتی الامکان کوشش کی کہ حضرت حسین رض کوئی قدم ایسا نہ اٹھائیں جس کے نتیجہ میں بجائے اتحاد کے تفرقہ امت میں پڑے ۔

ثقہ مورخین نے صحابہ کرام رض کی نصیحتوں کے فقرات نقل کئے ہیں جو انھوں نے حضرت حسین رض کے اقدامِ خروج پر ان کو کیں۔ حضرت ابوسعید خدری رض نے فرمایا تھا ۔

| | |
|---|---|
| غلبنی الحسین علی الخروج وقلت | حسین رض نے مجھ پر خروج کرنے کے لئے |
| لہ: اتق اللہ فی نفسک والزم بیتک | زور دیا تو میں نے کہا اپنے دل میں |
| ولا تخرج علی امامک ۔ | اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام خلیفہ یزید |
| (ص۱۶۳ ج ۸ البدایہ والنہایۃ) | کے خلاف خروج نہ کرو ۔ |

حضرت ابو واقد اللیثی رض نے ان کی روانگی کے بعد راستہ میں جا کر ان کو روکا اور فرمایا: ۔

| | |
|---|---|
| فناشدتہ اللہ ان لا تخرج فانہ من | میں نے انھیں اللہ کا واسطہ دلایا کہ خروج |
| یخرج غیر وجہ خروج انما خرج | کریں کیونکہ جو بے وجہ خروج کرتا ہے وہ |
| یقتل نفسہ (ص۱۶۳ ج ۸ البدایہ والنہایۃ) | اپنی جان کھو دیتا ہے ۔ |

حضرت جابر بن عبداللہ رض فرماتے ہیں: ۔

| | |
|---|---|
| کلمت حسینًا فقلت لہ: اتق اللہ | میں نے حسین رض سے گفتگو کی اور کہا کہ خدا |
| ولا تضرب الناس بعضھم ببعض | سے ڈرو اور آدمیوں کو آدمیوں سے |
| (ص۱۶۳ ج ۸ البدایہ والنہایۃ) | نہ مرواؤ ۔ |

اسی طرح دیگر متعدد صحابہ کرام کی گفتگوؤں کے کلمات مورخین نے نقل کئے ہیں۔ خود ان کے سوتیلے بھائی محمد بن علی (ابن الحنفیۃ) اور ان کے بہنوئی حضرت عبداللہ بن



جعفر رض بن ابی طالب نے اس اقدام کی شدید مخالفت کی تھی۔ حضرت ابن جعفر رض امیر یزید کے خسر بھی تھے۔ یمن کا ایک سرکاری قافلہ امیر المومنین کی خدمت میں یمن کا محاصل لے کر جا رہا تھا۔ حضرت حسین رض نے اسے گرفتار کر لیا۔ حضرت ابن جعفر رض نے گورنر مکہ سے تحریر لکھوا کر اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ انھیں بھیجی کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ گورنر مکہ نے اپنے بھائی کو بھی مزید اطمینان دلانے کی غرض سے ساتھ بھیجا تھا اور یقین دلایا تھا کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی مگر حضرت حسین رض نے واپس سے انکار کر دیا۔ ادھر سے اصرار ادھر سے انکار ہوتا رہا۔ پیغامبروں کا مشن جب ناکام رہا اور حضرت حسین رض آگے بڑھ گئے تو ان لوگوں نے بھی بالآخر ان سے وہی کہا جو صحابہ کرام رض اور دوسرے ان کے عزیز و ہمدرد ان سے کہتے رہے۔

| | |
|---|---|
| یاحسین الا تتقی اللہ! تخرج من | اے حسین رض کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ |
| الجماعۃ، وتفرق بین الامۃ بعد | تم جماعت سے علیحدہ ہو رہے ہو اور |
| اجتماع الکلمۃ ۔ | امت میں تفرقہ ڈلوا رہے ہو حالانکہ وہ سب |
| (ص۱۶۶ ج ۸ البدایہ والنہایۃ) | ایک بات پر مجتمع ہو چکے ہیں ۔ |

کہا جاتا ہے کہ اس پر حضرت حسین رض نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۔

| | |
|---|---|
| لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما | میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے |
| اعمل وانا بریء مما تعملون ۔ | تمہارا، تم میرے عمل سے بری ہو اور میں |
| | تمہارے اعمال سے (تاریخ الخلفاء والبدایہ) |

## حکومت کا نرم رویہ

مکہ میں حضرت حسین رض چار مہینے سے زیادہ عرصے تک مقیم رہے۔ اور اس تمام مدت میں عراقیوں کی تحریرات اور ان کے وفود آتے جاتے رہے۔ خروج کی تیاریاں ہوتی رہیں لیکن حکومت کی جانب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا نہ ان کی نگرانی ہوئی۔ نہ عراقیوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا گیا حتیٰ کہ نہ اسلحہ وغیرہ کی فراہمی پر کوئی قدغن کیا گیا۔ قرائن و آثار سے ظاہر ہے کہ خود امیر یزید نے ان کو مخاطب کیا اور اللہ کا عہد یاد دلایا جیسا کہ اس قطعہ اشعار میں صاف اشارہ ہے جو امیر موصوف نے باغیانِ مدینہ کی تنبیہ کے لئے لکھ کر بھیجے تھے۔ اسی قطعہ کو شیعہ مورخ طبری نے بھی جلد ۶ ص۲۱۷ پر درج کیا ہے اور دیگر مورخین خصوصاً علامہ ابن کثیر رح نے بھی ص۱۶۴ جلد ۸ میں اور ناسخ التواریخ کے غالی مولف نے ص۱۴۲ ج ۶ کتاب دوم

میں درج کیا ہے۔ وہ قطعہ یہ ہے۔ کسی کسی شعر کے بعض الفاظ مختلف نقل ہوئے ہیں

## قطعہ اشعار امیر یزیدؒ

یا ایہا الراکب الغادی لطیتہ ۔۔۔ علی عذافرۃ فی سیرہا قحم

اے سوار جو صبح سویرے مدینہ کی طرف ایسی اونٹنی پر جا [illegible]

ابلغ قریشاً علی شحط [illegible] ۔۔۔ بینی وبین حسین اللہ والرحم

میرا پیغام قریش کو پہنچا دے کیونکہ ان سے ملنے کو فاصلہ بہت ہے ۔۔۔ کہ میرے اور حسین کے درمیان اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ ہے

وموقف بفناء البیت انشدہ ۔۔۔ عہد الالہ وما توعی بہ الذمم

اور صحن حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے ۔۔۔ میں انھیں اللہ کا عہد اور اس چیز کی یاد دلاتا تھا جو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے وقت قابل لحاظ ہوتی ہیں۔

عنفتم قومکم فخراً بامکم ۔۔۔ أم حصان لعمری برۃ کرم

تم اپنی ماں پر فخر کرکے اپنی قوم کے سامنے ناک چڑھاتے ہو۔ ۔۔۔ ہاں وہ ماں ایسی ہی ہیں پاکدامن اور میری بقا کی قسم بڑی نیک کردار اور عزت والی۔

ہی التی لا یدانی فضلہا احد ۔۔۔ بنت النبی وخیر الناس قد علموا

وہ ایسی ہیں کہ ان کے شرف کو کوئی نہیں پہنچ سکتا ۔۔۔ نبی صلعم کی بیٹی اور دنیا جانتی ہے سب سے اچھی

وفضلہا لکم فضل وغیرکم ۔۔۔ من قومکم لہم من فضلہا قسم

ان کی فضیلت میں تمہاری (حسینؓ کی) فضیلت ضرور ہے۔ ۔۔۔ مگر تمہارے علاوہ بھی تمہاری قوم میں ایسے لوگ ہیں جو ان کے شرف سے بہرہ مند ہیں۔

انی لاعلم او ظناً کعالمہ ۔۔۔ والظن یصدق احیاناً فینتظم

میں جانتا ہوں یا جاننے والے کی طرح گمان کرتا ہوں۔ ۔۔۔ کیونکہ بسا اوقات گمان بچا نکلتا ہے اور بات پوری ہو کر سامنے آجاتی ہے۔

ان سوف یترککم ما تطلبون بہا ۔۔۔ قتلی تہاداکم العقبان والرخم

کہ عنقریب تم پر اے باغیان مدینہ وہی خبر نازل ہوگی جو اس بغاوت سے تم حاصل کرنا چاہتے ہو ۔۔۔ یعنی مقتولوں کی لاشیں جو تمہاری طرف سے عقابوں اور کرگسوں کے لئے سامان ضیافت ہوں گی۔



یا قومنا لا تشبوا الحرب اذ خمدت ۔۔۔ وامسکوا بحبال السلم واعتصموا

اے میری قوم! جنگ کی آگ بجھ چکی اسے مت بھڑکاؤ ۔۔۔ اور صلح کی رسی کو مضبوط پکڑو اور اسی پر قائم رہو

لا ترکبوا البغی ان البغی مصرعۃ ۔۔۔ وان شارب کاس البغی یتخم

بغاوت کا ارتکاب نہ کرو بغاوت پچھاڑ دینے والی ہے ۔۔۔ اور جام بغاوت پینے والا اسے ہضم نہیں کر سکتا

قد جرب الحرب من قد کان قبلکم ۔۔۔ من القرون وقد بادت بہا الامم

لڑائی کا تجربہ انھیں ہو چکا جو تم سے پہلے گزر چکے ۔۔۔ اقوام عالم کے لئے بھولی بسری باتیں ہو چکیں

فانصفوا قومکم لا تہلکوا بذخاً ۔۔۔ فرب ذی بذخ زلت بہ القدم

اپنی قوم کے حق میں عدل کی راہ اختیار کرو اور بیجا حرکتوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو ۔۔۔ کیونکہ اکثر بیجا حرکتوں سے ہی آدمی ٹھوکر کھاتا ہے۔

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا قطعۂ اشعار سے اس وقت کے احوال کا بہت کچھ صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تیسرے شعر کے مضمون سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی۔ وہ مضمون شعر کا یہ ہے "اور صحن حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے میں انھیں اللہ کا عہد اور اس چیز کی یاد دلاتا تھا جن کا ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے وقت لحاظ کیا جاتا ہے" ان الفاظ سے صاف اشارہ اسی طرف ہے۔ آزاد اور بے لاگ مورخین نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مورخ ڈوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"اخلاف (یعنی آنے والی نسلوں) کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف قومی امن اور ایسی خانہ جنگی کے ہولناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتداء میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی حضرت حسینؓ کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی تخیل و تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور حضرت حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معمولی [illegible] کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے [illegible] ہوا، ولی اللہ [illegible]

روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہمعصروں میں اکثر و بیشتر انھیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انھیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انھوں نے (حضرت) معاویہؓ کی زندگی میں یزیدؒ کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق اور دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔"

(صفحہ ۲۷ تاریخ مسلمانان اسپین مولفہ رینہا ڈوزی)
ترجمہ فرانسس گریفن اسٹوکس مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء

## برادرانِ حسینؓ کا موقف

قطع نظر اس امر کے کہ حضرت حسینؓ نے امیر یزیدؒ کی ولایتِ عہد کی بیعت مثل دیگر صحابہؓ و تابعین کرام کے کی تھی یا نہیں۔ یہ حقیقت ثابت ہے کہ ان کے اس اقدام کی تائید میں مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ یا حجاز کا ایک متنفس بھی سوائے ان کے چند نوجوان عزیزوں کے ان کے ساتھ نہ ہوا۔ اور ان کے اپنے گھر کی بھی یہ کیفیت تھی کہ حضرت علیؓ کے منجملہ پندرہ صاحبزادوں کے جو اس زمانہ میں حیات تھے صرف چار اپنے بھائی کے ساتھ گئے اور گیارہ برادرانِ حسینؓ نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی حضرت محمدؒ (ابن الحنفیہؒ) پر جو فرزندانِ علیؓ میں علم و فضل ورع و تقویٰ میں امتیازی شان رکھتے تھے جسمانی قوت اور شجاعت میں اپنے والدِ ماجد کے صحیح جانشین تھے اس مہم میں ان کا ساتھ دینے کے لئے بہت زور ڈالا یہاں تک کہا کہ اگر خود نہیں ساتھ دیتے تو اپنی اولاد ہی کو اجازت دیں کہ میرے ساتھ چلیں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔

(صفحہ ۱۶۵ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) نے بلا تامل اور بطیب خاطر ابتداءً امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی اور پھر خلافت کی بیعت کی تھی، اور اس بیعت پر اس درجہ مستقیم رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں جب امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی گئی تو انھوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی۔ بلاذری نے اپنی مشہور تالیف "انساب الاشراف" (جلد ۳) میں باغیوں کے ایک وفد کے مکالمے کو جو حضرت ابن الحنفیہؒ سے ان کا ہوا تھا ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔



"عبداللہ ابن مطیع وغیرہ ایک وفد لے کر ابن الحنفیہؒ کے پاس آئے اور کہا کہ یزیدؒ کی بیعت توڑ کر ہمارے ساتھ اس سے لڑنے نکلو۔

ابن الحنفیہؒ نے کہا: یزید سے کیوں لڑوں اور بیعت کس لئے توڑ دوں"؟

ارکان وفد: اس لئے کہ وہ کافروں کے سے کام کرتا ہے، فاجر ہے، شراب پیتا ہے اور دین سے خارج ہو گیا ہے۔

ابن الحنفیہ: خدا سے نہیں ڈرتے ہو۔ کیا تم میں سے کسی نے اس کو یہ کام کرتے دیکھا ہے؟ میں اس کے ساتھ تم سے زیادہ رہا ہوں۔ میں نے تو اس کو یہ کام کرتے نہیں دیکھا۔

ارکان وفد: تو کیا وہ تمہارے سامنے بُرے کام کرتا؟

ابن الحنفیہ: تو کیا تم کو اس نے اپنے کرتوتوں سے باخبر کر دیا تھا؟ اگر اس نے یہ برائیاں تمہارے سامنے کی تھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم بھی اس میں شریک تھے اور اگر تمہارے سامنے نہیں کی تھیں، تو تم ایسی باتیں کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

یہ سن کر ارکان وفد ڈرے کہ کہیں ابن الحنفیہؒ کے عدم تعاون سے لوگ یزید کے خلاف شریکِ جنگ ہونے سے انکار نہ کر دیں، اس لئے انھوں نے کہا، اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور تمہیں خلیفہ بناتے ہیں۔ اگر تم ابن الزبیرؓ کی بیعت کے لئے تیار نہیں ہو۔

ابن الحنفیہؒ۔ میں تو لڑوں گا نہیں۔ نہ اپنی خلافت کے لئے اور نہ کسی اور کی۔ لستُ اقاتل تابعًا ولا متبوعاً۔

(جلد ۳ - انساب الاشراف - بلاذری)

اس مکالمہ کو دیگر مورخین نے بھی تقریباً انہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ خاص کر علامہ ابن کثیرؒ نے (صفحہ ۲۳۳۔ جلد ۸۔ البدایہ والنہایہ) جیسا ابھی ذکر ہوا حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) فضیلت علمی، اتقاء و پرہیزگاری، شجاعت و بہادری میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اگر مناقب کی وضعی احادیث اور عقیدت کے مبالغات و توہمات سے قطع نظر کر کے حقیقت کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو فرزندانِ علی مرتضیٰؓ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ خود ایک شیعہ مورخ و نسابہ مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آلِ ابی طالب نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

کان محمد بن الحنیفۃ احد رجال الدھر فی العلم والزھد والعبادۃ والشجاعۃ وھو افضل ولد علی بن ابی طالب بعد الحسن والحسین۔

یعنی۔ محمد بن الحنیفہؒ علم و زہد و عبادت اور شجاعت میں اپنے زمانہ کی ایک بلند شخصیت تھے اور وہ علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں حسنؓ اور حسینؓ کے بعد سب سے افضل تھے۔

(صفحہ ۳۴۴۔ عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب۔ طبع اول مطبوعہ لکھنو۔)

خیر الدین زرکلی نے خود ان ہی کا یہ قول اپنی تالیف الاعلام (قاموس التراجم) میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن الحنیفہ فرماتے ہیں:۔

الحسن والحسین افضل منی وانا اعلم منھما

(ج ۷ ص ۱۸۲)

حسن و حسین مجھ سے برتر ہیں (فرزندان بنت نبی ہونے کی وجہ سے) مگر میں علم میں ان دونوں سے بڑھ کر ہوں۔

کان واسع العلم ---- والخبار قوتہ وشجاعتہ کثیرۃ (ایضاً)

وہ وسیع العلم تھے۔ ان کی قوت اور شجاعت کی روایتیں بکثرت ہیں۔

بایں ہمہ طبعاً صلح پسند تھے۔ اپنے والد ماجد کے معرکہائے جمل وصفین کو ناپسند کرتے تھے اور خانہ جنگیوں کو اندھی مصیبت کہا کرتے تھے۔

حضرت حسینؓ کے ان بھائی اور حضرت علیؓ کے ایسے قابل اور شجیع، زاہد و عالم فرزند کا امیر یزیدؒ سے بیعت کرنا۔ اس پر مستقیم رہنا اور باوجود خلافت کی پیش کش کے اپنے موقف سے جنبش نہ کرنا ان کے بار بار اصرار کرنے پر نہ خود ساتھ دینا اور نہ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو بھی ان کے ساتھ جانے دینا۔ آخر کس بات کا ثبوت ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی دیگر تمام صحابۂ کرام کی طرح اس خروج کو طلب حکومت وخلافت کا سیاسی مسئلہ سمجھتے تھے جو مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا۔

حضرت حسینؓ کے ایک دوسرے بھائی عمر الاطرف بن علیؓ بن ابی طالب تھے جن سے نسل چلی اور ان کی نسل کے بعض افراد ابتدائے عہد اسلامی میں عماق ملتان پر حاکم تھے



اقتدار بھی رکھتے تھے۔ وہ بھی حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے مخالف تھے شیعہ مورخ (نساب مؤلف "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" ان کے اختلاف کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

وتخلف عمر من اخیہ الحسین ولم یسار معہ الی الکوفۃ وکان قد دعاہ الی الخروج معہ فلم یخرج یقال انہ لما بلغہ قتل اخیہ الحسین خرج فی معصفات لہ وجلس بفناء دارہ وقال انا الغلام الحازم ولو اخرج معھم لذھبت فی المعرکۃ وقتلت۔

(صفحہ ۳۵۷ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ مطبوعہ لکھنو)

اور عمرؓ نے اپنے بھائی حسینؓ سے اختلاف کیا اور ان کے ساتھ کوفہ کو خروج نہ کیا حالانکہ انھوں نے ان کو اپنے ساتھ خروج کرنے کی دعوت بھی دی۔ مگر یہ ان کے ساتھ نہ گئے کہتے ہیں کہ جب ان کو اپنے بھائی حسینؓ کے قتل ہوجانے کی خبر ملی تو وہ زرد لباس پہن کر نکلے اور اپنے مکان کے صحن میں آ کر بیٹھے اور کہا کہ میں ایک عقلمند اور محتاط جوان ہوں اور اگر میں بھی ان کے (حضرت حسینؓ کے ساتھ نکلتا تو لڑائی میں شریک ہوتا اور مارا جاتا۔

ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے یہ بھائی بھی ان کے خروج کو طلب حکومت و خلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز و مناسب نہ تھا۔

## موقف صحابۂ رسولؐ

حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے وقت جیسا کہ پہلے ضمناً ذکر ہو چکا ہے حجاز و عراق و دیگر ممالک اسلامیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی وہ بزرگ و مقدس ہستیاں موجود و ضو فشاں تھیں جنھوں نے سالہا سال شمع نبوتؐ سے براہ راست اخذ نور کیا تھا۔ ان میں سے وہ متعدد حضرات بھی تھے جنھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات اور آپ کے بعد جہادوں میں شریک ہو کر باطل قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لا سکتے تھے مگر ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسینؓ کا ساتھ کسی طرح نہیں دیا۔ مؤلف

"امام ابو فارقی سیرۃ الخلفاء" لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| وقد کان فی ذلک العصر کثیر من الصحابہ بالحجاز والشام والبصرۃ والکوفۃ ومصر و کلھم لم یخرج علی یزید ولا خرج ولا مع الحسین (ص۱۲۷) | اس زمانہ میں صحابہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی کثیر تعداد حجاز و شام و بصرہ و کوفہ و مصر میں موجود تھی۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ از یزید کے خلاف کھڑا ہوا اور نہ حضرت حسینؓ کے ساتھ ہو کر۔ |

صحابہ کرامؓ کے اس موقف سے بالبداہت ثابت ہے کہ نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔

**نظام خلافت** نظام خلافت بالکل اسی طرح برپا تھا جس طرح امیر یزیدؒ سے پہلے خلفا کے زمانے میں رہا۔ خلفہ کے عمال میں متعدد صحابہ موجود تھے۔ مہاجرین و انصار اور ان کی اولاد جو تابعین کے زمرہ میں شامل تھی کاروبار مملکت چلا رہے تھے۔ امراء ولایت، امراء عساکر اور قضات میں متعدد صحابہ کرامؓ کے اسما کتب تاریخ و سیر و رجال کے صفحات پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈھائی سو صحابہ کرام کے مختصر حالات و تراجم راقم الحروف نے اپنی دوسری مبسوط کتاب میں شامل کئے ہیں جو امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت نیز ان کے زمانہ ولایت عہد میں حیات تھے ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔

**نظام ملیہ** عرب کی زندگی ہمیشہ سے قبائلی رہی ہے اس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک واحدہ تھا اور اپنے سیاسی معاشرتی اور معاشی امور میں خودکفیل۔ موجودہ زمانہ میں بھی ان کی اجتماعی زندگی کی یہ کیفیت کچھ نہ کچھ موجود ہے۔ راشدین کے عہد سے لیکر اموی دور کے آخر تک یہ اصول کارفرما رہا کہ ہر علاقہ اندرونی حیثیت سے خود مختار ہو۔ نظم و نسق کے امور وہیں کے لوگوں کے ہاتھ میں رہیں۔ دینی عسکری قوت بھی ہر علاقہ خود ہی مہیا کرے۔ حکومت کا نظام اگر مستبدانہ ہوتا یا کوئی ایسی خرابی پیدا ہو گئی ہوتی جو مذہبی امور میں خلل انداز ہوتی تو حکومت کے خلاف فوجی قوت مہیا کر لینا کچھ بھی دشوار نہ تھا۔

**نظام عسکری** (۱) خلافت کی باقاعدہ فوج بہت محدود پیمانہ پر رہتی تھی اور وہ



بھی زیادہ تر سرحدوں پر یا مستقر خلافت میں۔ چھوٹی بڑی ہر مہم میں فوجی خدمت رضاکارانہ تھی۔ اموی خلافت کے آخر تک تقریباً یہی کیفیت رہی۔ خلیفۃ المسلمین کو جب کسی مہم پر فوج بھیجنی ہوتی تو سرکاری نمائندہ اعلان کرتا کہ فلاں مہم پر امیر المومنین فوج بھیجنا چاہتے ہیں جسے شرکت کرنا منظور ہو وہ فلاں وقت فلاں جگہ پہنچ جائے۔

(۲) عالم اسلام کا ہر فرد پوری طرح مسلح تھا اور اکثر و بیشتر تجربہ کار۔

(۳) مرکزی اسلحہ خانہ میں کوئی ہتھیار ایسا نہ تھا جو پرائیویٹ شخص کے پاس نہ ہو یا جس کے ذریعہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو مغلوب کیا جا سکے۔ گویا طاقت کے بل پر صرف وہی خلیفہ کامیاب رہ سکتا تھا جسے امت کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو اور بکثرت لوگ اس کی آواز پر مجتمع ہو سکیں۔ واقعات سے ثابت ہے کہ یہ حمایت امیر یزیدؒ کو حاصل تھی اور ان کے مخالف یہ حمایت کسی طرح حاصل نہ کر سکے۔

**اُمت کی حرارت دینیہ** اُمت مسلمہ میں آج بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر کٹ مرنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا۔ حالانکہ علم و تقویٰ، قوت ایمانیہ اور اخلاق و کردار میں اخلاف سلف صالحینؒ سے ذرہ کی نسبت بھی نہیں۔ بڑی سے بڑی جابر حکومت کو سب سے زیادہ مشکل اگر کوئی کام نظر آتا ہے تو وہ ہے مسلمانوں کو محکومی پر راضی رکھنا۔ انتہائی بے سروسامانی کے باوجود نہایت باجبروت قوت سے ٹکر لینا اور اس کے لئے مسلمانوں کو مجتمع کر لینا مشکل نہیں۔ پھر کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ازواج مطہراتؓ اور کبار صحابہؓ اور اکابر اہل البیتؓ کی موجودگی میں قرن اول کے وہ مسلمان جنھوں نے قیصر و کسریٰ کو ہزیمت دی اور بڑھاپے میں بھی کفر اور باطل قوتوں سے جا ٹکرائے اس وقت دین سے ایسے برگشتہ اور تقاضئے ملیہ سے اتنے بے پرواہ ہو گئے تھے کہ انھوں نے ایک "فاسق اور جابر" شخص کو اپنے اوپر مسلط رہنے دیا۔ اس کے مخالفوں کی حمایت نہیں کی۔ اور باوجود دعوت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ یہ وہ امت تھی جس نے اُس واقعہ سے پہلے بھی سرفروشی میں کبھی کمی نہ کی اور نہ اس کے بعد۔ پھر اس وقت اس امت کو کیا ہو گیا تھا؟ لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اس وقت نظام خلافت نہ مستبدانہ تھا نہ خاندان خلافت یعنی بنی امیہ و بنی ہاشم میں کوئی سیاسی رقابت تھی نہ کردار خلیفہ میں کوئی خرابی۔ نظام خلافت اسی امیر المجاہدین

کے ہاتھ میں لی تھی جس کی سپہ سالاری میں حضرت حسینؓ اور ان کے چچا حضرت ابن عباسؓ مع دیگر صحابہ کرامؓ جہادِ قسطنطنیہ میں شریک تھے اور چند سال ان کی امارت حج میں مناسک حج بھی ادا کئے تھے اور ان کی امامت میں نمازیں پڑھیں تھیں۔

## بنی ہاشم اور اموی خلافت

تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ سنہ ۴۰ھ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے حضرت علیؓ کے مقتول ہو جانے کے بعد سے بنی ہاشم نے اپنے بنو العم (بنی امیہ) کی خلافت کی، بالفاظِ دیگر ان کی سیاسی قیادت کی، خوش دلی کے ساتھ پوری پوری حمایت اور تائید کی۔ کسی قسم کی کوئی سیاسی یا نسلی وخاندانی مخالفت ومغائرت ان دونوں خانوادوں میں جو ایک ہی دادا کی اولاد تھے ہرگز نہ تھے جمل اور صفین کی خانہ جنگیاں تو سب جانتے ہیں کہ سبائی گروہ کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھیں، سبائی لیڈر الاشتر نخعی اور اس کے ساتھی آتش جنگ مشتعل کرنے والوں میں پیش پیش رہے یہی لوگ "المحرضین علی القتال" تھے (ص۲۲۴ ج منہاج السنتہ)

ان لوگوں کی تحریصوں کے برخلاف حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے (حسنؓ) اپنے والدِ ماجد اور چھوٹے بھائی (حسینؓ) کو جدال وقتال کے جھگڑوں میں پڑنے سے روکتے رہے اور صلح ومصالحت کا مشورہ دیتے رہے۔

وكذلك الحسنؓ وانما كان يشير على ابيه واخيه بترك القتال ولما صار الامر اليه ترك القتال واصلح الله بين الطائفين المقتتلين وعلى فى آخر الامر تبين له ان المصلحة فى ترك القتال اعظم منها فى فعله۔
(ص۲۲۴ ج منہاج السنۃ ابن تیمیہؒ)

اور اسی طرح حسنؓ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو جنگ وجدل کے ترک کرنے کا مشورہ دیتے تھے جب حکومت ان کے ہاتھ میں آئی انہوں نے جنگ ترک کر دی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں نبرد آزما گروہوں میں صلح ان کے ذریعہ کرا دی (حضرت) علیؓ پر بھی یہ بات آخر الامر واضح ہو گئی تھی کہ جنگ ترک کر دینے میں مصلحت (مفاد امت کی خاطر) اس سے بڑھکر ہے کہ جدال وقتال جاری رہے۔

حضرت حسنؓ طبعاً جتھہ بندی سے متنفر اور صلح ومصالحت کے حامی تھے لسانِ نبویؐ



سے ان کے اقدامِ صلح کی پیش گوئی کی گئی اور اس میں اقدام کو مستحسن عمل فرمایا گیا۔ جس سے واضح ہے کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک امت کے متحارب گروہوں میں صلح ومصالحت کس درجہ پسندیدہ اور نصوص قرآنیہ کی متابعت میں مستحسن کام تھا۔

وهذا يبين ان الاصلاح بين الطائفين كان ممدوحا يحبه الله ورسوله وان ما فعله الحسن بن ذلك كان من اعظم فضائله ومناقبه التى اثنى بها عليه النبى صلعم ولو كان القتال واجبا ومستحبا لم يثن النبى بترك واجب او مستحب۔
(ص۱۳۲ ج۔ منہاج السنتہ)

اور اس (اظہار پسندیدگی سے) یہ واضح ہوتا ہے کہ (امت محمدیہ کے) دو گروہوں میں صلح ومصالحت اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کس درجہ پسندیدہ اور قابلِ مدح ہے چنانچہ (حضرت) حسنؓ نے اس بارے میں جو عمل کیا وہ ان کے فضائل ومناقب میں بڑا درجہ رکھتا ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستائش کی ہے اور اگر قتال وجدال واجب اور مستحب فعل ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم واجب ومستحب فعل کے ترک کر دینے کی تعریف نہ فرماتے۔

حضرت حسنؓ کی یہ صلح ایک گروہ کو جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ناپسند تھی اور اسی وجہ سے وہ ان کے یہاں مبغوض ہیں۔ علاوہ ازیں اکابرِ بنی ہاشم کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ وعملِ حسنہ کی مثال بھی اس خصوص میں شمعِ ہدایت تھی کہ اسلامی مملکت کے انتظامی وسیاسی امور کی انجام دہی کے لئے آپؐ نے بنی امیہ کے افراد کو زیادہ منتخب ومتعین فرمایا۔ عمالِ نبویؐ میں بھاری اکثریت اموی بزرگوں ہی کی تھی اور یہ اکثریت یقیناً ان حضرات کی فطری صلاحیت اور حسن کارکردگی کے اعتبار سے تھی (حضرت ابوسفیانؓ کو آنحضرت صلعمؐ نے نجران جیسے اہم سرحدی علاقہ کا حکمران مقرر کیا اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت یزیدؓ کو تیماء کا) دیگر اموی حضرات کو دوسرے علاقوں کا۔ لیکن کسی ہاشمی بزرگ کا نام عمالِ نبویؐ کی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ حالانکہ ان میں سے بعض حضرات نے نیز حضرت ابوذر غفاریؓ نے تقرر کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا۔ مگر انتظامی امور کی صلاحیت کی بنا پر منظور نہیں فرمایا گیا صاحب منہاج السنتہ فرماتے ہیں:۔

وکان بنو امیۃ اکثر القبائل عمالاً للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لما فتح مکۃ استعمل علیہا عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیۃ واستعمل خالد بن سعید بن ابی العاص بن امیۃ واخویہ ابان وسعید علی اعمال آخر واستعمل ابا سفیان بن حرب وابنہ یزید وصاھر النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بناتہ الثلاثۃ لبنی امیۃ

(ص ۱۷۵ ج ۲ منہاج السنۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمّال میں دوسرے قبیلوں وخاندانوں کی بہ نسبت بنی امیہ کے افراد اکثر وبیشتر تھے کیونکہ جب مکہ فتح ہوا آپ نے عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید بن ابی العاص بن امیہ کو وہاں کا عامل مقرر کیا اور خالد رضی اللہ عنہ بن سعید بن ابی العاص بن امیہ اور ان کے دونوں بھائیوں ابان رضی اللہ عنہ وسعید رضی اللہ عنہ کو دوسرے علاقوں کا عامل بنایا نیز حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت یزید رحمہ اللہ کو بھی عامل مقرر کیا جب آپ کی وفات ہوئی وہ اس منصب پر فائز تھے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین بیٹیوں کو بھی بنی اُمیہ میں بیاہ دیا۔

ہاشمیوں کے سیاسی مسلک اور اموی خلافت کی تائید وحمایت کی روشن مثال اس امر واقعہ سے ملتی ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد جب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے داعیوں اور ایجنٹوں نے امیر یزید رحمہ اللہ کے خلاف مدینہ میں بغاوت کی آگ کے شعلے کچھ ایسی تندی سے بھڑکائے کہ امیر المومنین کے قبیلہ بنی اُمیہ کے افراد کو بھی جلا وطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس پرآشوب زمانہ میں ہاشمی خاندان نے یعنی عباسیوں جعفریوں، عقیلیوں علویوں نے بشمول اولادِ حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ نہ صرف اس بغاوت سے قطعی علیحدگی اختیار کی بلکہ امیر یزید رحمہ اللہ کی بیعت پر مستقیم رہے اور جو اتہامات امیر موصوف پر شراب نوشی اور ترک صلوٰۃ کے لگائے گئے اس کی تردید وتکذیب کی بلکہ بعض افراد بنو امیہ کے اہل وعیال کی حفاظت بھی کی۔ خاص کر حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) نے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کی کیفیت لکھتے ہوئے کہ حضرت موصوف نے اپنے اہل خاندان کو خلیفہ یزید رحمہ اللہ کی بیعت پر قائم رہنے اور بغاوت سے علیحدگی اختیار کرنے کی تاکید کی تھی۔ خاندانِ نبوت (بنی ہاشم) کے اکابر کے موقف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔



وکذلک لم یخلع یزید احد من بنی عبد المطلب وقد سئل محمد بن الحنفیۃ فی ذلک فامتنع من ذلک اشد الامتناع وناظرھم وجادلھم فی یزید ورد علیھم ما اتھموہ من شرب الخمر ترکہ بعض الصلوٰۃ

(ص ۲۱۸ ج ۸ البدایہ والنہایۃ)

اور اسی طرح بنو عبد المطلب (یعنی اولادِ عباس رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ وغیرہم) کے کسی ایک فرد نے بھی (امیر) یزید رحمہ اللہ کی بیعت نہیں توڑی اور جب محمد بن علی رضی اللہ عنہ (الحنیفہ) سے اس بارے میں کہا گیا (یعنی فسخ بیعت کو) تو انھوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور ان لوگوں سے بحث ومباحثہ کیا اور (امیر) یزید رحمہ اللہ کی موافقت میں ان سے لڑے اور جو اتہامات شراب نوشی اور بعض نمازوں کے ترک کے یہ لوگ لگاتے تھے اُن کی تردید وتکذیب کی۔[1]

غرضیکہ خاندانِ نبوت کے یہ سب افراد خلیفۂ وقت کی بیعت پر مستقیم رہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور ولی الدم امیر المومنین کی حمایت میں سب ہاشمیوں کے ساتھ تھے باوجود طرح طرح کی سختیوں اور تحلیف کے کسی ہاشمی نے امیر یزید رحمہ اللہ کی بیعت کی مخالفت میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی بلکہ متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج وبغاوت کو ایسا غلط اقدام سمجھا گیا تھا کہ امیر موصوف کی وفات کے بعد جب ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا عارضی تسلط حجاز پر ہو گیا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مع اپنے بھتیجے حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ (الحنیفہ) مکہ سے طائف چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب ان کا آخری وقت آ پہونچا تو اپنے صاحبزادے حضرت علی السجاد بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ میری تدفین کے بعد ہی تم لوگ حجاز سے ترک سکونت کر کے اپنے بنوالعم (بنی اُمیہ) کے پاس ملک شام چلے جانا۔ چنانچہ یہ حضرات قصبہ حمیمہ چلے گئے جو ملک شام وحجاز کا سرحدی مقام ہے۔ اسی طرح حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ الحنیفہ بھی حجاز کی سکونت ترک کر کے سرحد شام کے مقام ایلہ چلے گئے۔ امیر المومنین عبدالملک اموی کے تسلط کے زمانہ میں واپس آئے۔ ان واقعات کی تصریحات فتح الباری شرح صحیح البخاری (ج ۸ ص ۲۶۲ تا ۲۶۳) میں ملاحظہ ہوں۔ غرضیکہ خاندانِ نبوت (بنی ہاشم) اور خاندان

---

[1] برادر حسین رضی اللہ عنہ حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ذاتی واقفیت اور چشم دید واقعات کی بنا پر بدگویوں کے اتہامات کی تردید کی جس سے (ابومخنف جیسے کذاب راوی کی تکذیب ہوتی ہے۔

خلافت (بنی امیہ) میں بعد صلح حسنؓ و معاویہؓ کوئی سیاسی مخالفت یا کش مکش مطلق نہ تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بھی فتح الباری (ج ۶ ص۲۶۵) محدّث التیمیؒ کی تصریح کے ساتھ موجود ہے کہ بنی اُمیّہ نسباً بھی بنی ہاشم سے بہ نسبت بنی اسد (زبیریوں) کے اقرب ہیں ان کی اطاعت اس لئے بھی ان کو محبوب و مرغوب تھی۔ حضرت حسینؓ کا امیر یزیدؒ سے بیعت نہ کرنا اور کوفی سبائیوں کی دعوت پر خروج کا اقدام حضرت موصوف کا ذاتی اجتہاد اور انفرادی فعل تھا۔ یہ بھی واقعات سے ثابت ہے کہ ان دونوں حقیقی بھائیوں (حسنؓ و حسینؓ) کی مزاجی کیفیت یکساں نہ تھی دونوں کے نقطۂ نظر میں نمایاں فرق تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر چھ سات برس کی تھی۔ان کے بارے میں آپ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ صلح و مصالحت کرا دیں گے اس حدیث کے الفاظ لعل اللّٰہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین کی صحت میں اگر شک و شبہ بھی کیا جائے تو حقائق تاریخ سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسنؓ ہمیشہ جتھہ بندی سے علیحدہ رہے اور صلح و مصالحت کے کوشاں۔ برخلاف اس کے ان کے چھوٹے بھائی کے بچپن کا بھی ایک واقعہ خود ان ہی کی زبانی۔ اصحاب سیر و تاریخ نے بیان کیا ہے۔ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانۂ خلافت میں جب مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ دینے کھڑے ہوئے ہیں میں نے ان سے کہا آپ میرے نانا جان کے منبر سے اتر جائیے اور اپنے باپ کے منبر پر چلے جائیے۔ اصحاب تاریخ و سیر نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:-

| | |
|---|---|
| نقلت لہ انزل عن منبر | میں نے ان سے (یعنی حضرت عمر فاروقؓ سے) |

ؔ۱ کتاب المعارف ابن قتیبہ (ص۶۹) میں یہ روایت بھی ہے کہ حسنؓ کی ولادت ۶ھ میں بعد غزوۂ خیبر ہوئی نیز حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کی شادی کا بعد غزوہ احد ہونا بھی بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ و حسین علی الترتیب ۴۔ اور ۳ برس کے ہوتے ہیں۔ غزوہ خیبر کے "بعد" کا لفظ شاید کتابت کی غلطی ہے۔



| | |
|---|---|
| ابی واذھب الی منبر ابیک | کہا کہ میرے نانا کے منبر سے اتر آؤ اور اپنے |
| فقال ان ابی لم یکن لہ منبر | والد کے منبر پر چلے جاؤ (یہ سنکر) انھوں نے |
| فاقعد نی معہ فلما نزل | فرمایا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر ہے نہیں |
| ذھب بی الی منزلہ فقال | پھر انھوں نے مجھ کو اپنے ہی پاس بٹھالیا۔ |
| ای بنیّ من علمک ھٰذا؟ | اور خطبہ تمام کرنے کے بعد) جب منبر سے |
| قلت ما علمنیہ احدٌ۔ | اتر آئے اور اپنے گھر جانے لگے مجھے بھی |
| (تاریخ الاسلام علامہ ذہبی ج۲ ص۹ | ساتھ لیتے گئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ |
| والاصابہ فی تمیز الصحابہ علامہ ابن حجر ج ۱ | اے بیٹے! یہ تو بتلاؤ کہ یہ بات تمہیں کس |
| ص۳۳۲) | نے سکھلائی تھی؟ میں نے عرض کیا کسی نے |
| | بھی نہیں سکھائی۔ |

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے امیر المومنین موصوف کے پاس آکر یقین دلایا تھا کہ یہ بات اسے کسی نے نہیں سکھائی بلکہ خود اپنے ہی دل سے کہی ہے۔

یہ واقعہ بچپن کے زمانہ کا ہے اور بچپن کی باتیں قابل لحاظ نہیں سمجھی جاتیں۔ لیکن اسی کے ساتھ نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے حضرت معاویہؓ کے آخر عہد خلافت کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے جس کو ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی ۵۴ھ کے وقائع کے سلسلے میں یعنی حضرت حسنؓ کی وفات کے چھ سال بعد کے حالات میں بیان کیا ہے۔ (ص۸۲ ج ۱ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران) یعنی ابن ابی الحدید نے حضرت علیؓ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے کہ آلۃ الریاسۃ سعۃ الصدر یعنی سرداری و حکمرانی کا آلہ کار قلب کی وسعت ہوتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کی مثال دی ہے اور لکھا ہے کہ وکان معاویۃ واسع الصدر، کثیر الاحتمال وبذالک بلغ ما بلغ یعنی معاویہؓ بہت فراخ دل (وسیع القلب) اور نہایت درجہ بُردبار تھے اور ان ہی صفات کی بدولت وہ اس درجہ پر پہنچے جو ان کو حاصل تھا پھر بعض واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:-

| | |
|---|---|
| کان مال حمل من الیمن الیٰ | صوبہ یمن سے (کچھ) مال عامل یمن نے خلیفہ کو بھیجا |
| معاویۃ فلما مر بالمدینۃ | تھا، معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا۔ جب |

وثب علیه الحسین بن علیؓ فاخذه قسمه فی اهل بیته و موالیه و کتب الی معاویة۔
(شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ ایران)

(قافلہ مدینہ سے گزرا حسین بن علیؓ نے اس پر قبضہ کر لیا اور اپنے عزیزوں اور موالی میں تقسیم کر دیا۔ اور معاویہؓ کو خط کے ذریعہ اطلاع کر دی۔

حضرت حسینؓ اور حضرت معاویہؓ کے ان مکتوبات کو شیعہ مورخین و مولفین نے بتمام و کمال نقل بھی کر دیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے جواباً جو تحریر بھیجی ہے اس میں حضرت حسینؓ کو لکھا تھا:۔

لان الوالی احق بالمال ثم علیه المخرج منه وایم الله لو ترکت ذلك حتی صار الی لم ابخسك حظك منه ولکنی قد ظننت یا ابن اخی ان فی راسك نزوة وبودی ان یکون ذلك فی زمانی فاعرف لك قدرك واتجاوز عن ذلك ولکنی والله اتخوف ان تبتلی بمن لا ینظرك فواق ناقة۔
(ج ص ۹۸۲ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید و ناسخ التواریخ ج ص ۸۲ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

کیونکہ والی کو اس کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے کہ مال (خراج و زکوٰۃ وغیرہ) کا وصول کرے اور پھر اس کو اپنے اختیارات سے خرچ کرے۔ اگر تم اس کو نہ لیتے اور میرے پاس آنے دیتے تو جو کچھ اس میں تمہارا حصہ نکلتا اس کی ادائیگی میں ہرگز دریغ نہ ہوتا لیکن اے میرے بھتیجے! میں یہ گمان کرتا ہوں کہ تمہارے دماغ میں حدت و جوش بھرا ہے۔ میرے زمانے میں تو خیر ایسا عمل تم کر بھی گذرو کہ میں تمہاری قدر کرتا ہوں اور تمہاری ان باتوں سے درگذر کر سکتا ہوں لیکن واللہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد تمہارا معاملہ کسی ایسے سے نہ پڑ جائے جو تمہارا مطلق پاس و لحاظ نہ کرے۔

قطع نظر اس کے کہ ان شیعہ مورخین نے یہ مکاتیب صحیح صحیح نقل کئے ہیں یا حسب عادت کچھ کمی بیشی کر دی ہے نفس واقعہ کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں اسی قسم کے ایک اور واقعہ کے سلسلے میں جو قدیم ترین مورخ "مولف اخبار الطوال" نیز شیعہ مورخین طبری ناسخ التواریخ نے غالی راوی ابو مخنف کی روایت سے بیان کیا ہے جس کا ذکر



اپنے محل پر آگے آتا ہے۔ مؤلف ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:۔

حسین علیہ السلام کہ رتق و فتق امور مسلمانان ازجانب خدائے خاص او بود آں اعمال (مال قافلہ) را ماخوذ داشت
(ص ۲۰۰ ج ۲ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے معاملات کا انتظام و انصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص ان کے سپرد تھا (قافلہ کے مال کو) ماخوذ کر لیا تھا۔

شیعہ مورخین کے بیان کردہ اس واقعہ کے ذکر کرنے سے جو حادثہ کربلا کے قدیم ترین راوی ابو مخنف کی سند سے بیان ہوا ہے راقم الحروف کا مقصد حضرت حسینؓ کے اس اجتہاد و نظریہ پر کسی تنقید و محاکمہ کرنے کا نہیں کہ خلیفہ و حکمران وقت سے معاملہ رجوع کرنے یا اس کی اجازت حاصل ہو جانے سے قبل کسی فرد امت کو خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ اور امتیازی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو پبلک مال کے تقسیم کرنے کا جواز ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بلکہ مقصود اصلی اس واقعہ کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اموی خلافت کی جانب سے بنی ہاشم خاص کر حضرت حسینؓ کے ساتھ کس درجہ مراعات کا سلوک ہوتا رہا کیسی کچھ ملاطفت و درگذر کا برتاؤ باوجود ایسے اقدام کے ان کے ساتھ کیا جاتا رہا۔ ناسخ التواریخ کے غالی مولف نے لکھا ہے کہ جب گورنر مدینہ نے یہ رپورٹ ارسال کی کہ عراق کے لوگ (بعد وفات حضرت حسنؓ) حضرت حسینؓ کے پاس زیادہ آجا رہے ہیں اور کسی فتنے کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو حضرت معاویہؓ نے جواباً لکھ بھیجا کہ حسینؓ سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کی یہ درگذر طبیعت ثانیہ تھی۔ وہ طبعاً حد درجہ حلیم و کریم تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کو "سید کریم" فرمایا کرتے تھے۔

من المعلوم من سیرة معاویة انه کان من احلم الناس واصبرهم علی من یؤذیه واعظم الناس تالیفا لمن یعادیه۔
(ج ۲ ص ۲۱۹ منہاج السنۃ)

(حضرت) معاویہؓ کی سیرت کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حد درجہ حلیم تھے اور جو کوئی ان کو ایذا دیتا تھا وہ سب لوگوں سے زیادہ برداشت کرنے والے تھے اور جو کوئی ان کی مخالفت اور دشمنی کرتا وہ سب لوگوں سے زیادہ اس کی تالیف قلب کرتے۔

غیروں کے ساتھ جب یہ سلوک و برتاؤ تھا تو حضرت حسینؓ سے تو ان کی قرابت قریبہ تھی۔ امّ المومنین حضرت امِ حبیبہؓ کے رشتہ سے وہ حضرت فاطمہؓ کے ماموں اور حضرت حسین کے نانا ہوتے تھے۔ وہ ان کو بہت عزیز رکھتے۔ حسنِ سلوک سے پیش آتے جس کا ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا۔ غالی مورخین کے یہ بیانات کہ بنی ہاشم و بنی امیہ میں پشتینی مخالفت تھی اور اموی خلافت کے ایام میں بنی ہاشم سے ظالمانہ برتاؤ ہوتا رہا، قطعاً بے بنیاد اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ البتہ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت حسنؓ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بھائی خلافت کے بارے میں حضرت معاویہؓ سے صلح مصالحت کر لیں۔ لیکن جب بڑے بھائی نے سختی سے کہا تو ان کے اتباع میں خود بھی بیعت کی اور اس پر مستقیم رہے۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

فلمّا آلت الخلافة الی اخیه وارادان یصالح شق ذالك علیه ولم یسدد رأی اخیه فی ذالك بل حثه علی قتال اهل الشام فقال اخوه! واللّٰه لقد هممت ان اسجنك فی بیت واطبق علیك بابه حتی افرغ من هذا الشان ثم اخرجك فلما رأی الحسین ذالك سکت وسلم۔

(ص۱۵۰ ج ۵)

(البدایه والنهایة)

جب خلافت ان کے بھائی (حسنؓ) کو ملی انھوں نے مصالحت کرنے کا ارادہ کیا تو یہ بات (حسینؓ) کو شاق گذری اور اس بارے میں اپنے بھائی کی رائے کو درست نہ جانا بلکہ اہلِ شام (حضرت معاویہؓ وغیرہ) سے لڑائی کرنے پر زور دیا تو ان کے بھائی نے کہا کہ خدا کی قسم تم کو میں گھر میں بھی قید کر دوں گا اور اس کا دروازہ تم پر بند کر دوں گا یہاں تک کہ میں اس کام سے (یعنی صلح مصالحت سے) فراغت پا جاؤں اس کے بعد تمہیں نکلنے دوں گا۔ جب حسین نے یہ حالت دیکھی خاموش رہے اور ان کی پیروی کی۔

لیکن حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے کے بعد وہ دیگر بنی ہاشم کی طرح اموی خلافت کے نہ صرف مؤید تھے بلکہ اموی سپہ سالار کی قیادت میں مجاہدانہ سرگرمیوں میں شامل رہے۔ جہادِ قسطنطنیہ کی شرکت کا تذکرہ ابتدائی اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ امیر یزیدؒ کے خلاف حضرت موصوف کا اقدام اموی خلافت یا بنی امیہ کی دیرینہ مخالفت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ کوفی سبائی گروہ کی تحریص و ترغیب اور ان کی دراندازیوں کی بنا پر تھا



## کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانیاں

مورخین نے ابو مخنف قدیم راوی کی سند سے تفصیلاً لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب امیر یزیدؒ کی بیعت سے گریز کر کے (فرارًا من بیعة یزید ص۱۵۰ البدایہ) حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ تشریف لے آئے اور کوفی سبائیوں کو یہ حال معلوم ہوا تو ان کی تحریرات اور وفود آنے لگے۔

وقد کثر ورود الکتب علیه من بلاد العراق یدعونه الیهم وجعلوا یستحثونه ویستقدمونه علیهم لیبایعوه عوضًا عن یزید بن معاویة ویذکرون فی کتبهم انهم فرحوا بموت معاویة۔

(ج ۸ ص۱۵۱ البدایه والنهایه)

ان کے (حسینؓ) کے پاس عراق کے علاقے سے کثرت سے خطوط آ گئے جن میں ان کو اپنے پاس چلے آنے کی دعوت دی گئی تھی اور ان تحریرات میں ان کو تحریص دلائی گئی تھی کہ یزید بن معاویہؓ کے بجائے وہ ان سے بیعت کر لیں گے۔ اور ان خطوط میں معاویہؓ کی موت پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان خطوط کا شمار سینکڑوں سے متجاوز تھا بعض خطوط کے مضامین کو نقل بھی کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک خط کا مضمون جس کو علامہ ابن کثیرؒ کی تاریخ کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی درج کیا ہے یہ تھا:۔

اما بعد۔ فقد اخضرت الجنان واینعت الثمار ولطمت الجمام فاذا شئت فاقدم علی جندلك مجندة والسلام علیك۔

(ج ۸ ص۱۵۱ البدایه والنهایة، درج ص۱۷۴ ناسخ التواریخ)

اما بعد۔ باغ و بوستان سرسبز ہو گئے ہیں میوہ و پھل تیار ہیں۔ زمین میں سبزہ اگ آیا ہے۔ اب موقع ہے کہ آپ اس فوج و لشکر کی جانب تشریف لے آئیں جو آپ کی ہر خدمت کے لئے موجود و مستعد ہے

اسی مؤرخ کے بیان کے مطابق ڈیڑھ سو افراد جو کوفہ کے ممتاز لوگ تھے سفر کر کے حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ہر شخص کے پاس دو دو تین تین مکاتیب و خطوط کوفیوں کے تھے جن میں حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی اور بیعت خلافت

لینے کی دعوت دی گئی تھی۔

(صفحہ ۲ج تاریخ التواریخ)

## اقدام خروج میں غلطی

مروانہ خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔

زمانہ حال کے مؤرخ محمد الخضری حادثۂ کربلا کے بارے میں اظہار تاسف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اما الحسین فانہ خالف علی یزید وقد بایعہ الناس ولم یظھر منہ ذالک الجور ولا العسف عند اظھارہ ھذا الخلاف
(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ صفحہ ۲۳۶)

لیکن حضرت حسینؓ نے یزید کے خلاف قدم اٹھایا حالانکہ تمام لوگ ان کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے اور ان سے اس مخالفت کے وقت کسی ایسے ظلم و جور کا اظہار نہیں ہوا تھا جو خروج کو جائز کر دیتا۔

اسی مؤرخ نے اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

فان الحسین اخطأ خطأً عظیما فی خروجہ ھذا الذی جر علی الامۃ وبال الفرقۃ والاختلاف وزعزع عماد الفتھا الی یومنا ھذا (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ۲۳۶)

اور حضرت حسینؓ نے اپنے خروج میں بڑی خطا و غلطی کی جس سے امت میں اختلاف و افتراق کا وبال پڑا۔ اور آج کے دن تک محبت و الفت کے ستون کو جھکا گیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ حسینؓ کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلتے اور لوگوں کی طرح بیعت میں داخل ہو جاتے فان الجماعۃ خیر کیونکہ جماعت کے ساتھ رہنا بہتر تھا (صفحہ ۲۳ ج البدایہ والنہایہ)

## بزرگوں سے ردّ و قدح

۴۸ھ میں حضرت حسنؓ نے وفات پائی آپ تپ دق کے مہلک مرض میں فوت ہوئے تھے نہ کہ زہر خورانی سے جو محض غلط مشہور ہو گیا ہے۔ اس وقت حضرت حسنؓ کے قریب قریب

ل مرض الحسن اربعین یوما (تاریخ الخمیس ج ۲ صفحہ ۳۲۰) یعنی حسنؓ چالیس دن بیمار رہے۔ زہر کھا کر کوئی اتنی مدت زندہ نہیں رہ سکتا۔



بزرگوں میں دو نامور حضرات زندہ تھے یعنی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن جعفر طیارؓ۔ اوّل الذکر حضرت علیؓ کے رشتہ سے حضرت حسینؓ کے چچا ہوتے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے رشتہ سے ان کے نانا۔ بیعت یزیدؒ کے زمانے میں یہی بزرگ خاندان تھے اور قبیلہ بنی ہاشم کے سردار۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آ کر اپنے ان ہی چچا اور بزرگ خاندان کے پاس مقیم ہوئے تھے۔ امیر یزیدؒ نے بھی معاملہ ان ہی سے رجوع کیا تھا اور قاصد کے ذریعہ مراسلہ بھیج کر ان سے استدعا کی تھی کہ حسینؓ کو غلط اقدام سے منع کریں اور روکیں۔

دوسرے بزرگ حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؓ نسبی رشتہ سے حضرت حسینؓ کے تایا زاد بڑے بھائی اور سیدہ زینبؓ کے شوہر ہونے سے بہنوئی بھی تھے۔ یہ دونوں بزرگ سن و سال میں حضرت حسینؓ سے نو دس برس بڑے تھے اور دونوں کو بدو شعور سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قربت خاص میں تعلیمات اسلامی و تزکیۂ روحانی سے بہرہ مند ہونے کی سعادت اور منزلت صحابیت حاصل تھی۔ خصوصاً حضرت ابن عباسؓ کو کہ بچپن سے وہ اپنی حقیقی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ صلوات اللہ علیہا کے پاس رہتے۔ راتوں کو اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد ادا کرتے۔ وضو کے لئے پانی لا کر رکھتے۔ خدمتیں کرتے اور ازدیاد علم کی دعائیں لیتے اسی کی برکت تھی کہ حبر امت (امت کے بڑے عالم) بنے، ترجمان القرآن کہلائے اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ "فکان ابن عباسؓ من کبار اھل البیت واعلمھم بتفاسیر القرآن"

(صفحہ ۲ ج منہاج السنۃ)

یعنی ابن عباسؓ اہل بیت نبوی صلعم کے اکابرین سے تھے اور ان سب میں تفاسیر قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ایسے ذی مرتبت و اعلم و اعقل اہل زمانہ بزرگ نے جو متفق علیہ خلیفۂ وقت کی بیعت میں خود بھی بطیب خاطر داخل تھے اور دوسروں کو بھی جماعت سے وابستگی کی اور تفرقہ سے محترز رہنے کی ہدایت فرماتے اولی الامر کی اطاعت اور اس کے خلاف خروج کے جواز و عدم جواز کے بارے میں احکام شریعت حضرت حسینؓ کو یقیناً اسی طرح بتاتے ہوں اور سمجھاتے جس طرح دوسروں کو بتاتے

اور سمجھاتے تھے کیونکہ یہ چھوٹے نواسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پانچ ساڑھے پانچ برس[1] کے اتنے صغیرالسن اور کم عمر تھے کہ ان کو اپنے مقدس اور بادی برحق نانا کے نہ حالات و معمولات کی کوئی بات یاد تھی نہ زبانِ مبارک سے سنا ہوا اسلامی سیاست کے بارے میں آپ کا کوئی ارشاد۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے جو گفتگوئیں ان سے کیں جماعت سے وابستگی اور تفرقہ سے اجتناب پر جو نصیحتیں فرمائیں ان کے بعض فقرات غالی راویوں کی روایتوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو اکثر و بیشتر مسخ صورت میں پیش کی گئی ہیں۔ بلکہ صریح غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ خاص کر ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایتوں میں جو مسلکاً غالی اور ضعیف الحدیث تھا (ص [illegible] ج البدایہ والنہایہ) اور یہی تنہا اس قسم کی روایتوں کا راوی ہے اور بقول علامہ ابنِ کثیرؒ عندہ من ھذہ الاشیاء ما لیس عند غیرہ (ص [illegible] ج البدایہ والنہایہ) یعنی اسی کے پاس اس قماش کی روایتیں ہیں اس کے سوائے کسی اور کے پاس نہیں ہیں۔ طبری نے اس قسم کی روایتوں ہی کو نہیں بلکہ اس غالی راوی اور مؤلف کے تمام تر مواد کو اپنی کتاب میں یکجا کر دیا اور اس طرح ان وضعی روایتوں کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا لیکن ذرا غور کیا جائے تو ان وضعی روایتوں کی ملمع کاری کی قلعی پوری طرح کھل جاتی ہے۔ یہ موقع تفصیلی بحث کا نہیں۔ مثال کے طور پر ابو مخنف کی اس غلط روایت کو لیجئے معلوم ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ میں اپنے چچا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہی مقام اور ایک ہی گھر "دار العباس رضی اللہ عنہ" میں مقیم ہیں۔ مگر ابو مخنف لکھتا ہے۔

"عبد اللہ بن عباس نے حسین کی روانگی کا ذکر (لوگوں کی زبانی) سنا تو ان کے پاس آئے اور کہا۔ اے ابنِ عم! لوگوں میں یہ کیا چرچا ہو رہا ہے کہ تم عراق کی طرف روانہ ہونے کو ہو، ذرا مجھ سے تو بیان کرو تم کیا کرنے کا قصد کر رہے ہو" خبرنی ما ترید ان تصنع (ص [illegible] ج طبری)

پھر ان ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو امیر یزید سے بیعتِ خلافت کر چکے ہیں اور

---

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی غزوہ احد کے بعد اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ۳ھ میں ہونے کی روایت کے اعتبار سے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت چار پانچ سال کی ہوتی ہے۔



دوسروں کو بیعت کی ہدایت فرماتے ہیں۔ یہ کلمات منسوب کئے ہیں جو بقول ابو مخنف انھوں نے دوسری ملاقات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہے تھے:۔

"اگر تم کو اہلِ عراق بلاتے ہیں تو انھیں لکھ بھیجو کہ اپنے دشمن سے پیچھا چھڑالیں (فلینفوا عدوھم) اس کے بعد ان کے پاس جاؤ" (ص [illegible] ج طبری)

گویا اس غالی راوی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ انھوں نے اہلِ عراق کو اس اولوالامر خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت پر ابھارنے کا مشورہ دیا تھا جس کی بیعت میں وہ خود بھی داخل تھے اور حسبِ احکامِ شریعت اسکی طاعت اپنے اوپر لازم جانتے تھے۔

اس وضعی روایت کے مندرجہ بالا الفاظ کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے حبر الامۃ (امت کے سب سے بڑے عالم) کی زبان سے متفق علیہ خلیفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا سارا منصوبہ و پلان بھی بیان کروا دیا ہے۔ یعنی انھوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی حکومت و خلافت قائم کرنے کے لئے یہ مشورہ دیا۔

"اگر تم کو یہاں سے نکل جانا ہی منظور ہے تو یمن کی طرف چلے جاؤ وہاں قلعے ہیں، گھاٹیاں ہیں، وہ ایک عریض و طویل ملک ہے۔ تمہارے والد کے طرفدار (شیعہ) وہاں موجود ہیں۔ تم سب لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لوگوں سے خط و کتابت کرو۔ اپنے داعیوں اور قاصدوں کو بھیجو۔ اس طریقہ سے مجھے امید ہے کہ جو بات تم کو محبوب ہے اور تم چاہتے ہو (یعنی حکومت و خلافت) وہ تمہیں امن و عافیت کے ساتھ حاصل ہو جائے گی" (ص [illegible] ج طبری)

اس صریح کذب بیانی کی پوری تکذیب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل بیت کے موقف و طرزِ عمل سے ہو جاتی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ خاندانِ بنی ہاشم کے تمام افراد خصوصاً حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ امیر یزیدؒ کی بیعتِ خلافت پر اس درجہ استقامت سے قائم رہے کہ سانحۂ کربلا کے بعد بھی باغیانِ مدینہ کی طرح طرح کی کوششوں کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی بیعت فسخ نہیں کی۔ امیر یزیدؒ کی وفات کے بعد جب ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کے لئے زور دیا۔ دباؤ ڈالا دھمکیاں دیں ہاشمی خاندان

نے اپنے ابن العم (بنوامیہ) کی سیاسی قیادت اور خلافت کی مخالفت کو مفادِ امت واتحادِ ملت اور اسلامی سیاست کے حق میں مضر سمجھا۔ اور کوئی قدم ان کے خلاف نہ اٹھایا۔

حضرت حسینؓ کے غلط اقدام کو صحیح ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کی غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف تو یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت حسینؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

"نصرت تو بر ذمت این امت
چناں فرض است کہ نماز و زکوٰۃ ۔۔۔
سوگند بخدای اگر در راہ تو شمشیر زنم تا
ہر دو دست من قطع شود ہنوز از حق
تو آنچہ بر ذمت من ست ادا نہ کردہ باشم"
(ص۱۱ ج۲ از کتاب دوم ناسخ التواریخ
مطبوعہ ایران)

اس امت پر تمہاری مدد کرنا اسی طرح فرض ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ ۔۔۔ قسم بخدا اگر تمہاری راہ میں تیغ زنی کروں یہاں تک کہ میرے دونوں ہاتھ کٹ جائیں تب بھی میں اس حق کو پورا ادا نہ کرسکوں گا جو تمہارا میرے ذمہ ہے۔

اس گروہ کے دوسرے راویوں کی غلط بیانیوں کی بھی یہی کیفیت ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک موقع پر لکھا ہے:

ان العلماء کلھم متفقون ان الکذب فی الرافضۃ اظھر منہ فی سائر طوائف اھل القبلۃ۔
(ص۱۵ منہاج السنۃ)

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ روافض میں کذب بیانی اہل قبلہ کے تمام گروہوں سے زیادہ اظہر و نمایاں ہے۔

مگر حق بات ہمیشہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ ان ہی راویوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ خروج کی کارروائی کے مخالف تھے ان کا بس چلتا تو حسینؓ کو بجبر روک لیتے۔ خود ابو مخنف کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے بھتیجے سے فرمایا:

واللہ الذی لا الٰہ الا ھو لو اعلم انک اذا اخذت بشعرک وناصیتک حتی یجتمع علی وعلیک الناس اطعتنی

قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی کہ اگر میں سمجھتا کہ تمہارے بال اور گردن پکڑ کر روک لوں یعنی دست و گریباں ہو جاؤں یہاں تک کہ



لفعلت ذالک۔
(ص۲۱۷ ج۶ طبری)

لوگ میرا تمہارا تماشہ دیکھنے کو جمع ہو جائیں اور تم میرا کہنا مان لوگے تو میں ایسا ہی کر گزرتا۔

طبری کے علاوہ دوسرے مؤرخین نے بھی اسی قسم کے کلمات کو بتغیر الفاظ نقل کیا ہے مثلاً علامہ ابن کثیرؒ، نشبت یدی فی راسک لکھتے ہیں جس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ زبردستی روک لوں غرضیکہ چچا بھتیجے میں بحث مباحثہ اور رد و قدح اسی بنا پر تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس خروج کے اصولاً مخالف تھے۔ اسی رد و قدح میں کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ بہت بوڑھے ہو گئے، "گویا سٹھیا گئے ہیں" انک شیخ قد کبرت (ص۱۶۰ ج۸ البدایہ والنہایہ) مگر مفادِ امت کے علاوہ بھتیجے کی محبت، ان کی اور ان کے اہل و عیال کی سلامتی کا خیال مضطرب کیے ہوئے تھا۔ مجبوراً کہا اور عاقلانہ مشورہ دیا۔

فان کنت سائرا فلا تسر بنسائک وصبیتک فواللہ انی لخائف ان تقتل کما قتل عثمانؓ ونساؤہ وولدہ ینظرون الیہ۔
(ص۲۱۷ ج۶ طبری ص۱۶۰ ج۸ البدایہ والنہایہ۔ ص۱۱۱ مقاتل الطالبین)

پس اگر تم (میری بات نہیں مانتے اور) جاتے ہی ہو تو اتنی بات تو مان لو کہ اپنی خواتین اور اولاد کو ساتھ مت لے جاؤ۔ بخدا مجھے خوف ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح قتل نہ ہو جاؤ جس طرح عثمانؓ کہ ان کے بیوی بچے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

لیکن افسوس حضرت حسینؓ نے اپنے چچا کی یہ بات بھی نہ مانی حالانکہ ان ہی راویوں نے بیان کیا ہے کہ وہ ان کو اپنا ناصح مشفق جانتے تھے اور کہتے تھے۔ انی واللہ لاعلم انک ناصح مشفق (ص۲۱۷ ج۶ طبری) ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے تو حضرت حسینؓ کے یہ کلمات نقل کیے ہیں:

تو پسر عم پدر منی و ہموارہ پدر مرا برای امر زرین و اندیشہ متین درکارہا مشفق بودہ و ناصحی مشفق گشتہ
(ص۱۱ ج۲ از کتاب دوم)

آپ میرے والد کے چچیرے بھائی ہیں اور میرے والد ہمیشہ آپ کی وقیع رائے اور عمدہ خیال سے تمام کاموں میں متفق رہتے اور آپ ان کے ناصح مشفق تھے۔

ان ہی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا وہ عاقلانہ مشورہ ان کو اس وقت یاد آیا جب کربلا میں خواتین کے گریہ کی آوازیں آئیں۔

قال الحسین لابعد اللہ ابن عباس فظننا انہ انما قال لھا حین سمع بکاء النساء لانہ قد کان نھاہ ان یخرج بھن (ص۲۲۸ ج۶ طبری۔ ص۱۷۲ ج۸ البدایہ والنہایہ)

(حسینؓ) نے کہا۔ خدا کی قسم ابن عباسؓ نے کیا صحیح بات کہی تھی، یہ الفاظ (حسینؓ) نے اس وقت کہے تھے جب اہل حرم کی گریہ وبکا سنی۔ کیونکہ ابن عباسؓ نے ان کو منع کیا تھا کہ بیبیوں کو ساتھ لے کر نہ جائیں۔

دوسرے بزرگ حضرت حسینؓ کے حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ تھے جو اس خروج کے شدید مخالف تھے۔ یہ مخالفت محض اس بنا پر نہ تھی کہ امیرالمؤمنین یزیدؒ ان کے داماد تھے بلکہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی زوجہ سیدہ زینبؓ اپنے بھائی کی طرفدار تھیں اور ان کی اولاد سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ وہ ان کا ساتھ چھوڑنا نہ چاہتی تھیں۔ اِن دونوں میاں بیوی میں اس سبب سے ایسی ناچاقی پیدا ہوئی کہ نوبت علیحدگی تک پہونچ گئی۔ سیدہ زینبؓ سے علیحدگی کے بعد عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی سالی سیدہ ام کلثومؓ سے جو اس وقت بیوہ تھیں نکاح کرلیا۔ علامہ ابن حزمؒ اس نکاح کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"ام کلثوم بنت علیؓ بن ابی طالب و بنت بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی (حضرت) عمر فاروقؓ کے عقد میں تھیں۔ ان سے زید اور رقیہ دو اولادیں ہوئیں۔ ان کے انتقال کے بعد عون بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں وہ وفات پا گئے تو محمد بن جعفرؓ سے عقد ہوا۔ ان کے فوت ہوجانے پر عبداللہ بن جعفرؓ نے نکاح کیا۔"

ثم خلف علیھا بعدہ عبد اللہ بن جعفر ابن ابی طالب بعد طلاقہ لاختھا زینب۔

"ان کے بعد عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی زوجیت میں ان کی بہن زینب کو طلاق دے دینے کے بعد آئیں۔"

(جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۳۸)

سیدہ زینبؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے دو اولادیں تھیں ایک فرزند علیؓ جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے داماد تھے اور دوسری ایک صاحبزادی اُم کلثومؒ تھیں جن کو حضرت عبداللہ نے اپنے بھتیجے قاسم بن محمد بن جعفرؓ کے عقد میں دیا تھا۔ ان کے



فوت ہوجانے پر حجاج بن یوسف نے نکاح کیا تھا۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۶۱) حضرت ابن جعفرؓ نے اپنے صاحبزادہ علی کو جو علی الزینبی کہلاتے تھے اور صاحب نسل ہیں اپنی والدہ زینبؓ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہ ہونے دیا تھا۔ ان کے جو دو بیٹے عون و محمد جو دوسری بیویوں سے تھے ایک دوسرے واقعہ کے سلسلے میں جس کا ذکر آگے آتا ہے قافلے کے ساتھ جانے پر مجبور ہونے غالی راویوں نے حضرت ابن جعفرؓ کے اقدام خروج کی مخالفت کو چھپانے کیلئے روایتیں وضع کی ہیں۔ جن کا ذکر آئندہ اوراق میں حسینی قافلہ کی روانگی کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

## تذبذب وتحقیق مزید

کچھ تو عزیزوں، ہمدردوں اور بزرگوں کی ان گفتگوؤں اور نصیحتوں کے اثر سے اور کچھ اپنے والد ماجد اور برادر بزرگ کے واقعات پر غور کرنے سے حضرت حسینؓ کو عراقیوں اور کوفیوں کے قول و قرار پر کامل اعتماد نہ تھا۔ کبھی ارادہ کرتے تھے کہ ان لوگوں کے پاس چلے جائیں اور کبھی خیال کرتے تھے کہ ان سے دور ہی رہیں۔

مرۃ یرید ان یسیر الیھم ومرۃ یجمع الاقامۃ عنھم

(ص۱۶۲ البدایہ والنہایۃ)

اطمینانِ مزید کے لئے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیلؒ کو جو دوسرے رشتہ سے بہنوئی بھی تھے تحقیق حال کے لئے کوفہ بھیجا اور ہدایت کی کہ کوفیوں کو اپنے قول و قرار پر مستحکم پانا تو ہمیں لکھ دینا ورنہ واپس چلے آنا۔ وان تکن الاخری فعجل الانصراف (ص۲۴۴ اخبار الطوال) مسلم کو شروع ہی سے اپنے مشن کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔ قدیم راوی ابومخنف کا بیان ہے کہ مسلم نے اثنائے راہ میں ایک شخص کو شکار کھیلتے دیکھا۔ جب اس نے ہرن کو تیر مار کر شکار کرلیا انھوں نے اس واقعہ سے شگون لیا اور کہا کہ ان شاء اللہ دشمن ہمارا مارا جائیگا۔ فقال مسلم یقتل عدونا ان شاء اللہ (ص۱۹۹ ج۶ طبری)

ان کے کوفہ پہونچنے کے بعد لوگوں نے حضرت حسینؓ کی خلافت کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کیں اور قسمیں کھائیں کہ اس کام میں ان کی مدد اور نصرت کے لئے اپنی جانوں اور اپنے اموال سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

فبایعوہ علی امرۃ الحسین وحلفوا لینصرنہ بانفسھم واموالھم

(ص۱۵۲ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

طبری اور دیگر مورخین کا بیان ہے کہ مسلم نے اہل کوفہ کی آمادگی کا یہ حال دیکھ کر حضرت حسینؓ کو حسب ذیل تحریر ارسال کی۔

اما بعد فان الرائد لا یکذب اهله وقد بایعنی من اهل الکوفة ثمانیة عشر الفاً فعجل الاقبال حین یاتیک کتابی فان الناس کلهم معک لیس لهم فی آل معاویة رای ولا هویٰ والسلام۔ (تاریخ طبری)

اما بعد۔ پیغامبر اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مجھ سے آپ کے لئے اٹھارہ ہزار اہل کوفہ نے بیعت کر لی ہے میرے خط کو دیکھتے ہی آپ جلدی اس طرف روانہ ہو جئے کیونکہ سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں آلِ معاویہ (یعنی امیر یزیدؒ سے) ان کو کچھ طلب نہیں نہ وہ ان کی خواہش رکھتے ہیں۔

اس زمانہ میں کوفہ کے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے۔ ان کو جب ان لوگوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا تو اختلاف اور فتنہ و فساد سے باز رکھنے کے لئے فہمائش کی :-

امیر الکوفة النعمان بن بشیر خطب الناس ونهاهم عن الاختلاف والفتنة وامرهم بالائتلاف والسنة وقال انی لا اقاتل لا یقاتلنی ولا اخذ کم بالظنة ولکن والله الذی لا اله الا هو لئن فارقتم امامکم ونکثتم بیعته لاقاتلنکم مادام فی یدی من سیفی قائمته۔ (تاریخ البدایہ والنہایۃ)

امیر کوفہ (حضرت نعمان بن بشیرؓ) نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور ان کو اختلاف وفتنہ و فساد سے منع کیا اور اتحاد و اتفاق اور سنّت کی پیروی کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو مجھ سے نہ لڑے میں اس سے نہ لڑوں گا جو مجھ پر حملہ نہ کرے میں اس پر حملہ نہ کروں گا۔ اور کسی پر تم میں سے میں بدظنی نہ کروں گا لیکن قسم وحدہٗ لاشریک کی کہ اگر تم لوگ اپنے امام (خلیفہ یزیدؒ) سے برگشتہ ہو گئے اور بیعت ان کی فسخ کرو گے تو میرے ہاتھ میں جب تک تلوار قائم رہے میں تم سے قتال کرتا رہوں گا۔

بایں ہمہ لوگوں کی باغیانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں۔ حضرت نعمانؓ صورتحال پر پوری طرح قابو نہ پا سکے۔ خلیفۂ وقت نے مجبوراً امیر بصرہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے مامور و متعین کیا اور بصرہ کی حکومت کے ساتھ کوفہ کی تولیت بھی عارضی طور پر



سپرد کر دی۔ چنانچہ عبیداللہ بن زیاد نے بعجلت تمام چند سردارانِ قبائل کی معیت میں کوفہ پہونچ کر مسلم کے میزبان کو گرفتار کر لیا۔

## مسلم کا عاجلانہ حملہ اور ناکامی

مسلم نے اپنے میزبان ہانی بن عروہ کو قید سے چھڑانے اور عبیداللہ کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنے مبایعین کو جن کی تعداد چالیس ہزار بیان کی گئی ہے مجتمع کیا "یا منصور امت" شعار (WATCH WORD) قرار دے کر فوجی قاعدہ سے انھیں مرتب کیا۔

فعقد لعبد الرحمن بن کریز الکندی علی کندة وربیعة وعقد لمسلم ابن عوسجة علی مذحج واسد وعقد لابی ثمامة الصیداوی علی تمیم وهمدان وعقد العباس بن جعدة بن هبیرة علی قریش والانصار فتقدموا جمیعاً حتی احاطوا بالقصر واتبعهم هولاء فی بقیة الناس وتحصن عبیدالله بن زیاد فی القصر مع من حضر مجلسه فی ذالک الوقت من اشراف اهل الکوفة والاعوان والشرط وکانوا مقدار مائتی رجل (ص ۲۵۲ اخبار الطوال)

پس (مسلم نے) عبدالرحمٰن بن کریز کندی کو قبیلہ کندہ وربیعہ پر مقرر کیا اور مسلم بن عوسجہ کو مذحج و اسد پر اور ابی ثمامہ صیداوی کو تمیم و ہمدان پر اور عباس بن جعدہ بن ہبیرہ کو قریش و انصار پر متعین کیا اور یہ سب لشکر قصر امارت کی طرف بڑھا اور اس کو گھیر لیا ان کے بقیہ لوگ بھی پہونچ گئے عبیداللہ بن زیادہ مع ان لوگوں کے جو اس وقت ان کی مجلس میں موجود تھے جن میں اہل کوفہ کے ممتاز لوگ ان کے اعوان اور پولیس کے لوگ تھے ان سب کی تعداد دو سو اشخاص سے زیادہ نہ تھی محصور ہو گئے

ان ہی راویوں کا بیان ہے کہ عبیداللہ ابن زیاد کی فرمائش پر اشراف اہل کوفہ نے جو قصر میں موجود تھے اپنے لوگوں کو جو مسلم کے لشکر میں شامل ہو کر قصر کا احاطہ کئے ہوئے تھے فتنہ و فساد کے نتائج بد سے ڈرایا اور کہا :-

یا اهل الکوفة اتقوا الله ولا تعجلوا الفتنة ولا تشقوا عصا هذه الامة ولا توردوا علی انفسکم خیول الشام فقد ذقتموهم وجربتم شوکتهم (ص ۲۵۳ اخبار الطوال)

اے کوفہ والو اللہ سے ڈرو اور فتنہ وفساد کو نہ بھڑکاؤ اور اس امت کے اتحاد و اتفاق کو ٹکڑے ٹکڑے مت کرو اور اپنی جانوں پر شام کی افواج کو حملہ کرنے کے لئے مت آنے دو جن کا ذائقہ تم چکھ چکے ہو اور جن کی حرب و ضرب کا تم تجربہ کر چکے ہو۔

ان باتوں کو سن کر اور قوی قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ خود ابن زیاد کی تقریر کے الفاظ سن کر جس میں اطاعت امیر کے وجوب اور خروج وبغی کی ممانعت کے بارے میں احکام شریعت بیان کئے گئے تھے لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا جو لوگ قصر امارت کو گھیرے ہوئے تھے ان کے اعزہ واقربا آن آن کر ان کو ہٹاتے اور اپنے ساتھ واپس لے جانے لگے مورخین کا بیان ہے کہ:-

وتجئی المراۃ الی ابنھا وزوجھا واخیھا فتتعلق بہ حتی یرجع۔
(ص۲۵۲ اخبار الطوال)

عورتیں بھی اپنے بیٹوں، شوہروں اور بھائیوں کے پاس پہونچیں اور ہٹ جانے کے لئے منت کرتی رہیں یہاں تک کہ لوٹا لے گئیں

غرضیکہ چالیس ہزار یا اٹھارہ ہزار یا بارہ ہزار کی فوجی جمعیت چند گھنٹوں میں ایسی منتشر ہوئی کہ آخر میں مسلم تن تنہا رہ گئے۔ گرفتار ہو کر بغاوت کی پاداش نیز قصر امارت پر لشکر کشی اور گورنر اور اس کے ساتھیوں پر نیز پولیس پر جو گرفتار کرنے گئی تھی تلوار چلانے کی سزا میں قتل کئے گئے۔ ان کے جرم کی نوعیت ایسی تھی کہ اگر سزا نہ دی جاتی کوئی حکومت یا اس کا عامل ملک کے نظم ونسق کو ہرگز قائم و برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ قتل کئے جانے سے پہلے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رض کے فرزند عمر بن سعد امیر عسکر کو لوجہ قرابت کے وصیت کی کہ ایک ہزار دینار جو مجھ پر قرض ہے اس کو ادا کرنا، میری لاش کی تدفین کرنا اور حضرت حسین رض کے پاس قاصد بھیج کر ان سب حالات سے مطلع کر دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں آنے کا قصد نہ کریں۔ راستہ ہی سے لوٹ جائیں۔ کیونکہ کوفہ کے لوگ بڑے غدار ہیں۔ مورخین نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:-

ابعث الی الحسین بن علی رسولا قاصدا من قبلک یعلمہ حالی وماصرت الیہ من غدر ھولاء الذی زعموا انھم شیعتہ واخبرہ بما کان من نکثھم بعد ان بایعنی منھم ثمانیۃ عشر الف رجل لینصرف الی حرم اللہ فیقیم بہ ولا یغتر باھل الکوفۃ (ص۲۴۵ اخبار الطوال)

حسین بن علی رض کے پاس تم اپنی طرف سے قاصد بھیج دینا جو ان سے میرا یہ سب حال بتلائے جو ان لوگوں کی غداری کی وجہ سے ہوا جو اپنے کو ان کا شیعہ کہتے تھے وہ ان کو یہ بھی اطلاع دے کر ان لوگوں میں سے جن اٹھارہ ہزار اشخاص نے میرے ہاتھ پر ان کے لئے بیعت کی تھی وہ اپنی بیعت سے ہٹ گئے ہیں لہٰذا وہ حرم اللہ (مکہ معظمہ) ہی کو واپس لوٹ جائیں اور وہیں مقیم رہیں اور اہل کوفہ پر غرہ نہ کریں اور ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔



عمر بن سعد رض نے مسلم بن عقیل رض کی وصیتوں کی پوری تعمیل کی۔ مورخین کی تصریحات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسین رض کو مسلم کا پیغام قاصد کے ذریعہ پہونچانے میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے کے بجائے عمر بن سعد رض کو اجازت دی۔

فاجاز ذالک کلہ (ص۱۵۸ ج ۸ البدایہ والنہایہ) اور کہا کہ اگر حسین رض یہاں نہ آئیں اور لوٹ جائیں تو ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں۔

## کوفہ کو روانگی

اپنے معتمد نمائندے مسلم بن عقیل رض کی کوفہ سے یہ رپورٹ موصول ہو جانے کے بعد کہ یہاں کے سب لوگ بیعت اطاعت کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اٹھارہ ہزار میرے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکے ہیں۔ حضرت حسین رض کو کوفیوں کی وفاداری وجاں نثاری کے بارے میں کوئی شبہ وتذبذب باقی نہ رہا۔ عزم سفر مصمم ہو گیا۔ دار العباس رض سے اٹھ کر شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا سامان سفر اور اسلحہ کی درستی ہونے لگی۔ ابو مخنف وہشام کلبی جیسے قدیم غالی راویوں نے عراقی شاعر فرزدق کا یہ قول نقل کیا ہے جو ان ہی ایام میں عراق سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ پہونچا تھا۔

دخلت الحرام فی ایام حج وذالک فی سنۃ (۶۰) اذ لقیت الحسین بن علی رض خارجا من مکۃ معہ اسیافہ واتراسہ فقلت لمن ھذا القطار فقیل الحسین بن علی رض۔
(ص۲۱۶ ج ۶ طبری ص۱۶۷ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

میں جب حرم میں داخل ہوا اور یہ ایام حج کے تھے اور سنہ ۶۰ھ کا واقعہ ہے کہ میں نے حسین بن علی رض کو مکہ کے باہر پایا تلواریں اور ڈھالیں ان کے ساتھ تھیں میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ قطار اونٹوں کی کس کے ساتھ ہے تو بتایا کہ حسین بن علی رض کے ساتھ ہے

فرزدق کے بیان میں اس کی تو تصریح نہیں کہ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ کی کون سی تاریخ کا تھا لیکن ان راویوں نے تاریخ روانگی ۸ ذی الحجہ بتائی ہے اور اسی کو اکثر مورخین نے نقل کر دیا ہے برخلاف ان کے علامہ ابن کثیر رح نے ۱۰ ذی الحجہ بیان کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ:-

فخرج الحسین رض متوجھا الیھم (اھل الکوفۃ) فی اھل بیتہ وستین شخصا من اھل الکوفۃ صحبتہ وذالک یوم الاثنین فی

پس حسین رض اپنے اہل خاندان اور ۶۰ کوفی اشخاص کی معیت میں (مکہ سے) اہل کوفہ کے پاس پہونچ جانے کے لئے روانہ ہو گئے اور ان کی روانگی کی تاریخ ماہ ذی الحجہ

[illegible] کی دسویں تھی۔

معمول سا مسافت میں تاریخ روانگی میں ایک دو دن کا فرق قابلِ لحاظ نہ ہوتا۔ لیکن یوم حج سے ایک دن پہلے حضرت حسینؓ اور ان کے سب ساتھیوں کا جن کی تعداد ستّر نفوس کے لگ بھگ تھی۔ فریضہ حج ترک کرکے مسافت بعیدہ پر یکا یک چل پڑنا ضرور استعجاب کا موجب تھا یا ہو سکتا تھا اس لئے فرزدق شاعر سے ایک سوال منسوب کرکے غالی راویوں نے حضرت حسینؓ کے منہ سے تعجیل سفر کی وجہ یہ بیان کرائی ہے۔

| | |
|---|---|
| سوال فرزدق ــــ ما اعجلك عن الحج ؟ | ایسی کیا جلدی پڑی ہے کہ آپ حج چھوڑ کر جا رہے ہیں ؟ |
| جواب حسینؓ ــــ لو لم اعجل لاخذت۔ | میں ایسی جلدی نہ کرتا تو گرفتار کر لیا جاتا۔ |

(ص۲۱۸ ج طبری ص۱۶۲ ج البدایہ والنہایہ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ تعجیل سفر کی جو وجہ بیان کرائی گئی ہے آیا وہ صحیح اور قابلِ قیاس ہے یا نہیں؟ اس خصوص میں مندرجہ ذیل امور توجہ طلب ہیں :۔

اولاً: حضرت حسینؓ اور ان کے اعزہ اقربا اور ساتھیوں کا غیر مرعوب کردار تو سب پہ روشن ہے، ان ہی راویوں نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ یہ سب حضرات کس استقلال اور بسالت سے اپنی بات اور اپنی آن پر قائم رہے حتیٰ کہ اپنی عزیز جانوں کو عزتِ نفس کی خاطر قربان کر دینے میں بھی کچھ باک نہ ہوا۔ ایسے بے باک بہادروں کو اتنا کمزور طبع کون کہہ سکتا ہے کہ گرفتاری کے خوف سے فریضۂ حج بھی ترک کر دیتے خصوصاً ایسی حالت میں کہ مناسکِ حج کی ادائیگی کے لئے کچھ زیادہ وقفہ بھی نہ تھا صرف ایک رات ہی تو درمیان تھی۔

ثانیاً: جملہ مورخین متفق البیان ہیں کہ حضرت حسینؓ پورے چار مہینے اور چند دن مکّہ معظمہ میں قیام پذیر رہے۔ یعنی ماہِ شعبان و رمضان و شوال و ذیقعدہ نیز ماہ ذی الحجہ کے چند ابتدائی ایام۔ اور اس تمام عرصے میں کوفیوں کے صدہا خطوط، بیسیوں وفود اور سینکڑوں اشخاص عراق سے ان کے پاس آتے جاتے اور بیعتِ اطاعت کے حلف اٹھا کر یہ ساتھ کوفے بیعت میں چلنے کے انتظار میں ٹھہرے رہے جو بعد میں ان کے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان تمام حالات سے حکومت باخبر تھی بایں ہمہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی، نہ عراقیوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا گیا نہ خط و کتابت



پر کوئی سنسر بٹھایا گیا اور نہ کوئی اور پابندی عائد کی گئی۔

ثالثاً: حکومت چاہتی تو ان چار ماہ کے دوران جب مکہ معظمہ میں کسی مذہبی تقریب سے کوئی خاص اژدحام نہ ہوا تھا۔ شہر کی محدود آبادی اپنے معمول پر تھی عامل مکہ کو حکم بھیج کر آسانی ان کے خلاف کارروائی کی جا سکتی تھی۔ مگر حکومت کے کسی تشدد کا کوئی ثبوت اوراقِ تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔

رابعاً: جبر و تشدد کے بجائے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت و مفاہمت کا برتاؤ ہو رہا تھا، جیسا کہ سابق میں ضمناً ذکر ہو چکا۔ خود امیر المؤمنین نے حضرت حسینؓ کے عم محترم اور بزرگ خاندان حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تحریراً متوجہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کیونکہ عراق کے لوگ ان کے پاس زیادہ آ جا رہے ہیں اور حصولِ خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں۔

خامساً: جب ان چار ماہ کی مدت میں حکومت کی جانب سے کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی گئی تو پھر کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ ایام حج خصوصاً یوم الترویہ میں کہ اس دن سے حج کے ابتدائی مراسم شروع ہو جاتے ہیں، حدود حرم کے اندر، جہاں لاکھوں مسلمانوں کا عظیم اجتماع موجود ہو۔ حضرت حسینؓ جیسی ممتاز و محبوب ہستی کی گرفتاری کا کہ جن کی ذات سے ہر مسلمان کے جذبات محبت تدیناً وابستہ ہوں، کوئی اقدام اس مقام پر کیا جانا ممکن ہو سکتا تھا جس کی تقدیس اور حرمت کا جذبہ زمانہ جاہلیت سے عرب کے بچے بچے کی طبیعت ثانیہ تھا۔ زمانۂ اسلام میں تو حدودِ حرم کے بارے میں صریح احکام شریعت ہر کس و ناکس پر ہویدا اور مبرہن تھے۔ باوجود اس کے اگر کوئی حکمران یا اس کا والی ایسے احمقانہ اقدام کی جسارت بھی کر بیٹھتا تو یقیناً وحتماً اس کی حکومت کو تختہ الٹ دیئے جانے میں دیر نہ لگتی اور اس طرح جس مقصد کے حصول کے لئے کوفی اور عراقی حضرت حسینؓ کو عراق تشریف لے جانے پر آمادہ کر رہے تھے وہ مقصد دشوار گزار اور طویل سفر کی صعوبتیں اٹھائے بغیر سرزمین حجاز ہی میں بسہولت اور بآسانی حاصل ہو جاتا۔ اور اگر کردار خلیفہ میں کوئی ایسی برائی تھی کہ اس کو معزول کرنا یا اس کے خلاف خروج کرنا احکام شریعت کے اعتبار سے جائز تھا جیسا کہ کذابین باور کرانا چاہتے ہیں تو اس کا بہترین موقع مکہ معظمہ میں تھا جہاں مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے دیندار مسلمانوں کا اجتماع عظیم موجود تھا نہ کہ صحرا و بیابان کی تیس ۳۰ منزلیں طے کرکے کوفہ میں جہاں کے لوگوں کی غداری کا تجربہ ان کے والد اور برادر بزرگ کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔

غرضیکہ تعجیلِ سفر کی جو وجہ ان راویوں نے بیان کی ہے کسی طرح بھی قابلِ پذیرائی نہیں۔ بلکہ قوی آثار سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضؓ اور ان کے ساتھی بعد ادائے حج کوفہ کو روانہ ہوئے۔

سانحہ کربلا کے قدیم اور مشہور راوی اور مؤلف کتاب "مقتل حسین بن علی رضؓ" یعنی ابو مخنف لوط بن یحییٰ الکوفی الازدی المتوفی ۱۷۵ھ کی بیان کردہ ایک روایت سے جس کو متعدد مورخین نے نقل کیا ہے روانگیٔ کوفہ کی صحیح تاریخ کے تعین کا مزید ثبوت ہم پہونچتا ہے۔

## تاریخ روانگی کوفہ کا مزید ثبوت

واضح رہے کہ جزیرۃ العرب کے جنوبی صوبہ یمن میں علاقہ نجران بھی شامل ہے۔ حجاز و نجد وغیرہ کی بہ نسبت یمن میں پارچہ بافی کی صنعت کو قدیم الایام سے بہت فروغ تھا۔ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقہ کے محاصل و اخماس کی تحصیل و تقسیم کے لئے حضرت علی رضؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کی معیت میں متعین کیا تھا۔ کارِ مفوضہ کی انجام دہی کے بعد وہ مع قافلۂ اموال حج کے ایام میں مکہ معظمہ پہونچے تھے اور حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب مغازی صحیح بخاری۔ نیز اسد الغابہ جزو اول صفحہ ۱۶ و مسند امام احمد بن حنبلؒ جزو ۵ صفحہ ۳۵۸-۳۵۱) اسی کے اتباع میں یمنی علاقہ کے محاصل و اخماس قافلہ کے ذریعہ سال تمام پر اس اہتمام اور پروگرام سے مستقرِ خلافت بھیجے جاتے کہ یمنی قافلہ ایامِ حج میں مکہ معظمہ پہنچ جاتا اور اہلِ قافلہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوتے یا خلیفہ کے مستقر (دمشق) جا کر یہ اموال اور کاغذات حساب عامل بیت المال خلیفۂ وقت کو پیش کر دیتے۔ محاصل و اموال میں یمنی چادریں حلّے و پوشاکیں و دیگر اشیاء نفیسہ ہوتیں علاقہ نجران کے عیسائی وفد نے مباہلہ سے انکار کے بعد جو معاہدہ صلح عہد نبویؐ میں کیا تھا اس میں دیگر شرائط کے علاوہ دو ہزار حلّے سالانہ پیش کرنے کی شرط بھی شامل تھی۔ دیگر کتب تاریخ و سیر کے علاوہ مورخ مسعودی نے بھی لکھا ہے۔

وصار الیہ داعی الی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فی ھذہ

اس سنہ (یعنی ۹ھ) میں اہالیان نجران کی جانب سے (ان کے مذہبی سرداروں نجران)



السنۃ السید والعاقب وافدا اھل نجران یکلانہ فی الصلح فصالحھا عن اھل نجران علی الفی حلّۃ فی السنۃ وغیر ذلک

(صفحہ ۲۷۵ التنبیہ والاشراف مطبوعہ بریل ۱۸۹۴ء)

السید اور العاقب (کہلاتے تھے) اہلِ نجران کی طرف سے وفد لے کر آئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ سے معاہدہ صلح کے بلسلے میں عرض کریں۔ پس آپ نے ان کے ذریعہ اہل نجران کی طرف سے دو ہزار حلّے سالانہ کی ادائگی پر معاہدہ صلح کیا اس میں دیگر شرطیں بھی تھیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ بلا فصل اور امام اول حضرت ابو بکر الصدیق رضؓ نے تجدید معاہدہ میں ادائے جزیہ کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا۔

وعلیھم النصح والاصلاح فیما علیھم من الحق یعنی ان پر جو واجب ہے ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہیں۔ چنانچہ اہل نجران (عیسائی اور یہودی وغیرہ جن کی آبادی عرصے تک اس علاقہ میں رہی تھی اور ان ہی میں مشہور مفسد و منافق ابن سبا بھی تھا) معاہدہ کے مطابق اموالِ جزیہ یعنی حلّے (پوشاکیں، برد یمانی و دیگر اشیاء نفیسہ برابر ادا کرتے رہے جن کو عامل یمن مع دیگر محاصل و اخماس کے خلیفۂ وقت کو سال تمام پر ارسال کیا کرتا تھا۔

ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت ملاحظہ ہو جسے سانحہ کربلا کے اولین راوی و مؤلف "مقتل حسین بن علی رضؓ" نے بیان کیا ہے اور قدیم مورخین خاص کر طبری نے بغیر کسی تنقید کے اس طور سے نقل کر دیا ہے جس پر نقل راجح عقل کی مثال صادق آتی ہے۔

یہی روایت دیگر کتب تاریخ اخبار الطوال، ابو الفدا، ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہ میں بھی درج ہے۔ جیسے ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ان الفاظ میں درج کیا ہے۔

چون حسین علیہ السلام از مکہ بیرون شد و چند میل طے مسافت فرمود بہ منزل تنعیم رسید کاروانے را نگریست کہ مبلغ بردیمانی و پارہ درس و بعضے اشیاء نفیسہ حمل میداد

جب حسین علیہ السلام مکہ سے باہر نکلے اور چند میل مسافت طے فرمائی اور تنعیم کی منزل پر پہونچے ایک قافلہ پر نظر پڑی جو یمنی چادروں کی ایک تعداد کچھ درس

واین جملہ را بحیر بن یسار حمیری کہ عامل یمن بود نزدیک یزید انفاذ داشتہ بود۔ حسین علیہ السّلام کہ رتق وفتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص او بود آں احمال را ماخوذ برداشت وشتربانان را فرمود اگر خواہید با ما سفر عراق میکنید و شتران خود را بہای کری از ما می ستانید و اگر نہ بہای کری تا ایں جا کہ حمل دادہ اید بگیرید و باز شوید جملۂ ملازمت رکاب آنحضرت اختیار کردند و گروہے بہای کری بگرفتند باز شدند۔

(صفحہ ۲۰۹ ج از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

(خوشبوئیں، اور کچھ نفیس اشیائے) جا رہا تھا اور ان سب کو بحیر بن یسار حمیری نے جو یمن کا عامل تھا، یزید کے پاس ارسال کیا تھا۔ حسین علیہ السّلام نے کہ مسلمانوں کے امور کا انتظام والنصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے ان سے مخصوص تھا۔ ان اموال کو ماخوذ کرایا اور اونٹ والوں سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ عراق کے سفر میں چلو اور اپنے اونٹوں کا کرایہ ہم سے لے لو ورنہ یہاں تک کی باربرداری کا جو کرایہ بنتا ہوتا ہے وہ لے لو۔ شتربانوں کی ایک جماعت نے آنحضرت کی معیت میں چلنا اختیار کیا اور ان کے ایک گروہ نے اپنے کرایہ کی رقم لے لی اور لوٹ گئے ؎۱

مورخین میں سے کسی نے بھی ابو مخنف یا سانحۂ کربلا کے دیگر راویوں کے بیانات کو نقد و درایت کی میزان سے جانچنے کی زحمت گوارا نہیں کی بے چون و چرا نقل در نقل کرتے رہے۔ مقام تنعیم اور راہِ کوفہ (جس کی پہلی منزل بستان ابن عامر ہے) یہ دونوں قطعاً مخالف سمت میں واقع ہیں، یمن سے جو قافلہ مکہ سے گذر کر دمشق جا رہا تھا وہ بھی اسی تنعیم کے مقام سے ہوتا ہوا جا سکتا تھا۔ جو کوفہ کے راستے سے بالکل مخالف سمت میں ہے بالفاظ دیگر مکہ سے جو شخص تنعیم کی راہ اختیار کرے وہ کوفہ کی راہ سے نہیں بلکہ مدینہ اور دمشق کے راستہ پر سفر کرے گا اور جو کوفہ کی راہ چلے وہ ہرگز تنعیم نہیں پہونچ سکتا

---

؎۱ یہ واقعہ امیرالمومنین یزیدؓ کے زمامِ خلافت ہاتھ میں لے لینے کے تقریباً پانچ ماہ بعد کا ہے اور اس سے ثابت ہے کہ جمیع اقطاع مملکت اسلامیہ میں متفق علیہ خلیفہ کا حکم نافذ تھا۔



الا یہ کہ مکہ سے چار میل چل کر تنعیم جانے اور وہاں سے لوٹ کر واپس مکہ آئے پھر دوسری سمت میں کوفہ کے راستے پر جائیے۔ لیکن حضرات مورخین نے ابو مخنف کی یہ روایت نقل کر دی کہ حج سے ایک دن پہلے یوم ترویہ کو حضرت حسینؓ جب کوفہ کے سفر پر مکہ سے روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے یمنی قافلہ نظر پڑا جو امیرالمومنین یزیدؓ کے پاس یمن کے عامل کا بھیجا ہوا جا رہا تھا۔ آپ نے اس کو ماخوذ کر لیا جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ کسی شخص کا سفر کوفہ پر روانہ ہو جانے کے بعد تنعیم کے مقام پر پہونچ جانا ممکن الوقوع نہیں۔ مگر ان مورخین کے ارشادات ذرا ملاحظہ ہوں۔ مولف اخبار الطوال لکھتے ہیں۔

لما فصل الحسین بن علی من مکۃ سائراً وقد وصل الی التنعیم لحق عیراً مقبلۃ من الیمن علیہا ورس وحناء تنطلق بہ الی یزید بن معاویۃ فاخذھا وما علیھا و قال لاصحاب الابل من احبّ منکم ان یسیر معنا الی العراق الی آخرہ (ص۲۵۸ اخبار الطوال)

جب حسینؓ بن علی سفر پر جاتے ہوئے مکہ سے علیحدہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے انھیں ایک قافلہ یمن سے آتا ہوا ملا جس (کے اونٹوں) پر ورس اور حنا لدا تھا اور یہ (مال) یزید بن معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا۔ آپ نے اس کو ماخوذ کر لیا اور جو مال تھا ہیں کو لے لیا اور اونٹ والوں سے کہا کہ جو تم میں سے ہمارے ساتھ عراق چلنا پسند کرے (اس کو وہاں تک کا کرایہ دے گا) وغیرہ وغیرہ،

ابن جریر طبری علامۂ وقت تھے لیکن روایت پرستی کی بنا پر یا اپنے خاص مسلک کی وجہ سے ابو مخنف کی کتاب کا شاید کل مواد بغیر کسی تنقید کے نقل کر دیا ہے ان علامہؒ زماں کا ارشاد ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

ان الحسین اقبل حتی مر بالتنعیم فلقی بھا عیرًا قد اقبل بھا

جب حسینؓ (سفر عراق پر روانہ ہوئے یہاں) تک کہ مقام تنعیم پر پہونچے تو ایک قافلہ

---

؎۱ شاید یہ کتابت کی غلطی اور لفظ "حلل" کی خرابی ہے۔ ابن خلدون کی تاریخ کے مترجم نے "حلل" (پوشاکیں) کو "حلی" سمجھ کر "زیورات" ترجمہ کیا ہے۔

من الیمن بعث بها بحیر بن ریسان الحمیری الی یزید بن معاویہ وکان عاملہ علی الیمن وعلی العیر الورس والحلل ینطلق بها الی یزید بن معاویۃ فاخذها الحسین فانطلق بها ثم قال لاصحاب الابل لا اکرھکم من احب ان یمضی معنا الی العراق (الی آخرہ) (ص۲۱۸ ج۶ طبری)

… ملا جو یمن سے آ رہا تھا اور جسے بحیر بن ریسان حمیری نے یزید بن معاویہؓ کے پاس بھیجا تھا وہ ان کا عامل یمن میں تھا اور اس قافلہ کے پاس ورس اور حلّے (پوشاکیں) تھیں جو یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے جا رہے تھے۔ حسینؓ نے (قافلہ) کو ماخوذ کر لیا اور وہ سب چیزیں لے لیں اور اونٹ والوں سے کہا کہ میں کسی پر جبر نہیں کرتا تم میں سے جو کوئی میرے ساتھ عراق چلے (اس کو کرایہ دیا جائے گا وغیرہ)

اب ایک اور علامہ وقت، مورخ و محدث (ابن کثیرؒ) کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو جنھوں نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا ہے کہ ابو مخنف کی روایتیں قابل اعتبار نہیں لیکن ابن جریر طبری جیسے ائمہ نے چونکہ ان کو درج کر دیا ہے اس لئے ہم بھی نقل کئے دیتے ہیں چنانچہ انھوں نے ابن جریر طبری کی مندرجہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب حضرت حسینؓ سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے ان کو عامل یمن بحیر بن زیاد الحمیری کا بھیجا ہوا قافلہ ملا جس پر "ورس وحلل کثیرۃ" یعنی خوشبوئیں اور کثیر تعداد میں پوشاکیں تھیں اور یہ سب سامان یزید بن معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا اس کو حضرت حسین نے لے لیا۔ واستاجر اصحاب الجمال علیها الی الکوفۃ ودفع علیهم اجرتهم (یعنی اونٹ والوں کو کوفہ تک سامان لے جانے کو کرایہ پر کیا اور ان کی اجرتیں بھی ادا کر دیں) یمن کے صدر مقام صنعا سے مکہ معظمہ کی مسافت ۲۱ دن کی ہے۔

(ص۱۶۶ ج۸ البدایہ والنہایہ)

من مکۃ الی صنعاء احدی وعشرون مرحلۃ

مکہ سے صنعا (یمن کا صدر مقام) اکیس منزلوں پر ہے۔

ص۱۰۳ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ بریل ۱۸۹۰ء

یعنی قافلہ اکیس دن کی مسافت طے کرنے کے بعد جب ایام حج میں مکہ معظمہ وارد ہوا تو



اہل قافلہ کو جو یمن حاکم یمن کے فرستادہ اہل کار بھی شامل تھے جو اموال بیت المال کو بجانب خلیفۂ وقت کے پاس لے جا رہے تھے، ایسا کیا خوف دامنگیر تھا کہ حج سے ایک رات پہلے یوم الترویہ کو مکہ سے نکل کر مضافات شہر میں تنعیم کے مقام پر پہونچ جاتے جو مدینہ کے راستے میں مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ واقعاتی شہادت سے حتماً ثابت ہے کہ حسب معمول و دستور قدیم یمنی قافلہ بعد ادائے حج دمشق کو براہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے مقام تنعیم سے گزرا۔ اور اگر ماخوذی قافلہ کی یہ روایت صحیح اور قابل وثوق ہے تو ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے کوفہ کے سفر پر روانہ ہونے کی تاریخ بھی حج کے بعد ہی کی یعنی ایام التشریق ہی ہے، ۱۳ یا ۱۱ ذی الحجہ کی قرار دینا انسب اور قرین صحت ہوگا۔

مقام تنعیم کا محل وقوع ذیل کے خاکے سے واضح ہوگا۔

مدینہ منورہ
راہ بطرف مدینہ
رابغ
جعرانہ
راہ بطرف کوفہ
ذات عرق
وادی نخلہ
بستان ابن عامر
عسفان
سرف
تنعیم
مکہ معظمہ
راہ بطرف یمن
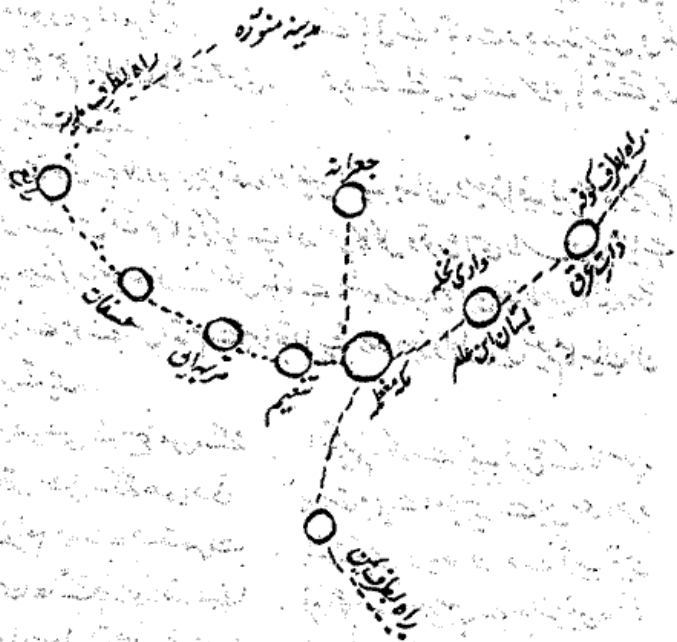
تنعیم کا مقام آج بھی موجود ہے اور مکہ سے بطرف راہ مدینہ عسفان جاتے ہوئے چار میل کے فاصلہ پر یہ مقام آتا ہے۔ عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں اہل المدینہ

حضرت عائشہ صدیقہ صلوات اللہ علیہا کا اس مقام پر احرام باندھنا کتب سیر میں مذکور ہے اور ایک مسجد یعنی مسجد عائشہ نام کی یہاں اب تک موجود ہے۔ یاقوت حموی نے مقام تنعیم کا ذکر اپنی معجم البلدان میں اس طرح سے کیا ہے۔

التنعیم موضع بمکۃ فی الحل و ھو بین مکۃ وسرف علی فرسخین من مکۃ وقیل اربعۃ وسمی بذالک لان جبلا عن یمینہ یقال لہ ناعم والوادی نعمان وبالتنعیم مساجد حول مسجد عائشۃ و سقایا علی طریق المدینۃ منہ یحرم المکیون بالعمرۃ۔

(ص۴۹ ج۲ معجم البلدان یاقوت حموی۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۵۶ء)

تنعیم مکہ میں ایک موضع ہے جو سفر کی منزل ہے اترنے کا مقام ہے اور مکہ و سرف کے درمیان دو فرسخ یا چار فرسخ ہے اور اس نام سے موسوم اس لئے ہے کہ دو پہاڑ ہیں ایک داہنی طرف جس کو نعیم کہتے ہیں اور ایک وادی نعمان ہے تنعیم میں مساجد ہیں جو مسجد عائشہ کے گرد ہیں اور یہاں پینے کے پانی کے مقامات راہِ مدینہ پر ہیں اہل مکہ عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں

یاقوت حموی کے علاوہ دیگر متعدد مولفین کتب بلدان و جغرافیہ نیز مسلم و غیر مسلم سیاحوں نے اس مقام کا ذکر کیا ہے اور اس کا محل وقوع اسی راستہ پر بتایا ہے جو مکہ سے مدینہ کو ساحلی علاقہ سے منتقل جاتا ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جن کا گذر مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے اس مقام سے ہوا تھا اپنے (جلد دوم جزو اول) میں تنعیم کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

التنعیم وھو علی فرسخ من مکۃ ومنہ یعتمر اھل مکۃ وھو ادنی الحل الی الحرم ومنہ اعتمرت ام المومنین عائشۃ رضی اللہ عنہا حین بعثھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما فی حجۃ الوداع مع اخیھا عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ وامرہ

التنعیم۔ مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر یہ مقام ہے اور یہیں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں اور یہ حد ود حرم سے قریب ترین فرودگاہ ہے اور یہیں سے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت احرام باندھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حجۃ الوداع میں ان کے بھائی عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ساتھ



ان یعمرھا من التنعیم وبینت ھنالک مساجد ثلاثۃ علی الطریق انتسب کلھا الی عائشۃ رضی اللہ عنہا وطریق التنعیم طریق فسیح (الی آخرہ)

(ص۹۹ جلد ابن بطوطہ مطبوعہ مصر)

ادائے حج کے لئے بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ تنعیم کے مقام سے احرام باندھیں یہاں تین مسجدیں راستہ پر تعمیر ہوئیں جو سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ہیں تنعیم کا راستہ کشادہ راستہ ہے۔ (الی آخرہ)

ابن بطوطہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ تنعیم کے راستے میں ہر دو جانب باغات اور بازار ہیں اور اہلِ مدینہ سیر و تفریح کے لئے اکثر وہاں جاتے ہیں۔ سر رچرڈ برٹن جنھوں نے ایک صدی پہلے ۱۸۵۳ء میں حرمین شریفین (مکہ و مدینہ منورہ) کا سفر کرکے دو جلدوں میں اپنا سفر نامہ مکمل کیا تھا۔ جلد دوم میں اس مقام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل مکہ اسی مقام پر احرام باندھتے ہیں اس لئے تنعیم کو العمرہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے نواح میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ زوجہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے۔ لوگ کثرت سے فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں۔ مکہ کے باشندے تنعیم میں پک نک کے لئے جایا کرتے ہیں۔

(حاشیہ ص۲۴۳ سفرنامہ سر رچرڈ برٹن)

لیڈن یونیورسٹی کے پروفیسر ہرگرونج نے اپنی تالیف "مکہ انیسویں صدی میں" تنعیم کا تذکرہ کرتے ہوئے برٹن کے اس قول کی تائید مزید کی کہ اہل مکہ تنعیم کے مقام پر احرام باندھتے ہیں۔ اسی لئے اس کو العمرہ بھی کہتے ہیں (ص۲۵) زمانہ حال کے ہندی عالم اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے غزوات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں تاریخی مقامات کی تحقیق موقع پر جاکر کی ہے اور اس سلسلہ میں تنعیم کا محل وقوع بھی راہ مکہ و مدینہ میں اسی مقام پر دکھایا ہے جو مندرجہ بالا خاکہ میں ہے دیگر متعدد سیاحوں کے بیانات کا حوالہ بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے راویوں کے اس بیان کی پوری تغلیط و تکذیب ہو جاتی ہے کہ حضرت حسین رضہ قبل حج سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور سفر شروع کرتے ہوئے مقام تنعیم پر پہونچے۔ یمنی قافلہ کو جو امیر المومنین یزیدؒ کے پاس جارہا تھا ماخوذ کیا

اور شتربانانِ قافلہ کو اپنے ساتھ عراق لیتے گئے۔

مورخین نے اسی ابو مخنف کے حوالے سے ایسی روایتیں بھی اپنی تالیفات میں درج کی ہیں جن سے گویا اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ حضرت حسینؓ نے قبل روانگی ارکانِ حج کلیۃً ترک بھی نہیں کئے تھے۔ ترویہ کے دن بعد نماز ظہر بیت اللہ کا طواف کیا صفا و مروہ کے درمیان دوڑے، بال کتروائے یعنی عمرہ (حج صغیر) سے فارغ ہو کر سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھیوں کے عمرہ کرنے کا البتہ کوئی ذکر روایت میں نہیں ہے۔ کوفہ کے دو اسدیوں کی زبانی یہ روایت بیان کی گئی ہے۔

| | |
|---|---|
| خرجنا حاجين من الكوفة حتى | حج کرنے کے لئے ہم لوگ کوفہ سے چلے یہاں |
| قدمنا مكة فدخلنا يوم التروية | تک کہ مکہ پہنچے اور ترویہ کے دن حرم میں داخل |
| فاذا نحن بالحسين وعبد الله بن | ہوئے۔ تو ہم نے حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ |
| الزبير۔ انها اخفيه لامحادوثنا | کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا جاتے |
| فنا زالا يتناجيين حتى سمعنا دعاء | ان کے قریب ہو گئے پر وہ چپکے چپکے باتیں |
| الناس رائحين متوجهين الى | کرتے اور برابر سرگوشی کرتے رہے یہاں |
| منى عند الظهر قال فطاف الحسين | تک کہ ہم نے ظہر کے وقت سنا کہ لوگوں کو |
| بالبيت وبين الصفا والمروة | منیٰ کی طرف چلنے کو بلایا گیا پس حسینؓ نے |
| وقص شعره وحل من عمرة ثم توجه | بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفا و مروہ کے |
| نحو الكوفة وتوجهنا نحو الناس۔ | درمیان دوڑے، بال ترشوائے، عمرہ سے |
| (ص۲۱۸ ج طبری) | حل ہوئے پھر وہ تو کوفہ کی جانب چلے گئے |
| (ص۱۶۴ ج البدایہ والنہایہ) | اور ہم ان لوگوں کی طرف جو منیٰ کو جا رہے تھے) |

اب اگر ابو مخنف کی اس روایت کو بھی صحیح مان لیا جائے کہ ترویہ کے دن عمرہ سے فارغ ہو کر قافلوں کی روانگی کے عام دستور کے خلاف صبح صادق کے بجائے شام کے وقت حضرت موصوف مسافت بعیدہ پر روانہ ہوئے تو یہ سوال پھر بھی حل طلب باقی رہتا ہے کہ مکہ سے جانب مشرق کوفہ کو جاتے ہوئے وہ تنعیم کے مقام پر جو بجانب غرب راہِ کوفہ پر نہیں بلکہ راہِ مدینہ و دمشق پر آتا ہے کیونکر پہنچ گئے اور یمنی قافلہ کو جو حج کے بعد کم از کم دس ذی الحجہ کو مدینہ و دمشق کی راہ جاتے ہوئے تنعیم سے گزرتا۔ دو دن پہلے



ہی کیسے ماخوذ کر لیا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت حسینؓ کا ادھر کو تنعیم پہنچنا اور یمنی قافلہ کو اسی دن ماخوذ کر لینا صحیح نہیں یا پھر وہ بھی مر کے بجائے ۸ ذی الحجہ کو جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے صراحتاً لکھا ہے کوفہ روانہ ہوئے۔

پس اگر سرکاری قافلہ کے ماخوذ کرنے کی روایت صحیح ہے جیسا کہ جملہ مورخین اخبار الطوال طبری، ابو الفدا، ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہم نے نیز ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی صراحتاً بیان کیا ہے تو ظاہر ہے کہ روانگی کوفہ کے وقت ہی تنعیم کے مقام پر جس کا فاصلہ آپ کے پڑاؤ بیرونِ شہر سے تین چار میل سے زیادہ نہ تھا یہ قافلہ با آسانی ماخوذ کیا جا سکتا تھا۔ فرزدق[1] شاعر کے کلام سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ ان ہی مورخین نے یہ قول بھی اس کا نقل کیا ہے کہ حج ادا کرنے کے بعد میں اپنے اہل و عیال کے پاس عسفان چلا گیا تھا عسفان جانے کا راستہ تنعیم ہی ہو کر ہے۔ فرزدق نے اپنے ایک شعر میں یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت حسینؓ سے اس کی ملاقات ارض الصفاح پر جس وقت ہوئی تھی ان کے پاس پوشاکیں اور ڈھالیں تھیں۔ مقام الصفاح وادی حنین اور انصاب الحرم (اقرب حدودِ حرم) کے درمیان مشاش سے مقاماتِ مکہ میں داخل ہوتے ہوئے آتا ہے۔ فرزدق کے بیان اور شعر کے مضمون میں اونٹوں کی قطار، پوشاکوں تلواروں اور ڈھالوں کے حضرت موصوف کے ساتھ ہونے کا ذکر آیا ہے۔ فرزدق کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| لقيت الحسين بارض الصفاح | ارضِ صفاح پر میں نے حسینؓ سے ملاقات |
| عليه اليلامق والدرق۔ | کی ان کے ساتھ پوشاکیں اور ڈھالیں |
| (ص۳۲۶ ج معجم البلدان) | تھیں۔ |

یہی مؤلف مقام الصفاح کے وقوع کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

---

[1] فرزدق بن غالب بن صعصعہ بن ناجیہ کا خراعین بن صعصعہ جو رشتہ میں اس کا چچا بھی تھا حضرت عثمانؓ کے قاتلین میں شامل تھا اعان علی قتل عثمانؓ ص۲۱۹ جمہرۃ ابن حزم (فرزدق اور اس کا بھائی اخطل کردہ بھی شاعر تھا لمبائی یا ردی کے لوگ تھے اس کے بیٹے لبطہ سبطہ اور خبیط بھی اسی قماش کے تھے لبطہ تو ابراہیم بن عبداللہ المحض حسنی کی بغاوت میں مارا گیا تھا یہ بیٹے غیر معتقب ہے۔ فرزدق مقطوع النسل ہے۔

الصفاح : موضع بین حنین و انضباب الحرم علی یسرۃ الداخل الی مکۃ من مشاش رھناک لقی الفرزدق الحسین۔

الصفاح : یہ ایک موضع وادی حنین اور انضباب الحرم (قرب حدود حرم) کے مابین ہے۔ جو مشاش سے مکہ میں داخلہ کے رستہ پر آتا ہے اور یہیں فرزدق کی ملاقات حضرت حسینؓ سے ہوئی تھی۔

ص۳۲۶ ج۵ معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ لیپزک ۱۸۶۷ء۔

فرزوق کے مندرجہ بالا شعر میں "الیلامق" (پوشاکیں) بصیغۂ جمع آیا ہے اس کا واحد "یلمق" ہے جو ایک دھاریدار پوشاک تھی اور یمن کی خاص صنعت تھی بمرورِ ایام دوسرے ممالک میں بھی تیار ہونے لگی تھی یہ شاعر کی مراد اگر حضرت حسینؓ کی اپنی ذاتی پوشاک سے ہوتی تو یقیناً صیغۂ واحد استعمال کرتا۔ جمع کا صیغہ لانے اور یلمق کے بجائے الیلامق (پوشاکیں) کہنے سے ظاہر ہے کہ اس کی مراد ان ہی (حلل کثیرہ) بکثرت پوشاکوں سے ہو سکتی ہے۔ جو سرکاری قافلہ یمن سے مع دیگر اشیائے نفیسہ براہِ مکہ و مدینہ مستقرِ خلافت دمشق کو لے جا رہا تھا۔ اونٹوں کی قطاروں، تلواروں اور ڈھالوں کے ساتھ (الیلامق) کا ہونا اس امر کی قوی اور مزید دلیل ہے کہ حضرت حسینؓ کی روانگی ۱۰ ذی الحجہ کو بعد ادائے فریضۂ حج ہوئی تھی اور روانگی کے ساتھ ہی سرکاری قافلہ کو مقام تنعیم پر ماخوذ کر لیا گیا تھا اور قافلہ کے ساتھ عاملِ یمن کی بھیجی ہوئی یہ پوشاکیں تھیں۔

**اجتہادی غلطی** قافلہ کی ماخوذی کا واقعہ راویوں کے بیانات کے بموجب روانگی کوفہ کے ساتھ ہی اس وقت پیش آیا جب مسلم بن عقیلؓ کی یہ رپورٹ حضرت حسینؓ کو موصول ہو چکی تھی کہ عراقیوں اور کوفیوں کی کثیر تعداد نے آپ کی بیعتِ خلافت کر لی ہے اور آلِ "معاویہ" سے ان کو اب کوئی سروکار نہیں رہا۔ ان حالات میں حضرت موصوف کا یہ موقف واقعاتِ شہادت سے مبرہن ہو جاتا ہے کہ خلافت کے معاملات کے سلسلہ میں عملی طور سے دخل دینے کا جواز آپ کو حاصل ہو گیا آپ کی رائے اور اجتہاد ان حالات کے اعتبار سے صحیح ہو یا غلط صاحب ناسخ التواریخ کی یہ توجیہہ ضرور محلِ نظر ہے کہ حسین علیہ السلام کہ رتق رفتق امور مسلمانان از جانب خدائی خاص اولود



آن احمال را ماخوذ داشت" اللہ تعالیٰ کے ارشاد انما المومنون اخوۃ (مومنین سب بھائی بھائی ہیں) کی روشنی میں سب مسلمانوں کے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں ہیں، رشتہ اور نسبی تعلقات کی کوئی تخصیص نہیں، سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نسباً ہاشمی و مطلبی ہیں لیکن قرآنِ حکیم نے متعدد جگہ اس کی تحدید کی ہے کہ آپ کو صرف رسالت کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔ آپ کا تعلق براہِ راست ہر اُمتی سے ہے اور آپؐ کے فیضان میں رنگ و نسل اور زبان و ملک کا قطعاً کوئی امتیاز نہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۔ (قرآن الحکیم)

محمدؐ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔

وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (قرآن الحکیم)

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے۔

آپؐ کی ذات ستودہ صفات کو نسبی پابندیوں میں نہیں لایا جا سکتا اور نہ آپؐ نے اپنے خاندان کو اس کی اجازت دی کہ آپؐ سے تعلق رشتہ کی بنا پر وہ امت پر مسلط ہونے کی کوشش کریں۔ آپؐ کی تحریک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ نبی ہیں اور باقی سب امتی۔ امتی ہونے کی حیثیت سے سب افرادِ ملت کے حقوق یکساں ہیں۔ ایک کو دوسرے پر نسباً کوئی فضیلت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔

(سورۃ الحجرات ۱۲)

اے انسانوں! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قومیں اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو یقیناً تم میں اللہ کے نزدیک وہی سب سے زیادہ معزز ہے جو زیادہ متقی ہے

حضرت ابوہریرہؓ کے دریافت کرنے پر نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا۔

کان اللہ تعالیٰ قد حکم بانّ الاکرم ھو الاتقی ولو انہ ابن زنجیۃ نجیبۃ۔

(رسالہ جمہرہ ابن حزم)

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے خواہ وہ بے نکاحی حبشن کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اُمتیوں میں صرف ایک استثنا ہے اور وہ ہے ازواجِ مطہرات کی حیثیت کا جس طرح نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تمام اُمّت کے روحانی باپ ہیں بالکل اسی طرح آپ کی ازواجِ مطہرات تمام امّت کی روحانی مائیں ہیں اور ہر امتی ان کا فرزند ہے یہی ازواج اہلبیت رسول (رسولؐ کی اہلِ خانہ و اہلیہ) ہیں ان ہی کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) اور آپ کی ازواج صلوات اللہ وسلامہ علیہم سب سے بالا ہیں اور سب امتیوں سے صرف ایک رشتہ رکھتے ہیں یعنی ابوت و امومت کا

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ۔

(سورۃ الاحزاب)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اہلِ ایمان کے نزدیک ان سب کی جانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں اور آپ کی ازواج ان سب کی مائیں ہیں

نبیِ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنے عمل سے بھی قطعی طور سے ثابت کر دیا کہ حقوق و فرائض میں ہر امتی کی حیثیت یکساں ہے۔ آپ سے نسبی رشتہ کے کچھ حقوق ایسے ہوتے جن کی پاسداری آپؐ کی عظیم دعوت اور شریعت کے تحت فرض ہوتی تو یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ ظہور تو آپؐ کی زندگی میں ہوتا۔ آپ کو چونکہ اس امر کا اچھی طرح احساس تھا کہ بمرورِ ایام آپ کی انقلابی دعوت کو مسخ کرنے کی کوششوں میں رشتہ داریوں کو حجت بنایا جا سکے گا۔ اس لئے آپؐ نے خاص اہتمام رکھا کہ سوائے اس دعوت کی پیروی کے اور کسی طرح کوئی فرد آپؐ کے خاندان کا امت پر مسلّط نہ ہونے پائے۔

عہدِ نبویؐ کے واقعات سے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ثابت ہے کہ حکومتِ اسلامیہ کا کوئی ادنےٰ ترین عہدہ بھی آپ نے خاندانِ نبوّت (بنو عبدالمطلب بنو ہاشم) کو نہیں دیا۔ آپ کے عمِ محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، آپؐ کے بنو الاعمام حضرت عقیلؓ و حضرت علیؓ وغیرہم اور تمام عصبات موجود تھے لیکن ان میں سے کسی ایک کا نام بھی نہیں



لیا جا سکتا جسے آپؐ نے کوئی سرکاری عہدہ دیا ہو خواہ عارضی طور سے کیوں نہ ہو۔ ۲۸ دفعہ آپ غزوات کے سلسلے میں مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اور ہر مرتبہ مدینہ میں انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے نائبین کا تعین کیا ان نائبین کی فہرست میں اموی و کلبی و انصاری و غفاری و مخزومی بزرگوں کے نام موجود ہیں۔ لیکن کسی مطلبی و ہاشمی بزرگ کا نام شامل نہیں جیسا کہ ذیل کی مختصر فہرست سے واضح ہوگا۔

| نمبر شمار | نائب مدینہ بہ ایام غزوہ نبی صلعم | تعداد نیابت |
|---|---|---|
| ۱ | عثمان بن عفان اُموی رضؓ | ۲ |
| ۲ | زید بن حارثہ کلبی رضؓ | ۲ |
| ۳ | ابو سلمہ عبدالاسد مخزومی رضؓ | ۱ |
| ۴ | محمد بن مسلمہ انصاری رضؓ | ۳ |
| ۵ | سعد بن معاذ ؍؍ رضؓ | ۱ |
| ۶ | سعد بن عبادہ ؍؍ رضؓ | ۱ |
| ۷ | عبداللہ بن رواحہ ؍؍ رضؓ | ۱ |
| ۸ | سباع بن عرفطہ رضؓ | ۳ |
| ۹ | ابارہم بن غفاری رضؓ | ۴ |
| ۱۰ | عمرو بن قیس (ابن ام مکتوم رضؓ) | ۹ |
| | | ۲۸ |

آپؐ کا آخری غزوہ تبوک تھا جب ۹ھ میں تیس ہزار نفوس کے لشکر کے ساتھ بیرونِ حجاز تشریف لے گئے۔ اس عظیم لشکر کی سرداری حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو تفویض کی گئی۔ مدینہ کے انتظامی امور کے لئے حضرت ابن ام مکتومؓ کو بعض کہتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو نائب مقرر فرمایا اور اپنے اہلِ بیت کی خبرگیری کے لئے حضرت علیؓ کو متعین کیا مختلف علاقہ جات میں جو عمال مقرر فرمائے ان میں کوئی ہاشمی فرد شامل نہ تھا ان کی اکثریت جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اموی بزرگوں کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس بارے میں اتنا اہتمام تھا کہ آپؐ نے اپنے رشتہ داروں پر صدقہ اور زکوٰۃ کا مال لینا حرام قرار دے دیا۔ اقوامِ عالم کا شعلہ ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح لوگ نسلی برتری کی بنا پر عوام

لے صدقات کو اپنا "حق" سمجھتے ہیں اور اپنی بارگاہ میں نذر و نیاز اس کا نام دیتے ہیں۔ اسلام میں اس تصوّر کی جڑ کاٹ دی گئی تھی۔ حکومتِ اسلامیہ کے مستقل ذرائع آمد میں بنو ہاشم کا کوئی امتیازی حصّہ نہیں۔ عام مسلمانوں کی طرح صدقاتِ یا ریہ سے وہ مستفیض ہو سکتے ہیں لیکن خزانۂ عامرہ کی کوئی مد ان کے لئے مخصوص نہیں البتہ ان کے غرباء اور حاجت مند افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لئے غیر مستقل دو مدیں ہیں جن میں ان کا حصہ رکھا گیا یعنی خمس اور فے۔ فقہا کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے۔ امّت کی اکثریت کا مذہب یہ ہے کہ بنو ہاشم کا جو پچیسواں حصّہ غنیمت اور فے میں متعین کیا گیا تھا وہ اوائل اسلام کی بات تھی۔ نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد جس طرح آپؐ کا حصّہ جاتا رہا اور ائمہ اسلام (خلفاء) کی طرف منتقل ہو گیا اسی طرح بنو ہاشم کا حصّہ بھی سوخت ہو گیا۔ لیکن عہدِ راشدین سے لے کر اموی اور عباسی خلفا کا یہ عمل رہا کہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگوں میں چونکہ مالِ غنیمت بکثرت آتا تھا اور بغیر جنگ غیر مسلم حلیف حکومتیں بطور تاوان یا محکومیت جو جو مال و زر پیش کرتی تھیں ان سب کی مقدار ضروریاتِ عامّہ سے بہت زیادہ ہوتی تھی اس لئے یہ روپیہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو ان کے نقیبوں کے ذریعہ تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جن کے پاس اپنے خاندان کے خورد وکلاں، ذکور و اناث سب افراد کی مکمل فہرستیں ہوتی تھیں۔ اس طرح اِن رقوم کے علی السویہ تقسیم میں دشواری نہ ہوتی تھی۔ لیکن یہ حق ہمیشہ کے لئے قائم نہ تھا۔ عند الضرورت اس پر عمل ہوتا تھا چنانچہ جب بعض سلاطین خصوصاً خلفائے آلِ عثمان (ترکوں) نے اس طرف توجہ نہ کی تو ان کا یہ طرزِ عمل کسی درجے میں بھی مستبدانہ قرار نہیں دیا گیا۔ خمس اور فے کا یہ حصہ کوئی سیاسی اہمیت نہیں رکھتا اور بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب اسے اپنا ایسا حق نہیں سمجھ سکتے جیسا کہ مثلاً برہمنوں کا ہندوؤں میں ہے۔ اسلام میں امتیازیت و بالا کا تصور نہیں ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کا یہ عمل کہ آپؐ نے سیاسیاتِ اسلامیہ میں رشتہ کی بنا پر ہاشمیوں کے مستولی ہونے کا سدِّ باب کر دیا اور ادنیٰ درجہ میں بھی کوئی ایسی بات قولاً یا فعلاً نہیں کی جسے بعد کے لوگ حجت پکڑ

---

لے خلافت ہاشمیہ عباسیہ کے بعد سے ایک بزرگ کے مزار و خانقاہ کے بعض لوگ اپنے داعی نام سے موسوم کر کے جلبِ منفعت کے کاروبار میں لگ گئے۔



سکیں نیز یہ کہ آپؐ نے بطور طبقہ حکومتِ اسلامیہ کے مستقل مالیہ پر ان کا کوئی حق نہیں رکھا یہ اس کی عملی دلیل ہے کہ آپؐ صرف اللہ کے رسول اور خاتم النبیّین ہیں۔ اور آپؐ کی ذاتِ بابرکات کو عالمگیر اخوّت کے داعی کی حیثیت ہی سے دیکھا جا سکتا ہے نہ کہ ایسے شخص کی طرح جو روئے زمین پر اپنی یا اپنے خاندان کی حکومت کے خواب دیکھ رہا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑی کوئی ایذا نہیں پہونچائی جا سکتی کہ آپؐ کے نجی اور شخصی وجود کو سرکاری حیثیت دے کر آپؐ کے رشتہ داروں کو امت پر مسلط رکھنے کا خیال پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور کہا جائے کہ ان کو یا ان میں سے کسی شخص کو "رتق و فتق امور مسلمانان کے لئے خدائے تعالےٰ کی جانب سے خاص حق ملا ہوا تھا"۔ حضرت حسینؓ کا سرکاری قافلے کو ماخوذ کرنا اسی اجتہاد سے تھا یا ہو سکتا تھا کہ جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا لیکن عمالِ حکومت نے آپ کے اس اجتہاد و طرزِ عمل کو جس نظر سے دیکھا وہ عاملِ مکّہ کی کارروائی سے واضح ہو جاتا ہے۔

## عاملِ مکّہ اقدامِ مزاحمت

مورخین نے ابو مخنف کی سند سے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ مکّہ سے جب حضرت حسینؓ سفر کوفہ پر روانہ ہو گئے عاملِ مکّہ نے انھیں روکنے کی غرض سے اپنے بھائی کی سرکردگی میں کچھ آدمی ان کے پیچھے دوڑائے مگر حضرت موصوف نے ان لوگوں کا سختی سے مقابلہ کیا اور سفر جاری رکھا۔ وہ روایت ابو مخنف کی یہ ہے۔

لما خرج الحسين من مكة اعترضه رسل عمرو بن سعيد نائب مكة عليهم اخوه يحيى بن سعيد فقالوا له انصرف اين تريد؟ فابى عليهم ومضى وتدافع الفريقان وتضاربوا بالسياط والعصي ثم ان حسينا واصحابه امتنعوا امتناعا قويا ومضى الحسين على وجهه ذالك فنادوه يا حسين الا تتقي الله! تخرج من الجماعة وتفرق بين الامة بعد اجتماع الكلمة

(ص١٦٦ ج ٨ البدایہ والنہایہ ٥٤١٦ھ مصری)

جب (حضرت) حسینؓ مکّہ سے (سفر کوفہ پر) روانہ ہو گئے عمرو بن سعیدؓ عامل مکّہ نے اپنے بھائی یحییٰ بن سعیدؓ کی سرکردگی میں اپنے کچھ آدمی ان کے پیچھے بھیجے تا کہ ان کو (سفر سے) روک لیں۔ ان لوگوں نے (حسینؓ کے) پاس پہونچ کر کہا کہ لوٹ چلو، کہاں جا رہے ہو مگر انھوں نے اس سے انکار کیا اور چلے گئے فریقین میں دھکا پیل اور کوڑوں اور لاٹھیوں سے مار پیٹ ہوئی

حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے
شدید مقاومت کی اور حسینؓ یا ایں ہمہ بڑھے
جا رہے تھے چلے گئے ان لوگوں نے انہیں پکار کر کہا۔
اے حسینؓ! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے جماعت
سے نکلے جا رہے ہو اور امت جب ایک بات
پر متفق ہو چکی ہے اس میں تفرقہ ڈال رہے ہو۔

عاملِ مکہ عمرو بن سعیدؓ کی جانب سے مزاحمت کا جو حال مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے پیشِ نظر یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ جب ان چار مہینوں کے دورانِ حکومت

---

سلہ عمرو بن سعید بن العاص بن سعید بن العاص بن امیہ حضرت حسینؓ اور ابن الزبیر کے مکہ چلے آنے کے زمانے سے پہلے وہاں کے عامل تھے بعد میں مکہ و مدینہ دونوں کا انتظام ان کے سپرد ہوا وہ پشتینی عامل تھے بنی امیہ کے اس گھرانے کو یہ شرف و امتیاز حاصل تھا کہ ابتدائے بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان میں متعدد حضرات مشرف بہ اسلام ہو کر سابقون الاولون کے زمرہ میں شامل ہوئے ان میں سے بعض نے حبشہ کو ہجرت بھی کی عمرو بن سعید کے تین چچوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات کا عامل مقرر کیا۔ الحکم ابن سعید بن العاص بن امیہ کو جن کا نام آپؐ نے عبد اللہؓ رکھا قری عربیہ کا۔ ان کے بھائی خالد بن سعید کو صنعا کا اور ابان بن سعیدؓ کو بحرین کے مقام الخط کا عامل بنایا۔ یہ دونوں بزرگ کاتبانِ وحی کا شرف بھی رکھتے تھے۔ عمرو بن سعید کے والد حضرت سعید بن العاصؓ بن سعید بن العاص بن امیہ فتح مکہ کے زمانے میں کمسن تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ ایدار یمنی کپڑے کی پوشاک پہنائی جو بعد میں ان کے نام کی مناسبت سے "سعیدیا" پوشاک کہلانے لگی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں یہ کوفہ کے عامل رہے۔ عمرو بن سعید بڑے منتظم سخی اور خطیب شخص تھے ان کے بھائی یحییٰ بن سعید کے اخلاف میں متعدد اشخاص محدث اور صاحبِ تصانیف ہوئے۔ خود سیدنا سعید بن العاصؓ اتنے بڑے عالم قاری اور فصیح و بلیغ تھے کہ آپ کی زبان معیاری سمجھی جاتی تھی۔ اور لسانی اعتبار سے عربی زبان کے بارے میں آپ کا قول حجت تھا۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جب قرآن مجید کی



کی طرف سے مزاحمت کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ سفر کوفہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور کوفہ کے لوگ برابر آ جا رہے تھے تو پھر عدم مداخلت کی پالیسی کے خلاف مزاحمت کا یہ اقدام یکایک اور بالخصوص اس وقت کیوں کیا گیا جب حضرت حسینؓ سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ عاملِ مکہ کی اس غیر معمولی کارروائی کا باعث ظاہر ہے کوئی غیر معمولی واقعہ ہی ایسا ہو سکتا ہے جس کے سلسلے میں فوری کارروائی کرنا اس کے اختیاراتِ تمیزی میں داخل ہو۔ ابو مخنف کی روایتوں میں اس قسم کا واقعہ سرکاری قافلہ کی ماخوذی کا ملتا ہے جسے عامل مذکور نے جارحانہ اقدام تصور کر کے مزاحمت کی کارروائی کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھا۔ برخلاف اس کے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا موقف جیسا ابھی عرض کیا گیا یہ تھا یہ ہو سکتا تھا کہ جب ہزاروں کوفیوں کی بیعتِ اطاعت و خلافت کر لینے کی اطلاع آپ کو مل گئی تو اس کے بعد اب آپ کو بھی حکومت و خلافت کے معاملات میں مداخلت کرنے اور عملاً حصہ لینے کا جواز حاصل ہو گیا۔ لیکن عمالِ خلافت اور دوسرے لوگوں نے جن میں اکابر صحابہ و تابعین بہ تعداد کثیر شامل تھے اس رائے اور اجتہاد سے اختلاف کیا۔ واقعات سے ثابت ہے کہ خلیفۂ وقت کی جانب سے ذمہ دار حکام کو صریح ہدایت تھی کہ حضرت حسینؓ سے اس وقت تک کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ ان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جائے جب تک کہ خود ان ہی کی جانب سے کوئی اقدام حکومت کے خلاف عمل میں نہ آ جائے چنانچہ بلاذری نے عاملِ مدینہ کے یہ فقرے نقل کیے ہیں جو انھوں نے حضرت موصوف کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

لیت حلمنا عنک لا یدعو جهل
غیرنا الیک فجنایة لسانک مغفورة
لک ما سکنت یدک فلا تخطر بها
مخطر تملک۔

ایسا نہ ہو کہ آپ کے ساتھ ہمارا نرمی اور
بردباری کا برتاؤ ہمارے سوائے دوسروں
کو جہالت پر آمادہ کر دے پس آپ کی زبان
کی لغزشیں اس وقت تک معاف ہیں جب
تک آپ کا ہاتھ رکا ہے اس لئے آپ
اپنے آپ کو اس طرح مہلکات میں پڑنے دیجئے۔

---

تعلیم بلادِ اسلامیہ کے لئے تیار کرائیں تو سیدنا سعیدؓ کو مقرر کیا کہ املا اور تلفظ کی غلطیاں درست کر دیں۔ اور قبائل کی قرأت کی بجائے قریش کی واحد قرأت پر کلام اللہ کی کتابت کروائیں۔

یہ بیان بھی ان ہی راویوں کا ہے کہ عامل مکہ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے ہمدردوں اور عزیزوں میں سے بعض افراد ان کے پیچھے پیچھے گئے۔ ان میں سے ایک بزرگ کے بارے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ تین راتوں کی مسافت طے کرکے ان کے پاس پہونچے۔ یہ بزرگ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اپنے زمانے کے شیخ الصحابہ تھے جن کا سن اس وقت تقریباً ۷۵ سال کا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے تقریباً سولہ سترہ برس بڑے تھے اور شروع ہی سے ان کو اور حضرت ابن زبیرؓ کو جماعت سے وابستگی کی نصیحتیں کرتے رہتے تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

فلحقہ علی مسیرۃ ثلاث لیال۔ (ص۱۶۲ ج البدایہ والنہایہ)

(حضرت ابن عمرؓ) تین راتوں کی مسافت طے کرکے انکے (حسینؓ کے) پاس پہونچے۔

اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا کر کہ آپؐ کو دنیا و آخرت کی دونوں نعمتیں پیش ہوئیں۔ آپؐ نے آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دی تھی حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ تم چونکہ ان کی ذریت میں ہو دنیاوی حکومت وخلافت کی طلب سے علیحدہ رہو۔ یہ تم کو حاصل نہ ہوگی انک بضعۃ منہ ولا تنالہا۔ یعنی الدنیا (ص۱۶۳ ایضاً)

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن جعفرؓ دونوں بزرگوں کی یہ کوشش شروع ہی سے تھی کہ حضرت حسینؓ کوفیوں سے علیحدہ رہیں اور ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

حضرت ابن جعفرؓ کی شدید مخالفت کا ذکر پہلے آچکا ہے علامہ ابن حزم کی تصریح کے مطابق (ص۶۸ جمہرۃ الانساب) ان کے سترہ بیٹے تھے بعض نسابین نے چوبیس تک شمار کئے ہیں۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے حضرت جعفرؓ کی اولاد کے حالات بہ نسبت دیگر نسابین کے زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفرؓ کے بیس بیٹے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوبیس تھے (عمدۃ الطالب) مؤلف عمدۃ الطالب نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ سیدہ زینبؓ کے بطن سے عبد اللہ بن جعفرؓ کے صرف ایک بیٹے علی تھے جو اپنی والدہ کی نسبت سے علی الزینبی کہلاتے تھے۔ ان کے سوائے اور کوئی زینبی نہیں کہلاتا تھا (ص۶۸ جمہرۃ الانساب ابن حزم و ص۲۱ عمدۃ الطالب) یہ علی زینبی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے داماد بھی تھے اور صاحب نسل ہیں۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہیں ہوئے۔ عمدۃ الطالب کے مؤلف نے یہ بھی بیان کیا ہے



کہ جعفر بن ابی طالب کے اسماء بنت عمیس الخثعمیہ سے آٹھ بیٹے تھے یعنی عبد اللہ، عون و محمد الاکبر و محمد الاصغر و حمید و حسین و عبد الاصغر و عبد اللہ الاکبر (ص۲۰) یہی مؤلف صراحۃً بیان کرتے ہیں کہ جو عون اور محمد کربلا میں مقتول ہوئے وہ جعفرؓ بن ابی طالب کے بیٹے تھے یعنی عبد اللہ بن جعفرؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

واما عون ومحمد الاصغر فقتلا مع ابن عمہما الحسین علیہ السلام یوم الطف۔ (ص۲۰ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنو)

لیکن عون اور محمد الاصغر یہ دونوں اپنے چچیرے بھائی حسین علیہ السلام کے ساتھ یوم طف (کربلا) میں مقتول ہوئے۔

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں البتہ یہ لکھا ہے کہ علی الزینبی کے علاوہ جعفر الاکبر وعون الاکبر و عباس یہ تین بیٹے بھی سیدہ زینبؓ کے بطن سے تھے لیکن یہ عون الاکبر کربلا نہیں گئے بلکہ پہلے ہی فوت ہوگئے تھے (ص۶۸ جمہرۃ ابن حزم) بہرحال عمدۃ الطالب کی تصریح کے اعتبار سے عون و محمد قتل کربلا حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے اور اگر یہ بیان صحیح نہ ہو اور یہ دونوں حضرات حضرت عبد اللہؓ کے بیٹے ہی مانے جائیں تب بھی یہ عون الاصغر سیدہ زینبؓ کے بطن سے نہیں تھے بلکہ جمانہ بنت المسیب الفزاریہ کے بطن سے تھے اور ان کے سوتیلے بھائی محمد مقتول کربلا کی والدہ الخوصا بنت حفصہ بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے قبیلہ سے تھیں۔ (کتاب المعارف ابن قتیبہ ص۹۰ مطبوعہ مصر)

راقم الحروف نے یہ تفصیل اس غرض سے پیش کی ہے کہ حضرت ابن جعفرؓ جب اس خروج کے ایسے شدید مخالف تھے کہ اپنی زوجہ محترمہ سے جو اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑنا

---

۱؎ حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؓ کی ولادت ملک حبشہ میں اس وقت ہوئی تھی جب ان کے والدین ابتدائے بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں مکہ سے وہاں ہجرت کر گئے تھے ان کے والد ماجد اپنے چھوٹے بھائی حضرت علیؓ سے عمر میں دس سال بڑے تھے اور خاندان رسالت (بنی ہاشم) میں وہی پہلے نوجوان تھے جو سب سے پہلے اسلام لائے اور دہ

نہ چاہتی تھیں جدائی گوارا کرلی تھی اور اپنے بڑے بیٹے علی الزینبی کو بھی ان کی ماں کے ساتھ نہ جانے دیا تھا تو سترہ یا چوبیس بیٹوں میں سے صرف دو کو حسینی قافلہ کے ساتھ جانے کی کیونکر اجازت دے سکتے تھے۔ روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عون و محمد فرزندان عبداللہ بن جعفرؓ عامل مکہ کے بھائی یحییٰ بن سعید کے ساتھ حسینی قافلے کو روکنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ فرستادگان عامل کی معیت میں ان کا [illegible] بھیجا جانا حسینی قافلہ کی شرکت کی غرض سے تو نہ تھا بلکہ اسی غرض سے تھا جس کے لئے [illegible] فرستادگان کی طرح اپنے مشن میں ناکام رہ کر واپس لوٹ آئے تو اس نام کے مقتولین کربلا حسب تصریح عمدۃ الطالب عبداللہ ابن جعفرؓ کے بھائی تھے اور اگر یہ دونوں ہی خود اپنی طبیعت سے یا اپنے عزیزوں کے جبر سے قافلہ کے ساتھ چلے گئے تھے تو سیدہ زینبؓ کے سوتیلے بیٹے تھے۔ ان کے اپنے بیٹے نہیں تھے۔ ابو مخنف نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی ان کوششوں کو جو اپنے چچیرے بھائی اور برادر نسبتی حضرت حسینؓ کو خروج سے روکنے کی کیں اپنے خاص مسلک کے اعتبار سے دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

---

۲ پہلے اور آخری ہاشمی تھے جنہوں نے دو ہجرتوں کا امتیاز حاصل کیا تھا یعنی ایک ہجرت مکہ سے حبشہ کو اور دوسری حبشہ سے مدینہ کو اور پھر وہی تنہا ایسے صحابی اور ہاشمی تھے جنہوں نے عہد نبوی صلعم میں عرب کے باہر غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کا شرف حاصل کیا حضرت اصحمہ نجاشی ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے ان کے بھی ایک بیٹا اسی زمانہ میں پیدا ہوا جس زمانہ میں یہ عبداللہ تولد ہوئے تھے اس کا نام بھی عبداللہ رکھا گیا اور زوجہ حضرت جعفرؓ نے اپنے بیٹے کے ساتھ اس کو بھی دودھ پلایا تھا۔ حضرت جعفرؓ کے جنگ موتہ میں شہید ہو جانے پر عبداللہ اور ان کے دوسرے بھائی آنحضرت صلعم کے ظل عاطفت اور شفقت میں پرورش پاتے رہے آپ نے حضرت جعفرؓ کے ان بچوں کے بارے میں فرمایا تھا انا لهم عوضاً من ابيهم یعنی میں ان بچوں کے باپ کے بجائے ہوں حضرت عبداللہ جعفرؓ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت دس اور گیارہ برس کے درمیان تھی یعنی سن تمیز میں شرف صحابیت حاصل تھا۔ تیرہ حدیثیں ان سے مروی ہیں وہ حضرت حسینؓ کے خروج کے سخت مخالف تھے حتیٰ کہ اپنی زوجہ سیدہ زینب کو جو اپنے بھائی کے ساتھ جانے پر مصر ہوئیں طلاق دیدی تھی۔



انھوں نے عون و محمد اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ ایک تحریر حضرت حسینؓ کی روانگی کوفہ کے بعد بھیجی تھی اس میں لکھا تھا۔

| | |
|---|---|
| ان هلكت اليوم طفی نورا سلام | اگر تم یوں ہلاک ہو گئے تو نور اسلام جاتا |
| فانك علم المهتدين ورجاء | رہے گا۔ کیونکہ تم اہل ہدایت کے رہنما ہو |
| المؤمنين۔ | اور اہل ایمان کا سہارا ہو۔ |

(مشاجرات البدایہ والنہایہ و مشاجرات طبری)

طبری نے "نور اسلام" کے بجائے "نور الارض" کے الفاظ رکھے ہیں بہرکیف "نور الاسلام" کے لفظ ہوں یا "نور الارض" کے یہ فقرے ان راویوں کے وضعی ہیں اور خاص ذہنیت کے ترجمان۔ وہ اسلام کا نور ہو یا دنیا کا کسی فانی انسان کی موت و زیست پر نہ نور اسلام کا مدار ہے نہ نور ارض کا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے ان کلمات کو منسوب کرنا درست نہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں کے نور سے نور اسلام سے منور بزرگ ترین ہستیوں کی وفات اور شہادت کے واقعات یکے بعد دیگرے اور پے در پے دیکھے تھے۔ ان بزرگ ترین ہستیوں کے دار فانی سے گذر جانے پر نہ تعلیمات اسلام کے نور کی تابانی میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ نور ارض کی درخشانی میں سرور عالم و عالمیان صلے اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات سے زیادہ اور کون دن مسلمانوں کے لئے غم و اندوہ کا ہو سکتا تھا۔ اس دن کا سارا حسرت ناک سماں ابن جعفرؓ کا اپنی آنکھوں کا دیکھا تھا۔ اپنے ہی کانوں انھوں نے بعد رسول صلعم اسلام کی سب سے بڑی شخصیت آپ کے یار غار حضرت ابوبکر الصدیقؓ نفقی النبی صلعم کے منہ سے ہمیشہ زندہ رہنے والے یہ الفاظ بھی سنے تھے۔

| | |
|---|---|
| أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ | اے لوگو! جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا وہ |
| مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ | سمجھ لے کہ محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ |
| وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ | کو معبود جانتا ہے تو وہ جان لے کہ اللہ زندہ |
| حَيٌّ لَا يَمُوتُ۔ | ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ |

اس کے بعد صدیق اکبرؓ کا قرآن مجید کی اس آیت کو برمحل تلاوت فرمانا۔ دیگر صحابہ کی طرح جو یہاں موجود تھے ابن جعفرؓ کو بھی یاد رہا۔

| | |
|---|---|
| وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ | اور محمدؐ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ |

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔

کے رسول ہیں آپ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مرجائیں گے یا قتل کردیئے جائیں گے تو تم برگشتہ ہو جاؤگے اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہونچائے گا۔ اور اللہ شکرگزاروں کو عنقریب جزا دے گا۔

ان حقائق کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ تو جیسا ذکر ہو چکا ہے۔ سن وسال میں حضرت ابن جعفرؓ سے کئی سال چھوٹے مثل برادر خورد کے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تقریباً پانچ برس کی عمر تھی[1]

ادرک الحسین من حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خمس سنین اونحوھا۔ (ص۱۵۰ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حسینؓ نے کوئی پانچ برس کا زمانہ پایا تھا۔

اتنی چھوٹی عمر سنِ تمیز کی نہیں ہوتی، بعض آئمہ نے تو ان کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کو جوان سے سال بھر کے قریب بڑے تھے زمرہ صحابہ کے بجائے تابعین میں شامل کیا ہے۔

وقد روی صالح بن احمد بن حنبل عن ابیہ انہ قال فی الحسن بن علی انہ تابعی ثقہ وھذا غریب فلأن یقول فی الحسین انہ تابعی بطریق الاولیٰ۔

(ص۱۵۱ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند صالح نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حسن بن علیؓ ثقہ تابعی تھے۔ یہ قول غریب ہے تاہم حسینؓ کے بارے میں بدرجہ اُولیٰ کہا جائے گا کہ وہ تابعی تھے صحابہ کے زمرہ میں شامل نہ تھے۔

---

[1] ابن قتیبہ کی ایک روایت کے مطابق (المعارف ص۹۲) ان کے بڑے بھائی کی ولادت جب ۳ھ میں ہوئی تو یہ ۴ھ میں تولد ہوئے۔ اس اعتبار سے ان کی عمر اس وقت تین چار سال کی ہوگی۔



ان تمام حالات کے پیش نظر یہ کیسے باور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن جعفرؓ نے اپنے ایک خورد کے لئے یہ الفاظ کہے ہوں یا تحریر کئے ہوں۔ یہ تو ان ہی سبائی راویوں کی ساختگی ہے ان ہی کے وضع کردہ یہ کلمات ہیں جو باعتبار معنی و مطالب حقیقت سے قطعاً بعید ہیں۔ قطع نظر اس کے راویوں کی یہ روایت اگر صحیح بھی ہو کہ حضرت ابن عمرؓ اور فرزندان ابن جعفرؓ حسینی قافلہ کے پیچھے پیچھے گئے تو اس صورت میں یہ بھی یقینی امر ہے کہ یوم ترویہ ۸ ذی الحجہ کے بجائے جیسا یہ راوی باور کرانا چاہتے ہیں حسینی قافلہ ۱۰ ذی الحجہ کو بعد ادائے حج روانہ ہوا ورنہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت کا فریضہ حج ترک کرکے قافلہ کے پیچھے پیچھے چلا جانا اور وہ بھی تین راتوں کی مسافت پر ہرگز قرینِ قیاس نہیں۔ راویوں کا یہ بیان بھی قابلِ پذیرائی نہیں کہ حسینی قافلہ نے اس سرعت اور تیز رفتاری سے سفر کیا کہ ایک ہی دن میں دو منزلیں طے کرلیں یعنی پہلی منزل بستانِ ابنِ عامر چھوڑ کر دوسری منزل ذاتِ عرق پر جاکر دم لیا۔ طبری کی روایت کے الفاظ ہیں کہ:

واقبل الحسین مغذا لا یلوی علی شیٔ حتی نزل ذات عرق (ص۲۱۹ ج۶ طبری)

اور حسینؓ نے ایسی تیز رفتاری سے سفر کیا کہ کسی شے کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا یہاں تک منزلیں چھوڑتے ہوئے ذاتِ عرق جاکر اترے۔

سفر شروع کرتے ہوئے تیز رفتاری سے چلنا تو قدرتی سی بات ہے لیکن ایک ایسے قافلہ کا جس میں تقریباً دو سو اونٹوں کی قطاریں شامل ہوں جن کی رفتار کا اوسط بدیا خاص حالات میں ڈھائی میل فی گھنٹہ ہوتا ہو ۵۴ انگریزی میل کی مسافت ایک ہی دن میں طے کرلینا خصوصاً ایسی حالت میں کہ خواتین اور اطفال بھی قافلہ میں شامل ہوں ہرگز صحیح نہیں۔

کوفہ جاتے ہوئے جیسا آگے تفصیلی بیان آتا ہے پہلی منزل ۲۴ عربی اور ۲۸۰۱ انگریزی میل کے فاصلہ پر بستانِ ابنِ عامر ہے۔ وہاں سے ۲۲ عربی اور ۲۶۰۲ انگریزی میل کے فاصلہ پر دوسری منزل ذاتِ عرق ہے ان دونوں منزلوں کا فاصلہ ۴۶ عربی اور ۵۴۰۵ انگریزی میل کا ہوتا ہے۔ راویوں نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ ایسا کون سا خطرہ درپیش تھا کہ ۵۴۰۵ انگریزی میل کی مسافت یوں طے کی گئی کہ کسی شے کی طرف

مڑ کر بھی نہ دیکھ سکنے۔ بالفاظِ دیگر تمام دن اور تمام رات گویا بلا توقف اس طرح مسلسل چلتے رہے کہ اثنائے راہ میں کوئی شخص اپنی معمولی ضروریات کے لئے یا کھانا کھانے اور نمازِ پنجگانہ ادا کرنے کے لئے بھی نہ اترا۔ عاملِ مکّہ کے بھیجے ہوئے لوگ تو جیسا آپ پڑھ آئے ہیں پہلے ہی بے نیل و مرام لوٹ گئے تھے۔ اس کے پاس ایسی کون سی فوج تھی جس کے تعاقب کا خوف وہراس غیر معمولی طریق سفر اختیار کر دینے پر مجبور کر دیتا مؤلف ناسخ التواریخ کے اس بیان کو کون صحیح العقل باور کر سکے گا۔

یزید بن معاویہ سی تن از شیاطین بنی امیہ را مامور داشت کہ با زائرین بیت اللہ کوچ دادہ در مکّہ حسین رض را ماخوذ دارند اگر نتوانند مقتول سازند چون حسین رض برکیدت او رعالم بود ناچار سفرِ عراق را تصمیم عزم داد۔

(ص۲۰ جلد ۶۔ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

یزید بن معاویہ نے بنی امیہ کے شیطانوں میں سے تیس شخص اس کام پر مامور کئے کہ بیت اللہ کے حاجیوں کے ساتھ سفر کر کے حسین رض کو مکہ میں گرفتار کر لیں اور اگر یہ نہ کر سکیں تو قتل کر دیں۔ حسین رض چونکہ اس کے مکر سے آگاہ تھے ناچار انھوں نے سفرِ عراق کا مصمم ارادہ کر لیا۔

حضرت حسین رض کے سفرِ عراق کی یہ وجہ جس کسی نے بھی تراشی ہے اس نے یہ نہ سوچا کہ حضرت موصوف اور ان کے ساتھ کوفی ساتھیوں نیز ان کے بعض اہلِ خاندان کی دلیری اور شجاعت وشہامت کا کیسا غلط نقشہ کھینچ رہا ہے کہ "تیس شیاطین بنی امیہ" کے خوف سے سفرِ عراق کا عزم صمیم کر لیا اور فریضۂ حج بھی ترک کر کے سفرِ کوفہ پر روانہ ہوگئے۔ راویوں نے جس مقصد کے پیشِ نظر ۱۰ ذی الحجہ کے بجائے ۸ ذی الحجہ تاریخ روانگی کی قرار دی ہے۔ وہی غرض اور مقصد ایک منزل کے بجائے دو منزلوں کی مسافت ایک دن میں طے کرا دینے کی ہے یعنی ۱۰ محرم ۶۱ھ سے چند دن پیشتر حسینی قافلہ کا کربلا پہونچا دینا جو بعد مسافت و تعدادِ منازل و مراحل راہ کے اعتبار سے کسی طرح بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچ سکتا جیسا ذیل کی تفاصیل سے بخوبی ہویدا ہے۔

## سفرِ عراق کی منزلیں اور فاصلے

مکہ مکرمہ سے کربلا کا فاصلہ اس راستہ "طریق الاعظم" سے جو حسینی قافلہ



نے کوفہ جاتے ہوئے قادسیہ سے کچھ آگے بڑھ کر اور پھر واپس ہو جانے کے بعد براہِ العذیب و قصر مقاتل اختیار کیا تھا آٹھ سو عربی میل اور تقریباً ساڑھے نو سو انگریزی میل ہوتا ہے۔ یہی وہ طریق الاعظم ہے جو ظہورِ اسلام سے صدیوں پہلے کا زوانی راستہ چلا آتا تھا۔ اس راستے کی منزلیں، مرحلے، پڑاؤ، رات گذارنے اور پانی کے مقامات یہ سب ایسے فاصلوں پر موجود و معین چلے آتے تھے کہ قافلے تو قافلے جریدہ سفر کرنے والے بھی ان سے مستغنی نہیں رہ سکتے تھے مستند کتب بلدان و جغرافیہ، سفر ناموں نیز قدیم و جدید نقشوں میں یہی منزلیں اور فاصلے ان تمام تصریحات کے ساتھ درج ہیں کہ ہر منزل میں کہاں فرودگاہیں، کہاں کنویں اور حوض و تالاب ہیں، پانی ان کا وافر اور شیریں و لطیف ہے یا نہیں کس قوم و قبیلے کے لوگ وہاں آباد ہیں۔ خورد و نوش کی کیا کیا اشیاء دستیاب ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ۲۴ عربی میل کے فاصلے پر پہلی منزل بستان ابن عامر آتی ہے۔ یہ مقام بنی تیم بن مرہ کے ایک شخص سے موسوم ہے۔ بعض اس کو عامر الحضرمی سے اور دوسرے ابن عامر بن کریز اموی سے منسوب کرتے ہیں۔ (ص۵۵ فتوح البلدان بلاذری) یہاں سے ایک راستہ صنعا (یمن) کو جاتا ہے اور دوسرا کوفہ کو۔ اس کے بعد دوسری منزل ذاتِ عرق ۲۲ عربی میل کے فاصلہ پر ہے یہاں سے ایک راستہ اوطاس ہو کر بصرہ کو اور دوسرا کوفہ جاتا ہے۔ ذاتِ عرق سے آٹھ منزلوں کے بعد نویں منزل معدنِ نقرہ ہے جہاں سے ایک راستہ مدینہ منورہ کی جانب جاتا ہے اور دوسرا سیدھا کوفہ کو۔ مدینہ سے کوفہ جانے والے مسافر اور قافلے بھی سب اسی راستے سے سفر کرتے ہیں۔ معدنِ نقرہ کے بعد الحاجر ہے اور وہاں سے پندرھویں منزل قادسیہ آتی ہے جو نجف سے ۱۵ میل جنوب میں ہے۔ اس مقام سے تین میل پہلے ہی حسبِ روایت جناب ابو جعفر محمد (الباقر) حضرت حسین رض نے کوفیوں کی غداری کا حال سن کر کوفہ جانے کا قصد ترک کر دیا تھا اور واپس ہو کر وہ راستہ اختیار کیا تھا جو قصر مقاتل و قریاتِ ارض الطف ہو کر دمشق جاتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں سے چند میل آگے بڑھ کر واپس ہوئے تھے۔

الغرض مکہ مکرمہ سے براہِ قادسیہ کربلا تک پہونچنے کے لئے تیس درمیانی

منزلیں طے کرنا لازم ولابد تھیں۔ اکتیسویں منزل بیش آمدہ حالات وواقعات کے لحاظ سے ارض الطف کے قریہ العقر کے مضافاتی و متصلہ کھیڑے کی زمین کربلا ہوئی جو قریہ مذکور کی فصل غلّہ پچھوڑنے یا بھوسہ اُڑا کر صاف کرنے کا میدان تھا جو مؤلف معجم البلدان (امام شہاب الدین عبد اللہ یاقوت حموی) کے الفاظ میں "منقاة من الحصی والدغل" تھا یعنی کنکر روڑے جھاڑ جھنکار سے صاف تھا۔ راویوں نے ان تیس منزلوں کے بجائے صرف گیارہ درمیانی اور چند آخری منزلوں کے نام لئے ہیں اور یہ بھی اس طور سے کہ مکہ مکرمہ کے بعد پہلی منزل بستان ابن عامر کا نام ترک کرکے دوسری منزل ذات عرق کا نام لیا اس کے بعد اکھٹی نو منزلیں ترک کرکے زرود (یا الخزیمیہ) اور ثعلبیہ کا ذکر کیا علی ہذا ان منزلوں کے ناموں، تعداد اور فاصلہ کا اظہار شاید اس لئے مناسب نہیں سمجھا گیا کہ حسینی قافلے کے دوسری محرم سنہ ۶۱ھ کو کربلا جیسے بعید مقام پر جو کہ مکہ معظمہ سے تقریباً ساڑھے نو سو انگریزی میل کی مسافت پر واقع ہے آٹھ دن پہلے ہی پہونچا دینے کی روایت کی اس سے تغلیظ و تردید ہو جاتی ہے بہر حال جو وجہ اور سبب بھی عدم اظہار و اخفا کا ہو حقائق ہمیشہ پردۂ خفا میں مستور نہیں رہ سکتے کبھی نہ کبھی تو ظاہر ہو کر رہتے ہیں ذیل کی جدول میں سب منزلوں کے نام اور ان کے فاصلے باعتبار عربی میل اس تصریح کے ساتھ درج ہیں کہ حسینی قافلہ اگر ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا جیسا کہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے اور روزانہ بلا ناغہ سفر کرتا رہا تو کس کس منزل سے اس کا گذر ہوا اور قادسیہ سے کچھ آگے چل کر جب کوفہ جانے کا قصد ترک کرکے العذیب کی جانب واپس ہوا اور دمشق کا راستہ اختیار کیا تو کس تاریخ کو کربلا پہونچا یا پہونچ سکتا تھا۔

ان تمام منزلوں کے نام اور فاصلے جیسا پہلے عرض کیا گیا مستند کتب بلدان و جغرافیہ اور سفر ناموں سے اخذ کرکے درج کئے گئے ہیں۔ کتاب البلدان یعقوبی کے مؤلف احمد بن ابی یعقوب ابن واضح متوفی سنہ ۲۸۴ھ مسلکاً شیعہ تھے۔ ان کی کتاب البلدان کے نسخہ مطبوعہ بریل سنہ ۱۸۶۰ء (صفحہ ۹۴-۲۶) میں "المنازل من الکوفة الی المدینة ومکة" کے تحت جو منزلیں کوفہ سے مدینہ ومکہ تک تفصیلاً درج ہیں وہی سب منزلیں اور ان کے فاصلے دوسری کتب بلدان و جغرافیہ میں بھی اسی سلسلے سے پائی



جاتی ہیں مثلاً تاریخ گزیدہ کے مؤلف حمد اللہ مستوفی قزوینی نے جو حریاحی کو اپنا جد بتاتے ہیں اپنی دوسری کتاب نزہتہ القلوب میں جو سنہ ۷۴۰ھ میں تالیف کی اس کا مقالہ سیوم جغرافیہ عالم کے بیان میں ہے اس میں بعنوان "در صفت بلدان و ولایات و بقاع" یہی سب منزلیں اور ان کے درمیانی فاصلے بغداد و کوفہ و نجف سے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ تک تفصیل سے درج ہیں ان سب منزلوں اور فاصلوں کی تائید مزید دیگر کتب سے ہوتی ہے مثلاً کتاب الخراج وصنعتہ الکتابت کے مؤلف الفرج قدامہ[۱] بن جعفر نے بھی اسی ترتیب سے یہ سب منزلیں اور فاصلے بیان کئے ہیں۔ اس مؤلف کا زمانہ نزہتہ القلوب کے مؤلف کے زمانہ سے تقریباً پانچ سو برس قبل کا ہے اس کے زمانے سے پانسو برس بعد مشہور سیاح عالم ابن بطوطہ نے حجاز سے عراق کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے ان منازل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ رحلہ ابن بطوطہ کے انگریز مترجم مسٹر گب نے ان منازل اور ان کے درمیانی فاصلوں کی مزید وضاحت کے لئے نوٹ بھی لکھے ہیں۔ اس میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ بارہ سو برس کی مدت میں اس راستہ اور اس کی منازل میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ یاقوت حموی نے اپنی مشہور تالیف معجم البلدان میں ان منازل کا تفصیلی بیان کیا ہے۔ اسی طرح اور متعدد قدیم و جدید تالیفات ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہے اس راستہ کی منزلوں اور فاصلوں کی تفصیلات ملتی ہیں خاص کر بعض مستشرقین کی تالیفات اور جدید نقشہ جات میں دو تین مقامات کے ناموں میں تبدیلی ہو گئی ہے مثلاً القاع کو حرف "گ" سے الگا کہنے لگے ہیں۔ زرود کا نام الخزیمیہ اس وجہ سے پڑ گیا کہ جنرل الخزیمہ نے یہاں حوض وغیرہ تعمیر کرائے تھے کسی کسی منزل کے فاصلے میں ایک دو میل کا فرق بعض تالیفات میں پایا جاتا ہے الغرض یہ مقامات اور ان کے فاصلے آج بھی موجود ہیں۔ کسی کو شوق اور ہمت ہو تو خود سفر کرکے ان منازل کی تعداد اور فاصلوں کی موقع پر تصدیق کر سکتا ہے۔

---

[۱] ابو الفرج قدامہ مذہباً عیسائی تھے امیر المومنین المکتفی باللہ عباسی کے ہاتھ پر اسلام لائے دیوان خراج کی خدمت پر مامور تھے اور مستثنیٰ قابلیت کے شخص تھے مدینۃ الاسلام بغداد سے اطراف و اکناف عالم کے جو راستے جاتے تھے ان سب کا بڑی وضاحت سے حال لکھا ہے۔

| نمبر شمار | منزلیں اور فاصلے | | تاریخ آمد و روانگی قافلہ | | راویوں کی بیان کردہ منزلیں | کیفیت |
|---|---|---|---|---|---|---|
| | منزل | فاصلہ | آمد | روانگی | | |
| ۱ | مکہ معظمہ | ״ | ۰ | ۱۰ ذی الحجہ ۶۰ھ | | |
| ۲ | بستان ابن عامر | ۲۴ عربی میل | ۱۰ر | ۱۱ر ״ | × | |
| ۳ | ذاتِ عرق | ۲۲ ״ | ۱۱ر | ۱۲ر ״ | ذاتِ عرق | |
| ۴ | الغمرہ | ۲۶ ״ | ۱۲ر | ۱۳ر ״ | × | |
| ۵ | المسلح | ۱۸ ״ | ۱۳ر | ۱۴ر ״ | × | |
| ۶ | الفیعیہ | ۳۴ ״ | ۱۴ر | ۱۵ر ״ | | |
| ۷ | العمق | ۳۲ ״ | ۱۵ر | ۱۶ر ״ | | |
| ۸ | سلیلہ | ۲۱ ״ | ۱۶ر | ۱۷ر ״ | × | |
| ۹ | معدن بنی سلیم | ۲۶ ״ | ۱۷ر | ۱۸ر ״ | × | |
| ۱۰ | ربذہ | ۲۴ ״ | ۱۵ر | ۱۹ر ״ | × | |
| ۱۱ | مغیثۃ الماوان | ۲۴ ״ | ۱۹ر | ۲۰ر ״ | × | |
| ۱۲ | معدن نقرہ | ۳۳ ״ | ۲۰ر | ۲۱ر ״ | × | |
| ۱۳ | الحاجر | ۳۴ ״ | ۲۱ر | ۲۲ر ״ | الحاجر | |
| ۱۴ | سمیراء | ۳۴ ״ | ۲۲ر | ۲۳ر ״ | × | |
| ۱۵ | توز | ۳۰ ״ | ۲۳ر | ۲۴ر ״ | × | |
| ۱۶ | فید | ۳۱ ״ | ۲۴ر | ۲۵ر ״ | × | |
| ۱۷ | الاجفر | ۳۳ ״ | ۲۵ر | ۲۶ر ״ | × | |
| ۱۸ | الخزیمیہ (زرود) | ۲۴ر ״ | ۲۶ر | ۲۷ر ״ | زرود | پہلے الخزیمیہ کا نام زرود تھا |
| ۱۹ | ثعلبیہ | ۳۳ ״ | ۲۷ر | ۲۸ر ״ | ثعلبیہ | |
| ۲۰ | قبر العبادی | ۲۹ ״ | ۲۸ر | ۲۹ر ״ | × | اس کو لطال بھی کہتے ہیں |
| ۲۱ | الشقوق | ۲۴ ״ | ۲۹ر | یکم محرم ۶۱ھ | × | |
| ۲۲ | زبالہ | ۲۱ ״ | یکم محرم | ۲ر ״ | زبالہ | |



| نمبر شمار | منزل | فاصلہ | آمد | روانگی | بیان کردہ منزلیں | کیفیت |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۲۳ | القاع | ۲۴ عربی میل | ۲ر محرم | ۳ر محرم | × | |
| ۲۴ | عقبہ | ۲۴ ״ | ۳ر ״ | ۴ر ״ | × | عقبۃ الشیطان کہلاتا تھا اب نقشوں میں ہے۔ |
| ۲۵ | واقصہ | ۲۴ ״ | ۴ر ״ | ۵ر ״ | شراف | واقصہ سے چند میل کے فاصلہ پر شراف ہے۔ |
| ۲۶ | القرعا | ۲۴ ״ | ۵ر ״ | ۶ر ״ | × | |
| ۲۷ | المغیثہ | ۳۲ ״ | ۶ر ״ | ۷ر ״ | × | |
| ۲۸ | قریب قادسیہ براہ العذیب اور رواقیسی | ۳۴ ״ | ۷ر ״ | ۸ر ״ | قادسیہ | |
| ۲۹ | ذوحسم | | ۸ر ״ | ۹ر ״ | × | |
| ۳۰ | قصر مقاتل | ۵۴ر ״ | ۹ر ״ | ۱۰ر ״ | × | |
| ۳۱ | کربلا | | ۱۰ر ״ | — | × | |

کل فاصلہ مکہ سے کربلا تک ———— ۸۰۰ عربی میل

کل مدت سفر ———— ۳۰ یوم

## حجازی قافلوں کی اوسط رفتار

حجازی قافلوں کی رفتار ریگستانی میدانی اور پتھریلی جگہوں میں سفر کرنے کی حالت میں عموماً کیا ہوتی ہے اس کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ سر رچرڈ ایف برٹن نے حجازی قافلوں میں سفر کیا ہے وہ اپنے تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

"میں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطاریں بوجھ سے لدا چل رہا ہو معمولی حالت کے تحت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی میل[1] ہوتی ہے ریگستانی میدان یا چٹانی گھاٹی کے سفر میں البتہ آدھ میل کا فرق کم یا زیادہ پڑ سکتا ہے مگر اس سے زیادہ نہیں"

(حاشیہ صـ ۲۴۴ ج ۲ سفرنامہ برٹن)

---

[1] ایک جغرافیائی میل، خط استوا پر طول البلد کا ایک دقیقہ = تقریباً $\frac{69}{60}$ تا $\frac{23}{20}$ انگریزی میل۔

برٹن کے اس قول کی تائید محمد بک لبیب البتونی مؤلف "رحلۃ الحجازیہ" کے بیان سے بھی ہوتی ہے جنھوں نے خدیوِ مصر عباس حلمی پاشا مرحوم کے زیرِ سرپرستی یہ کتاب غایت تحقیق سے مرتب کی تھی جو باعتبار مضامین و حسنِ طباعت و نقشہ جات وغیرہ اپنی مثال آپ ہے۔ مؤلف موصوف مصری قافلہ کے اونٹوں کی رفتار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وعلی الحساب ان الجمل یقطع فی الساعۃ الواحدۃ اربعۃ کیلومترات ص۳۷

(ایک اونٹ تخمیناً چار کلومیٹر کی مسافت ایک گھنٹے میں طے کرتا ہے۔)

ایک کیلومیٹر ⅝ میل کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے بھی وہی اوسط یعنی ۲½ میل فی گھنٹہ کا آتا ہے۔ جس کا ذکر برٹن نے بھی کیا ہے۔ قافلہ کی رفتار کے کم زیادہ ہونے کا انحصار صرف میدانی علاقہ، ریگستان اور پتھریلی زمین کی نوعیت سفر ہی پر نہیں بلکہ قافلوں کے اونٹوں کی تعداد و بعدِ مسافت پر بھی ہے۔ قافلہ جتنا بڑا ہوگا۔ اونٹوں کی قطاریں جتنی زیادہ ہوں گی، سفر جتنا طویل ہوگا، سامانِ قافلہ کے باربردار اونٹ جتنی کثرت سے ہوں گے۔ خواتین و اطفال کی سواری کے اونٹ جتنی زیادہ تعداد میں ہوں گے اِن سب حالات کا اثر قافلہ کی رفتار پر پڑنا لازم ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ قافلہ روزانہ سفر کرتا رہے تقریباً ساڑھے نو سو انگیزی میل کی مسافت طے کرنے کے لئے بارہ گھنٹے روزانہ ڈھائی میل فی گھنٹہ کے اوسط سے کم سے کم تیس اکتیس دن کی مدّتِ سفر ضرور ہونی چاہیئے اس سے کم دنوں میں یہ فاصلہ طے ہونا محالات سے ہے غرضیکہ حسینی قافلہ تیس دن کی منزلیں طے کرکے کربلا پہونچ سکتا تھا اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

## واقعاتِ دورانِ سفر

ابو مخنف کی روایت میں جس کو تقریباً جملہ مورخین اخبار الطوال و طبری و ابن کثیر وغیرہم نے نقل کیا ہے لکھا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ جب اثنائے سفر میں مقام الحاجر پہونچے بالفاظِ دیگر بارہ منزلیں اور ۳۳۸ عربی میل کا فاصلہ طے کرکے جب اس منزل پر پہونچے انھوں نے ایک قاصد قیس بن مسہر الصیداوی کے ہاتھ حسب ذیل تحریر اہلِ کوفہ کو بھیجی:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من الحسین بن علی الی اخوانہ من المؤمنین والمسلمین سلام علیکم۔ فانی احمد الیکم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔ اما بعد۔ فان کتاب مسلم بن عقیل جاءنی یخبرنی فیہ بحسن رایکم واجتماع ملئکم علی نصرنا والطلب بحقنا[1] فسألت اللہ ان یحسن لنا الصنع وان یثیبکم علی ذالک الاجر وقد شخصت الیکم من مکۃ یوم الثلاثاء لثمان مضین من ذی الحجۃ یوم الترویۃ فاذا قدم علیکم رسولی فاکتموا امرکم وجدوا فانی قادم علیکم فی ایامی ھذہ ان شاء اللہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(ص۲۲۳ ج۲ طبری) و

(ص۱۶۸ ج۸ البدایہ والنہایہ)

حسین بن علی کی طرف سے اپنے بھائیوں مومنین و مسلمین کے نام سلام علیکم۔ میں تم سے حمد کرتا ہوں اللہ کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اما بعد۔ مسلم بن عقیل کی تحریر میرے پاس آگئی ہے جس میں یہ اطلاع مجھے دی ہے کہ تم لوگ میرے متعلق اچھی رائے رکھتے ہو اور ہماری نصرت پر اور ہمارے حق[1] کے طلب کرنے پر متفق ہو۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارا مقصد بر لائے اور تم لوگوں کو اس پر اجرِ عظیم دے۔ میں تمہارے پاس آنے کے لئے مکّہ سے آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو منگل کے دن اور یوم ترویہ کو روانہ ہوا ہوں جب میرا قاصد تمہارے پاس پہونچے تو تم لوگ اپنے کام میں کوشش اور جد و جہد کرو کیونکہ میں انہی دنوں میں تمہارے پاس پہونچ جاؤنگا ان شاء اللہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مندرجہ بالا تحریر میں ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو حضرت حسینؓ کے قلم سے یوم الثلاثہ یعنی منگل کا دن تحریر کرنا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو منگل کا نہیں اتوار کا دن تھا یعنی یکشنبہ کون صحیح العقل باور کرسکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قلم سے غلط دن لکھا گیا ہوگا۔ آپ سے زیادہ کون واقف تھا کہ مکّہ سے آپ کی روانگی کس دن ہوئی تھی۔ یہ کتابت کی غلطی بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ تمام کتب تاریخ وغیرہ میں جہاں کہیں اس تحریر کو نقل کیا گیا ہے منگل ہی کا دن تحریر ہے موجودہ زمانہ میں ایسی جنتریاں اور کتب تقویم ہر شخص کو بآسانی دستیاب ہوسکتی ہیں۔ جن کی مدد سے سنہ ہجری سے

---

[1] یہ طلب حق "طلبِ خلافت" ہی تو تھا جس کسی نے یہ مکتوب وضع کیا ہے وہ بھی اس سفر کے مقصد کو طلب خلافت و حکومت ہی جانتا تھا سچ ہے حق برزبانِ جاری۔

موجودہ سال ہجری تک کی اس قسم کی صحیح معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں کہ کس مہینہ کی کس تاریخ کو کون دن تھا۔ اس پر آئندہ صفحات میں راویوں کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے۔ ابو مخنف کی اس شدید غلط بیانی سے یہ نتیجہ صریحاً برآمد ہوتا ہے کہ یہ تحریر یا تو حضرت حسینؓ سے غلط منسوب ہے یا اگر یہ تحریر آپ ہی کی ہے تو ۸ر ذی الحجہ یوم الترویہ کو منگل کا دن نہیں تھا۔ روانگی کا دن اگر منگل ہی قرار دیا جائے تو اس طرح مکہ سے روانگی کی تاریخ ۱۰ر ذی الحجہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ سنہ ۶۰ھ کے ماہِ ذی الحجہ کے عشرۂ اوّل میں منگل کا دن یا تو تیسری کو پڑتا تھا یا پھر دسویں کو۔ تیسری ذی الحجہ کو روانہ ہونے کی تو کوئی روایت ہی نہیں اور آٹھویں کو منگل کا دن ہی نہ تھا لہٰذا یومِ روانگی مندرجہ بالا تحریر کے بموجب منگل کا دن تھا تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی جیسا گذشتہ اوراق میں بالوضاحت بیان ہو چکا۔ دسویں ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو بعد ادائے فریضۂ حج روانہ ہوئے اور تیس ۳۰ منزلوں کی مسافتِ بعیدہ کم سے کم تیس ہی دن میں طے کرنے کے بعد ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو کربلا کے مقام پر پہونچے یا پہونچ سکتے تھے اس سے پہلے نہیں۔ ابو مخنف اور اسی قماش کے دوسرے راویوں کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ اگر یہ لوگ روانگی کی صحیح تاریخ یعنی ۱۰ر ذی الحجہ کا اظہار کئے دیتے ہیں تو پھر منع آب اور طرح طرح کے وحشیانہ مظالم نیز زبردست معرکہ آرائیوں کی وضعی اور مکذوبہ روایتوں کو سچ کر دکھانے کی غرض سے حسینی قافلہ کا کربلا کے مقام پر ۱ر محرم سے چند روز پہلے ہی وارد ہو جانا کیونکر بتلا سکیں گے اس مشکل کا حل یوں کیا گیا کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اوّل تو دو دن پہلے کی دکھلائی ہے پھر پہلی دو منزلوں کو ایک دن میں طے کرا دیا گیا اس کے بعد تیس منزلوں کے ناموں کا اخفا کر کے صرف گیارہ بارہ منزلوں کے نام ظاہر کئے گئے۔ روانگی کی تاریخ چونکہ یوم حج سے ایک ہی دن پہلے کی بتائی تھی یعنی بجائے ۹ر کے ۸ر ذی الحجہ (یوم ترویہ) جو اس اشتباہ کا موجب تھی کہ فریضۂ حج ترک کر کے کیسے روانہ ہو گئے۔ لہٰذا ازالہ اشتباہ کے لئے یہ تدبیر کی گئی کہ خود حضرت حسینؓ ہی کے قلم سے اس کی بھی تصدیق کرا لی جائے چنانچہ مندرجہ بالا تحریر یا خط کو حضرت موصوف سے منسوب کیا گیا۔ پھر روایتوں میں خط کا یہ مضمون بیان ہوا اور مورخین نے روایت پرستی کی بنا پر اسے اپنی کتابوں میں من و عن



نقل کر دیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا مگر "یوم الثلاثا لثمان مضین من ذی الحجۃ یوم الترویہ" (یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو منگل کا دن اور یومِ ترویہ تھا) ان تشریحی الفاظ نے راویوں کی اس غلط بیانی کو بالآخر روزِ روشن کی طرح آشکارا کر دیا کیونکہ جیسا ابھی عرض کیا گیا ۸ر ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو منگل کا دن ہی نہ تھا۔ یہ دن تو اتوار کا تھا۔ روایت پرستی کی عام وبا نے ہمارے متقدمین کو اس قسم کی مکذوبہ روایتوں کی چھان بین اور تنقید کی جانب متوجہ نہ ہونے دیا ورنہ اب سے ایک ہزار سال یا چند صدیوں پہلے ہی اس طرح کی غلط بیانیوں کی قلعی کھل گئی ہوتی موجودہ زمانہ میں ایسی کتب تقویم اور جنتریاں موجود ہیں اور با آسانی دستیاب ہو سکتی ہیں جن کی مدد سے صحیح طور سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کس سنہ کے کس مہینے کی کس تاریخ کو کون سا دن تھا۔ آئندہ اوراق میں ابو مخنف کی اسی قسم کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے جس میں ایسا فارمولا بھی پیش ہوگا جس سے ہر شخص خود حساب لگا کر یہ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

ابو مخنف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مندرجہ بالا تحریر یا خط لے کر جب حضرت حسینؓ کے قاصد و پیغامبر قیس بن مسہر الصیداوی کوفہ پہونچنے سے پہلے ہی راستے میں مقام قادسیہ پر گرفتار کر کے گورنر کوفہ کے پاس بھیج دیا گیا جس نے انھیں (اعانت جرم کی پاداش میں) مروا ڈالا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ یہ خط نہ مکتوب الیہم کو پہنچ سکا اور نہ کوفیوں میں سے کسی اور کے پاس اور اگر ایسا کوئی خط تھا بھی تو مجرم کی تلاشی کے بعد عمالِ حکومت کے قبضے میں آ گیا ہوگا۔ کوفیوں کے پاس تو پہونچنے کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔ قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ خط ستر اسی برس بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت منقضی ہو جانے کے بعد ابو مخنف کو کیسے دستیاب ہو گیا مدتِ دراز تک یہ خط کہاں، کس کے پاس اور کیونکر محفوظ رہا جو ان راویوں نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من الحسین بن علیؓ الی اخوانہ من المومنین والمسلمین سلامٌ علیکم" سے لے کر "والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" تک بلا ایک نقطہ کے فرق کے حرف بہ حرف نقل کر دیا۔

ابو مخنف کی دوسری روایت میں حضرت حسینؓ کے برادر رضاعی عبداللہ بن یقطر کے ذریعے اس خط کا ارسال ہونا بیان ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ قادسیہ کے مقام پر قیس نہیں بلکہ عبداللہ ہی گرفتار ہو کر گورنر کوفہ کے پاس بھیجے گئے تھے۔ ناسخ التواریخ کے

مؤلف نے بھی اسی خط کے مضمون کو حرف بہ حرف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب قاصد کی جامہ تلاشی لی گئی تو قاصد نے خط کو اپنی جیب سے نکال کر پرزے پرزے کر ڈالا۔ مؤلف مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔

عبداللہ بن یقطر مکتوب حسینؓ را برآورد وپارہ پارہ کرد وچناں صبا ساخت کہ ازاں بہرہ نتوانست یافت۔

عبداللہ بن یقطر نے حسینؓ کے مکتوب کو (اپنی جیب سے) نکال کر پارہ پارہ کر دیا اور ایسا چور چور کر دیا کہ اس سے کچھ مطلب کوئی نہ پا سکے۔

(ص۱۶۱ ج۲ از کتاب دوم)

یہی غالی مؤلف فرماتے ہیں کہ قاصد سے جب پوچھا گیا کہ مکتوب کیوں چاک کر دیا جواباً کہا۔

ازبہر آنکہ تو اندانی دراں چہ نگاشتہ اند (ص۲۱۴ ایضاً)

اس لئے (خط کو پھاڑ ڈالا) کہ تو یہ نہ جاننے پائے کہ اس میں کیا تحریر کیا تھا۔

یہ ثبوت تو ایسا مسکت ہے کہ کسی کو اس بارے میں یارائے دم زدن نہیں کہ اگر کوئی خط تھا بھی تو وہ ضائع ہو گیا۔

جس مقصد کے ساتھ اور جن خاص حالات کے اندر یہ سفر ہو رہا تھا اور ان ہی راویوں کے بیانات کے مطابق حضرت حسینؓ کو فرزدق شاعر اور دوسرے لوگوں کی زبانی کوفہ کے حالات اور حکومت کے انتظامات کی اطلاعات مل چکی تھیں وہ اگر اپنے موافقین کو اپنے جلد پہونچنے کی اطلاع بھیجتے بھی تو قاصد کی زبانی بھیجتے نہ کہ مکتوب کے ذریعے جس کے بارے میں قوی اندیشہ تھا کہ پکڑ دھکڑ میں عمالِ حکومت کے ہاتھوں نہ پڑ جائے اور اگر بفرض محال خط لکھا بھی تھا تو اس میں مکہ سے اپنی روانگی کی یہ غیر ضروری تفصیلات درج کرنے کی کیا ضرورت داعی ہوئی تھی کہ ہم جب مکہ سے چلنے لگے ہیں تو ذی الحجہ کے مہینے کی تاریخ آٹھویں تھی، دن منگل کا تھا اور یوم ترویہ تھا۔ جو بات صاف طور سے عیاں ہوتی ہے وہ یہی ہے جس کا اشارہ اوپر ہو چکا ہے کہ نہ یہ تحریر حضرت حسینؓ کی ہے اور نہ انھوں نے ایسا خط بھیجا یہ ساختگی ان ہی راویوں کی ہے۔ کیونکہ انہی کو اس بات کی ضرورت تھی کہ حج سے ایک دن پہلے آپ کی تاریخ روانگی کی وضعی روایت کی تصدیق خود آپ کی کسی تحریر سے کرادی جائے۔ وہ اس طرح پوری کر لی گئی مگر "یوم الثلاثۃ" (منگل کے دن) نے جیسا کہ عرض کیا گیا ان کی اس



ساختگی کو عرصۂ بعید و مدتِ مدید کے بعد بھی آشکارا کر ہی دیا ورنہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت حسینؓ اپنی روانگی کی تاریخ اور دن صحیح نہ لکھتے۔

ان راویوں نے واقعات کو جس طرح مسخ کر کے اور توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اس کا قیاس بھی اسی سے بآسانی کیا جا سکتا ہے ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

ان مختصر اوراق میں تفصیلی تنقید کی گنجائش نہیں۔ تاہم چند امور مختصراً پیش کیے جاتے ہیں۔

## واپسی کا قصد، برادرانِ مسلم کی ضد اور کوفیوں کا اصرار

مورخین کا بیان ہے کہ مسلمؒ کے قتل ہو جانے کی خبر جب حضرت حسینؓ کو اثنائے سفر میں ملی آپ نے واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن مسلم کے بھائی جو آپ کے ساتھ تھے مانع ہوئے۔ شیعہ مورخ و نساب مؤلف عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ:۔

واتصل بہ خبر قتل مسلم بن عقیل فی الطریق فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل من ذلک۔ (ص۱۷۹ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب)

اور ان کو (حسینؓ) مسلم بن عقیل کے قتل ہو جانے کی خبر جب راستے میں ملی انھوں نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل اس کے مانع ہوئے۔

مسلم اور ہانی بن عروہ وغیرہ کے مقتول ہو جانے کا حضرت حسینؓ کو ملال قدرتاً ہوا اور فرمایا لاخیر فی العیش بعدھما (ص۱۶۸ ج البدایہ والنہایہ) یعنی ان لوگوں کے بعد زندگی کا کچھ لطف نہیں لیکن برادرانِ مسلم کے جوش انتقام نے مجبور کیا کہ سفر جاری رکھیں۔ اکثر مورخین نے مسلم کے بھائیوں کے بضد ہونے کا حال لکھا ہے۔ مقاتل الطالبین کے غالی مؤلف فرماتے ہیں۔

فقال لہ (ای للحسین) بنو عقیل لا نرجع واللہ ابداً او ندرک ثارنا او نقتل باجمعنا۔ (ص۱۱ مقاتل الطالبین مطبوعہ مصر)

فرزندانِ عقیلؓ نے ان سے (حسینؓ سے) کہا کہ واللہ ہم ہرگز ہرگز واپس نہ لوٹیں گے یا تو اپنا انتقام لیں گے یا ہم سب بھی اپنی جانیں دے ڈالیں گے۔

یہ حضرات جوش انتقام سے اگر اس درجہ مغلوب نہ ہو گئے ہوتے کہ صورتِ حال کا صحیح جائزہ بھی نہ لے سکے اور اس قتل کو جو سیاسی مناقشہ کے نتیجہ میں واقع ہوا تھا ذاتی جھگڑا قرار دے دیا حالانکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے توحجۃ الوداع کے خطبہ میں اپنے ابن عم ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بھی معاف کر کے ذاتی انتقام لینے کی رسم کو مٹا دیا تھا۔ افسوس ان کی ضد نے معاملہ کو نازک تر کر دیا۔ مورخین نے بالصراحت بیان کیا ہے کہ دو اسدیوں نے مسلمؒ کے مقتول ہوجانے کی اطلاع جس وقت حضرت حسینؓ کو دی اور کوفہ کی حالت پیش نظر رکھ کر ان سے کہا کہ وہاں ہرگز نہ جائیں کیونکہ کوئی ناصر وشیعہ آپ کا وہاں نہیں ہے لیس لک بالکوفۃ ناصر ولا شیعۃ
(ص۲۲۵ ج۶ طبری)

یہ سنتے ہی برادرانِ مسلمؒ جوش انتقام میں اٹھ کھڑے ہوئے فوثب عند ذٰلک بنو عقیل بن ابی طالب (ص۲۲۵ ایضاً) اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اس خبر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی جتا دیا تھا کہ ہمارے شیعوں نے ہی ہم سے غداری کی ہے دقد خذلنا شیعتنا (ص۲۲۶ ج۶ طبری) ایسی حالت میں اگر یہ حضرات ضد نہ کرتے اور ایسی پر آمادہ ہو جاتے تو یہ سانحہ حزینہ ہی پیش نہ آتا۔ صاحب ناسخ التواریخ لکھتا ہے۔ ...

حسینؓ بجانب فرزندانِ عقیل نگراں شد و فرمودہ مسلم را کشتند اکنوں رائے چیست گفتند لا واللہ چندکہ توانیم در طلب خوں او بکوشیم یا ازاں شربت کہ او نوشید بنوشیم آنحضرت فرمود از پس ایشان تن آسانی در زندگانی نیست۔
(ص۲۱۴ ج۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ)
(مطبوعہ ایران)

حضرت حسینؓ نے فرزندانِ عقیلؓ کی جانب نظر ڈال کر کہا کہ مسلم کو مار ڈالا گیا اب رائے کیا ہے؟ انھوں نے کہا واللہ ہم سے جو کچھ بن پڑے گا ہم ان کے خون کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے یا پھر وہی شربت ہم بھی نوش کر لیں گے جو انھوں نے نوش کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد ہم کو بھی زندگانی کا کیا لطف رہے گا۔

یہی روایت بتغیر الفاظ مقتل ابومخنف طبری اور البدایہ والنہایۃ میں بھی ہے۔ اخبار الطوال نے جو ان سب کتب تاریخ سے قدیم تر ہے اس روایت کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ محمد بن اشعثؓ اور عمر بن سعدؓ کا فرستادہ قاصد بھی حضرت حسینؓ کے پاس ان اسدیوں کے



کے بعد ہی پہونچ گیا تھا جنھوں نے قتل مسلمؒ خبر دی تھی۔ ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمؒ نے اپنے قتل ہونے سے پہلے عمر بن سعدؓ سے کہا تھا کہ میری تمہاری قرابت ہے۔ تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ میرے اوپر اتنا قرض ہے اس کو ادا کر دینا۔ میری نعش کو دفن کرا دینا اور حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر میرا جو حال ہوا ہے اور کوفیوں نے بیعت کرنے کے بعد ہم سے جو غداری کی ہے سب احوال کی اطلاع بھیج دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں نہ آئیں مکہ ہی کو واپس چلے جائیں۔ گورنر کوفہ ابن زیاد نے بھی اس پیغام کو حضرت حسینؓ کے پاس بھیجنے کی اجازت دی تھی اور کہا تھا کہ اگر حسینؓ ادھر نہ آئیں تو ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں۔ مؤلف اخبار الطوال لکھتے ہیں۔

فقال بنو عقیل وکانوا معہ مالنا فی العیش بعد اخینا مسلم حاجۃ ولسنا براجعین حتی نموت فقال الحسین فما خیر فی العیش بعد ھؤلاء وسار فلما وافی زبالۃ وافا بھا رسول محمد بن الاشعث وعمر بن سعد بما کان سألہ مسلم ان یکتب بہ من من لا وخذ لان اھل الکوفۃ ایاہ، بعدان بایعوہ۔
(ص۲۱۰ اخبار الطوال)

فرزندانِ عقیلؓ نے جو ان کے (حسینؓ کے) ساتھ تھے کہا تھا کہ ہمارے بھائی مسلم کے (مارے جانے کے) بعد ہمیں بھی زندہ رہنے کی حاجت نہیں ہم ہرگز واپس نہ لوٹیں گے حتیٰ کہ اپنی جانیں دیدیں۔ حسینؓ نے اس پر فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد پھر ہمیں بھی زندگانی کا کچھ لطف نہ رہے گا۔ (اس گفتگو کے بعد) آگے روانہ ہوئے جب زبالہ پہونچے تو محمد بن اشعث اور عمر بن سعد کا فرستادہ قاصد ملا کیونکہ مسلم نے (اپنے قتل ہوجانے سے پہلے) ان لوگوں سے کہا تھا جو کچھ میرا حال ہوا ہے اور اہل کوفہ نے ان کے (حسینؓ کے) لئے مجھ سے بیعت کر کے غداری کی ہے وہ سب کچھ لکھ کر حسینؓ کے پاس بھیج دینا۔

برادرانِ مسلم کے بضد ہونے کی روایت خود اہل خاندان یعنی حضرت حسینؓ کے پوتے جناب زید بن علی بن الحسینؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے جناب داوٗد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ ان دونوں کی سند سے بیان کی گئی ہے یعنے۔

ان بنی عقیل قالوا واللہ لا نبرح[1] حتی ندرک ثارنا او نذوق ما ذاق اخونا (ص۲۲۵ ج طبری، و ص۱۶۹ ج البدایہ والنہایۃ)

فرزندانِ عقیلؓ نے کہا۔ واللہ جب تک ہم انتقام نہ لیں گے یا جو ہمارے بھائی کا حال ہوا وہی ہمارا نہ ہو جائے گا ہم اس جگہ سے ہرگز (واپسی کے لئے) نہ سرکیں گے۔

برادرانِ مسلم کی ضد تو جذبۂ انتقام کے تحت تھی لیکن جب ان ۶۰ کوفیوں نے جو حسین کو عراق لے جانے کے لئے مکہ پہونچے تھے اور آپ ہی کے قافلے کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے آپ سے اصرار کیا اور یہ کہہ کر ترغیب دی کہ مسلم کی تو اور بات تھی جب آپ کوفہ وارد ہوں گے تو سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ طبری اور دوسرے مورخین نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

فقال لہ بعض اصحابہ انک واللہ ما انت مثل مسلم بن عقیل ولو قدمت الکوفۃ لکان الناس اسرع الیک (ص۲۲۵ ج طبری)

ان سے (حسینؓ سے) ان کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ واللہ آپ کی بات ہی اور ہے کہاں آپ کہاں مسلم۔ آپ جب (سرزمین) کوفہ پر قدم رکھیں گے سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

مسلم کے بھائیوں کی ضد کرنے پر آپ کا یہ قول کہ تم لوگوں کے بعد ہمیں بھی زندگی کا کچھ لطف نہ رہے گا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو ظاہر ہے محض جذبات سے کام لیا گیا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ واپسی کا ارادہ صرف اسی وجہ سے ترک کر دینا اور سفر جاری رکھنا درست نہیں۔ اپنی دانست میں حضرت حسینؓ خلافت کا اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اپنا "حق" لینا اپنے اوپر واجب کر چکے تھے مسلم کے واقعہ سے آپ نے یہ صحیح نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ایسی حالت میں کوفہ جانا مفید مطلب نہ ہوگا مگر آپ کے ساتھی کوفیوں نے جب آپ کو پھر ترغیب دی اور یقین دلایا کہ آپ کی شخصیت مسلم کی طرح نہیں ہے۔ آپ کی صورت دیکھتے ہی لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے حصولِ مقصد کے جذبہ نے حزم و احتیاط پر غلبہ پا لیا اور جس طرح اپنے ہمدردوں اور عزیزوں کے عاقبت اندیشانہ

---

[1] طبری کی روایت میں یہ لفظ اسی طرح ہے مگر البدایہ میں نرجع ہے۔



مشوروں کو نظر انداز کر دیا تھا اور کوفیوں کے مواعید پر بھروسہ کر کے مکہ سے روانہ ہو گئے تھے۔ وہی خوش اعتقادی اب بھی آگے بڑھنے کی محرک ہوئی۔ آزاد مورخ دوزی نے لکھا ہے کہ ان کوفیوں کے خطوط و مراسلات کے مندرجہ مواعید پر انھیں ایسا اعتماد تھا کہ لوگوں کے سامنے فخریہ پیش کرتے تھے۔ مورخ دوزی کا یہ فقرہ یہاں نقل کر لینا بے محل نہ ہوگا۔

"مدینہ کے ضرورت سے زیادہ سریع الاعتقاد اور بھولے گورنر کی نگرانی سے بچ کر حسینؓ بمعیت عبد اللہ (ابن الزبیرؓ) مکہ کی مقدس سرزمین پر پناہ گزین ہوئے تھے۔ اہالی کوفہ کے خطوط و مراسلات جب ان کو موصول ہو گئے تو ان کو [illegible] سے بے انتہا خوشی ہوئی ان خطوط میں التجا کی گئی تھی کہ وہ آن [illegible] دت کریں۔ کوفیوں کی ان تحریرات میں یہ عہد کیا گیا تھا کہ ہم آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیں گے، اور پوری آبادی کو آپ کی خلافت قبول کرنے پر راضی کر لیں گے۔ کوفہ سے قاصد پر قاصد بڑی سرعت سے آتے رہے۔ آخری قاصد جو بڑی طویل درخواست لایا تھا اس کے ساتھ کوئی ڈیڑھ سو صفحات کی فہرست لوگوں کے دستخطوں کی منسلک تھی۔ حسینؓ کے دور اندیش دوستوں نے لاکھ منت سماجت کی کہ ایسی خطرناک مہم کے اندر ناعاقبت اندیشانہ اپنے کو جوکھم میں نہ ڈالیں اور ان لوگوں کے مواعید اور مصنوعی جوش و ولولہ پر اعتماد نہ کریں جنھوں نے ان کے والد سے دغا کی تھی اور ان کو دھوکہ دیا تھا۔ مگر حسینؓ نے حب جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور سے نمائش کرتے رہے جو ان کو موصول ہوئے تھے۔ اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے کہ ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی۔ قضا کے سامنے بالآخر انھوں نے سر جھکا دیا اور کوفہ روانہ ہو گئے۔ (قتل مسلم کے) مصیبت خیز واقعہ کی خبریں حسینؓ کو اس وقت ملیں جب کوفہ سے کچھ زیادہ دور نہ تھے ان کے ساتھ مشکل سے ۱۰۰ نفوس تھے جن میں زیادہ تر ان کے اہل خاندان تھے۔ بہ ایں ہمہ انھوں نے سفر جاری رکھا۔ اسی خوش اعتقادی کی سحر آفریں کشش نے جو دعویداروں پر اثر انداز ہوا کرتی ہے ان کا بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کو یقین تھا کہ

یہاں تک پر جا موجود ہوں گے اہل شہر ان کے مقصد کی خاطر ہتھیار سنبھال لیں گے"۔
(ص۴۶ تاریخ مسلمانانِ اسپین - مؤلفہ رینہارٹ دوزی
ترجمہ فرانسس گریفن - مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء)

## نئے گورنر کوفہ کو احکام وہدایات

حضرت حسینؓ کو اگر اس بات کا پورا یقین ہو جاتا کہ کوفہ کے انتظامی حالات میں کیا انقلاب رونما ہو گیا ہے وہ ادھر کا رخ نہ کرتے یا راستہ ہی سے پلٹ جاتے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ سابق گورنر کوفہ جب باغیانہ سرگرمیوں کو کچلنے میں ناکام رہے تھے عبید اللہ بن زیاد عامل بصرہ کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ انھوں نے عہدہ کا چارج لیتے ہی مسجدِ کوفہ کے منبر سے جو تقریر کی ابو مخنف نے اس کے یہ فقرے نقل کئے ہیں:۔

اما بعد - فان امیر المؤمنین اصلحہ اللہ ولانی مصرکم وثغرکم وامرنی بانصاف مظلومکم واعطاء محرومکم وبالاحسان الی سامعکم ومطیعکم وبالشدۃ علی مریبکم وعاصیکم وانا متبع فیکم امرہ ومنفذ فیکم عھدہ فانا لمحسنکم ومطیعکم کالوالد البرّ وسوطی وسیفی علیٰ من ترک امری وخالف عھدی فلیبق امرؤ علی نفسہ الصدق ینبئ عنک لا الوعید (ص۲۰۱ ج طبری)

(حمد وثنا کے بعد کہا) امیر المؤمنین (یزیدؒ) نے اللہ تعالیٰ ان کی بہتری کرے۔ تمہارے شہر اور سرحدی حدود کا مجھے والی مقرر کیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے مظلوموں کا انصاف کروں اور محروموں کو عطا کروں۔ جو شخص بات سنے اور اطاعت کرے اس پر احسان کروں جو دھوکہ باز اور نافرمان ہو اس پر تشدد کروں۔ تم لوگوں کے معاملہ میں ان کے فرمان کو نافذ کروں گا تم میں سے جو اچھے کردار کا اور مطیع ہے میں اس کے ساتھ مہربان باپ کی طرح پیش آؤں گا۔ اور جو میرا حکم نہ مانے گا اور میرا فرمان نہ بجالائے گا اس کے لئے میرا تازیانہ اور میری تلوار موجود ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ اپنی جان کی خیر منائے بات چیت سچی ہو کر سامنے آجائے تو پتہ چلتا ہے کہ محض دھمکی سے کچھ نہیں ہوتا (یعنی جو کہا ہے وہ میں کر گذروں گا اور تم دیکھ لوگے)



تقریر کے بعد گورنر نے تمام قبیلوں کے سرداروں سے ان تمام اشخاص کے ناموں کی فہرستیں طلب کیں جن پر حکومت کی مخالفانہ کارروائیوں اور باغیانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کا شبہ تھا۔ سردارانِ قبائل کو مفسدین کے ہموار کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کئے گئے۔ ان تدابیر سے چند ہی دن میں باغیانہ سرگرمیوں کا قلع قمع ہو گیا۔ مورخین نے امیر المؤمنین یزیدؒ کا ایک فرمان بھی نقل کیا ہے جس کی عبارت میں قطع برید نہیں کی گئی تو وہ فرمان یہ تھا۔

قد بلغنی ان الحسین قد توجہ الی نحو العراق فضع المناظر والمسالح واحترس وحبس علی الظنۃ وخذ علی التھمۃ غیر ان لا تقتل الا من قاتلک واکتب الیّ فی کل ما یحدث من خبر والسلام۔
(ص۲۱۵ ج۶ طبری)
(ص۱۶۰ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

مجھے اطلاع پہونچی ہے کہ حسینؓ عراق کی جانب روانہ ہوئے ہیں سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کرو، جن سے بدگمانی ہو انھیں حراست میں لو اور جس پر تہمت ہو انھیں گرفتار کر لو لیکن جو خود تم سے جنگ نہ کرے اس سے تم بھی جنگ نہ کرنا اور جو واقعہ پیش آئے اس کا حال لکھنا۔
والسلام

مضمونِ فرمان سے اگر الفاظ میں کچھ رد و بدل بھی کیا گیا ہو کیونکہ ابو مخنف جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل ہوا ہے۔ تب بھی ہر انصاف پسند محسوس کریگا کہ ایک بالغ نظر اور کریم النفس حکمراں اپنی مملکت میں بہبودِ عامہ کی خاطر امن وامان برقرار رکھنے کے سلسلے میں حفظ ماتقدم کی ضروری تدابیر کے ساتھ گورنر متعلقہ کو بالفاظ واضح ہدایت کرتے ہیں کہ جنگ وجدال میں سبقت یا پہل نہ کرے۔ دوسرا حملہ آور ہو تو مدافعانہ کارروائی کی جائے۔

فرمان کے الفاظ "غیر ان لا تقتل الا من قاتلک" سے ان تمام وضعی ومکذوبہ روایتوں کی تردید ہو جاتی ہے جو وحشیانہ مظالم توڑنے کے سلسلے میں بیان

کی گئی ہیں۔ حکومت کا کوئی بھی کارکن یا عامل خواہ وہ گورنر کے منصب جلیلہ پر فائز ہو، امیر المومنین کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا امیر المومنین کے فرمان کے علاوہ بعض عمائدِ ملت اور حضرت حسین رضؓ کے ہمدردوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کرکے گورنر مذکور کو تحریریں ارسال کی تھیں اور تنبیہ کیا تھا کہ حضرت حسین رضؓ کے معاملہ میں حزم و احتیاط سے کام لیں مورخین نے حضرت مروان رضؓ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت حسین رضؓ کی روانگی کے بعد ابن زیاد کو ارسال کیا تھا۔ اس مکتوب کے الفاظ میں بھی کوئی ردوبدل نہیں ہوا تو اس کا مضمون یہ تھا۔

فکتب مروان الی ابن زیاد:
اما بعد۔ فان الحسین بن علی بن فاطمہ توجہ الیک وفاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتاللہ ما احدٌ یسلمہ اللہ احب الینا من الحسین فایاک ان تہیج علی نفسک ما لا یسدہ شیٔ ولا تنساہ العامۃ ولا تدع ذکرہ آخر الدھر۔ والسلام
(ص۱۶۵ ج البدایہ والنہایہ ص۲۱۳ ج ۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

(حضرت) مروان رضؓ نے ابن زیاد کو یہ مکتوب بھیجا۔ اما بعد تمہیں معلوم ہو کہ حسین بن علی رضؓ تمہاری طرف آرہے ہیں (یہ تو جانتے ہو) وہ بیٹے ہیں فاطمہ رضؓ کے اور فاطمہ رضؓ دختر ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ خدا کی قسم حسین رضؓ سے زیادہ (خدا ان کو سلامت رکھے) کوئی شخص بھی ہم کو محبوب نہیں پس خبردار غیظ و غضب میں ایسا کوئی فعل نہ کر بیٹھنا کہ مداوا نہ ہو سکے اور عام امت فراموش نہ کرسکے اور رہتی دنیا تک ذکر نہ بھولیں۔
والسلام

اس مکتوب کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت حسین رضؓ کی ذات سے حضرت مروان رضؓ کو کیسی الفت تھی اور کیسی آرزو کہ اس خطرناک سفر میں ان کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ یہ وہی مروان رحؒ ہیں جن کے متعلق وضاعین نے اتہام لگایا ہے کہ عامل مدینہ کو ترغیب دی تھی کہ حسین رضؓ بیعت سے گریز کریں تو ان کی گردن اڑا دو ان کی الفت و محبت کا عملی ثبوت آئندہ اوراق میں آپ حضرت علی بن الحسین رضؓ (زین العابدین رحؒ) کے حال میں پڑھیں گے کہ ایک لاکھ روپیہ بطور قرض حسنہ حضرت مروان رضؓ نے ان کو دیا تھا



ادا نہ ہو سکا تو مرتے وقت بیٹے کو وصیت کر گئے کہ وصول نہ کیا جائے۔
ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے شاید وضعی روایت کو پیش نظر رکھ کر حضرت مروان رضؓ کے اس خط کو امیر المومنین یزید رحؒ کے چچیرے بھائی ولید بن عتبہ بن ابوسفیان رضؓ سے منسوب کر دیا ہے۔ حضرت مروان رضؓ کی اولاد و احفاد کی جو مسلسل قرابتیں حضرت علی رضؓ و حسن رضؓ و حسین رضؓ کی اولاد سے ہوتی رہیں جن کی تفصیلات اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہیں۔ وہ بیّن ثبوت ہیں آپس کی محبت و مودت کا نہ کہ عناد و مخاصمت کا۔

## کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی طرف رُخ کرنا

بعض ثقہ شیعہ مورخین کا بیان ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حالات کا صحیح علم ہو گیا۔ حضرت حسین رضؓ نے امیر المومنین یزید رحؒ کے پاس چلے جانے کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جو ملک شام جاتا تھا۔ شیعہ مورخ ونسابہ مؤلف عمدۃ الطالب لکھتے ہیں۔

فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل ذلک[1] فسار حتی قارب الکوفۃ فلقیہ الحر بن یزید الریاحی فی الف فارس فاراد ادخالہ الکوفۃ فامتنع وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویۃ فلما صار الی کربلا فمنعوہ من المسیر واراد علی دخول الکوفۃ والنزول علی حکم عبید اللہ بن زیاد فامتنع واختار المضی نحو یزید بالشام۔
"(ص۱۶۹ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنؤ طبع اوّل)

(مسلم کے قتل کی خبر سن کر حسین رضؓ نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل مانع آئے تو آپ آگے کو چلے یہاں تک کہ کوفہ کے قریب پہونچے وہاں حُر بن یزید الریاحی سے جس کے ساتھ ایک ہزار سوار تھے مڈبھیڑ ہوئی اس نے ان کو کوفہ لے جانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے منع کیا اور ملک شام کی طرف مڑ گئے تا کہ یزید بن معاویہ رضؓ کے پاس چلے جائیں لیکن جب کربلا پہونچے تو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا اور کوفہ لے جانے اور عبید اللہ بن زیاد کا حکم ماننے کے لئے کہا گیا آپ نے اس سے انکار کیا اور

---

[1] لعن کے الفاظ حذف کر دیئے گئے۔

## یزیدؓ کے پاس ملک شام چلاجانا پسند کیا

کوفہ کا راستہ چھوڑ کر ملک شام (دمشق) جانے کا جو راستہ حضرت حسینؓ نے اختیار کیا تھا وہ راستہ وہی ہے جو قادسیہ سے بائیں جانب مڑ کر قصر مقاتل اور قریات الطف ہو کر جن میں کربلا کا میدان بھی شامل تھا سیدھا دمشق جاتا تھا معجم البلدان میں یاقوت حموی نے اس راستہ کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے۔

| | |
|---|---|
| اذا خرجت من القادسیة ترید الشام ومنه الی قصر مقاتل ثم القریات ثم السماوة (ص۱۳۵ ج۶ مطبوعہ لیبرگ ۱۸۶۷ء) | جب قادسیہ سے نکل کر ملک شام جانے کا ارادہ کرے تو وہاں سے قصر مقاتل جائے پھر قریات (ارض طف) پھر سماوہ |

ابو مخنف اور دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ قادسیہ والعذیب کے راستہ سے مڑ کر آپ ذوحسم و قصر مقاتل ہو کر ان مقامات پر ٹھہرتے ہوئے کربلا گئے تھے حضرت ابو جعفر محمدؒ (الباقرؒ) اپنے والدین اور دادا کے ساتھ کربلا میں موجود تھے اگرچہ اس وقت وہ اتنے کمسن تھے کہ شاید کوئی بات خود تو یاد نہ ہو گی۔ اپنے والد اور دوسرے عزیزوں سے حالات یقیناً سنے ہوں گے۔ حضرت موصوف سے ایک شیعہ راوی عمار الدہنی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ مجھ سے قتل حسینؓ کے واقعہ کو اس طرح سے بیان کیجئے کہ گویا میں خود وہاں موجود تھا (اور اپنی آنکھوں سے یہ واقعات دیکھ رہا تھا)

حدثنی مقتل الحسینؓ حتی کانی حضرۃ (ص۲۲۰ ج۶ طبری)

حضرت موصوف نے مقتل حسینؓ کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

| | |
|---|---|
| فاقبل الحسین بن علی بکتاب مسلم بن عقیل کان الیحتی اذا کان بینه وبین القادسیة ثلاثة امیال لقیه الحر بن یزید التمیمی فقال له این ترید قال ارید هذا المصر قال له ارجع فانی لم ادع لک خلفی خیرا ارجوه فهم ان یرجع وکان معه اخوة مسلم بن عقیل فقالوا والله لا نرجع حتی نصیب ثارنا او نقتل فقال لا خیر فی الحیاة بعدکم فسار فلقیه اوائل خیل عبید الله فلما رای ذلک عدل الی کربلاء (ص۲۲۰ ج۶ طبری) | حسین بن علیؓ کو جب مسلم بن عقیلؓ کا خط پہونچا تو آپ (مکہ سے روانہ ہو کر) ابھی اس جگہ تک پہنچے تھے جہاں سے قادسیہ تین میل تھا کہ حر بن یزید تمیمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں کہا اسی شہر میں جانا چاہتا ہوں حر نے کہا کہ آپ لوٹ جائیے وہاں آپ کے لئے کسی بہتری کی مجھے امید نہیں ہے۔ اس پر آپ نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مسلمؒ کے جو بھائی آپ کے ساتھ تھے انھوں نے کہا واللہ ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک ہم اپنا انتقام نہ لیں یا ہم بھی سب قتل نہ ہو جائیں۔ آپ نے کہا کہ تمہارے بعد ہمیں بھی زندگی کا لطف نہیں یہ کہہ کر آپ آگے روانہ ہو گئے اتنے میں عبید اللہ کے لشکر کا ہراول سامنے آگیا تو کربلا کی جانب پلٹ گئے۔ |



حضرت ابو جعفر محمد (الباقر) کی اس روایت سے بھی صاحب عمدة الطالب کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت حسینؓ ازخود اس راستہ کی طرف مڑ گئے تھے جو کربلا ہو کر دمشق جاتا تھا۔ آپ کو گھیر کر جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اس راستے پر چلنے کے لیے مجبور نہیں کیا گیا تھا آپ نے امیر المومنین کے پاس دمشق جانے کی راہ اختیار کی تھی ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف بھی فرماتے ہیں کہ:۔

| | |
|---|---|
| حسینؓ از طریق عذیب وقادسیہ راہ بگردانید وبجانب چپ روان شد (ص۲۲۲ ج۶ از کتاب دوم) | حسینؓ عذیب اور قادسیہ کے راستے سے پلٹ گئے اور بائیں جانب کو روانہ ہوئے۔ |

قادسیہ و عذیب سے پلٹ کر بائیں جانب روانہ ہونے کا راستہ وہی راستہ ہے جو قصر مقاتل و قریات طف ہو کر سیدھا دمشق کو جاتا تھا اور اسی طف کے قریات میں سے ایک قریہ العقر تھا جس کا ملحقہ میدان کربلا تھا۔

## اجماعِ اُمّت کی اہمیت اور کوفیوں کے غدر کا احساس

مورخین کے بیان سے واضح ہے کہ کوفہ کے قریب پہونچ کر جب حضرت حسینؓ کو مدعیان وفاداری کے دعاوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی اور ان سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے تو آپ نے جان لیا کہ

امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر تمام اُمت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے فیصلے یا عمل کا استخفاف اب ممکن نہیں ہے آپ نے دمشق جانے کے لیے باگ موڑ دی۔ جیسا ابھی تفصیلاً بیان ہوا۔ اسی کے ساتھ مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کی تھیں۔ پہلی یہ کہ مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے۔ یہ منظور نہ ہو تو ممالکِ اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہوں یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیجدیا جائے، تاکہ اپنے ابن عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں (حتیٰ اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ) طبری اور دوسری کتب تاریخ سے لے کر سیوطی کی ادنیٰ تاریخ الخلفاء اور امام ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمیز الصحابہ تک میں یہی شرطیں موجود ہیں، شیعہ مورخین و مولفین خصوصاً ناسخ التواریخ (ص ۲۳۳ ج ۲) وغیرہ نے بھی یہی شرطیں لکھی ہیں اور امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاص رضؓ کا وہ مکتوب بھی درج کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ ابن زیاد کو ان شرائط کے متعلق تحریر کیا تھا جس میں آخری شرط کے یہ الفاظ لکھے تھے۔

| | |
|---|---|
| او یاتی امیر المومنین یزید فیضع یدہٗ فی یدہٖ فیما بینہ وبینہ فیری رایہ دفی ھذا لک رضی، وللامۃ صلاح۔ | یعنی اور وہ (حضرت حسینؓ) امیر المومنین یزیدؒ کے پاس چلے جائیں تاکہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیں اور دیکھیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں، اس میں صلاح امت بھی ہے اور تمہاری خوشنودی بھی۔ |

(ص ۲۳۳ ناسخ التواریخ جلد ۲ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

بہرحال حضرت حسینؓ کی طہارتِ طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔

آج کل کے بعض مورخ یہ تیسری شرط ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن یہ حضرات اتنا نہیں سوچتے کہ جہاں تک امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت اور خلافت کے متفق علیہا ہونے اور حضرت حسینؓ کا اپنے موقف سے رجوع کر لینے کا مسئلہ ہے وہ پہلی ہی شرط سے پورا ہو جاتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی یہ سعادتِ کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ کیا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے



فیصلے کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کر دیں۔ اقدام خروج میں آپ نے غلطی کی تھی مگر آخر میں جب خروج پر ابھارنے والوں کی غداری عیاں ہو گئی تو آپ نے وہی کیا جو آپ کے برادرِ بزرگوار حضرت حسنؓ کے منشا کے مطابق، خیرخواہوں اور ہمدردوں کی رائے کے موافق اور کتاب و سنت کی روشنی میں واجب تھا۔

اب اگر بالفرض یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا تب بھی دینی زاویۂ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گذر چکے ہیں ان کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا جیسا کہ مثلاً حضرت علی المرتضیٰؓ پر۔ حضرت علیؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اُمت کی بہت بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں تھی ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے تھے وہ بڑی جمعیت رکھتے تھے۔ ان کے قبضے میں ملک تھے اور لاکھوں انسانوں کی حمایت انھیں حاصل تھی۔ پھر ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو، جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھائے تو امیر المومنین یزیدؒ جو متفق علیہ خلیفہ تھے۔ جن کا پرچم تمام عالمِ اسلام پر لہراتا تھا، جن کی بیعت میں سینکڑوں صحابۂ کرامؓ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ، نیز حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) جیسی مقتدر و مقدس ہستیاں داخل تھیں وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی تلوار اگر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ زوجۂ مطہرہ حبیبۂ رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے اور اس ہودج پر تیر برسائے جا سکتے ہیں جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہو اور ماں بھی وہ جو حجت دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہو، تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی۔ جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انھیں بنایا جائے۔ باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائم آل البیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ امت اس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی بلکہ کسی درجہ میں بھی اسے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا حتیٰ کہ ان لوگوں نے بھی نہیں جو اپنی دانست

ہیں خلافت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبی وراثت سمجھتے تھے اور اس ورثہ کو ثابت کرنے کے لئے ازواج مطہرات رض وعصبات کی موجودگی میں ورثہ کا حقدار بیٹی کو بنا دیتے ہیں بلکہ داماد کو جو اسلامی قانونِ وراثت میں ہرگز درست نہیں اگرچہ یہ لوگ مختلف اقطاع اور مختلف زمانوں میں خود تختِ حکومت پر متمکن رہے لیکن اپنے زعمِ باطل کے جائز "حقداروں" کو محروم رکھا۔

امیر المومنین یزید رح کو حضرت حسین رض کے حادثہ کا صدمہ وقلق تھا ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بے تاب ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک امور کا جہاں تک تعلق ہے ان کے خروج سے تھا اس پر البتہ نکتہ چینی کی جاتی تھی۔

کربلا کے المناک حادثہ کے کچھ عرصہ بعد جب حضرت محمد بن علی رض (ابن الحنفیہ) دمشق تشریف لے گئے تھے، امیر المومنین یزید رح نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت حسین رض کے واقعہ پر ان الفاظ میں ان سے اظہارِ تاسف وتعزیت کیا تھا۔

پھر یزید رح نے ابن الحنفیہ رح کو ملاقات کے لئے بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر ان سے کہا۔

"حسین رض کی موت پر خدا مجھے اور تمہیں اجر عطا کرے۔ بخدا حسین رض کا نقصان جتنا بھاری تمہارے لئے ہے اتنا ہی میرے لئے بھی ہے اور ان کی موت سے جتنی اذیت تمہیں ہوئی ہے اتنی ہی مجھے بھی ہوئی ہے۔ اگر ان کا معاملہ میرے سپرد ہوتا اور میں دیکھتا کہ ان کی موت کو اپنی انگلیاں کاٹ کر اپنی آنکھیں دے کر ٹال سکتا ہوں تو بلا مبالغہ دونوں ان کے لئے قربان کر دیتا۔ گو انہوں نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی اور خونی رشتہ کو ٹھکرا دیا تھا۔

تم کو ضرور معلوم ہوگا کہ ہم پبلک میں عیب جوئی حسین رض کی کرتے ہیں بخدا یہ اس لئے نہیں کہ عوام میں خاندان علی رض کو عزت وحرمت حاصل نہ ہو بلکہ اس سے ہم لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حکومت وخلافت میں ہم کسی حریف کو برداشت نہیں کر سکتے۔"

یہ باتیں سنکر ابن الحنفیہ رح نے کہا:۔

"خدا تمہارا بھلا کرے اور حسین رض پر رحم فرمائے اور ان کے گناہ کو معاف کرے۔



یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ ہمارا نقصان تمہارا نقصان اور ہماری محرومی تمہاری محرومی ہے۔ حسین رض اس بات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو برا بھلا کہو اور برملا ان کی مذمت کرو۔ امیر المومنین! میں درخواست کرتا ہوں کہ حسین رض کے بارے میں ایسی بات نہ کہیئے جو مجھے ناگوار ہو۔"

یزید رح نے جواب دیا۔

"میرے چچیرے بھائی! میں حسین رض کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہوں گا جس سے تمہارا دل دکھے۔"

(انساب الاشراف بلاذری ج ۴)

حضرت حسین رض کے ناکام اقدام خروج پر ہر فریق نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اظہار خیال کیا ہے۔ مخالفین نے نکتہ چینی کی۔ موافقین نے ان کو معصوم عن الخطاء ہی قرار دے دیا۔ لیکن اہل خاندان خاص کر ان کے صاحبزادے حضرت علی بن الحسین (زین العابدین رح) کا اس بارے میں جو رویہ رہا اس سے بخوبی ثابت ہے کہ ان کے اہل خاندان اس واقعہ کو ایسا سیاسی اقدام سمجھتے تھے جو مناسب نہ تھا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

## کربلآ، وجہ تسمیہ اور محل وقوع

عربی زبان کے یہ دو لفظ کَرْبَل وکَرْبَلَةً معنی وتلفظ کے اعتبار سے تقریباً یکساں ہیں کربلآء ان ہی سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ یاقوت حموی کہتے ہیں:۔

کَرْبَلآء بلمد۔ فاما اشتقاقہ فالکربلۃ۔ | کربلا جو مد کے ساتھ ہے اس کا اشتقاق لفظ کربلۃ سے ہے۔

(ص ۲۲۹ ج معجم البلدان)

غَرْبَل اور غَرْبَلَۃ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے جیسے غربل الحنطۃ منٹ (المنجد طبع بیروت) اسی مؤلف نے یہ عربی شعر جس میں غربلت اور کربلت اسی معنی میں آئے ہیں مثالاً پیش کیا ہے:۔

یحملن حمراء رسوبا الثقل | قد غربلت وکربلت من القصل

ضمناً ذکر ہو چکا ہے کہ ارض الطف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین کربلاء کہلاتی تھی جو روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم وملائم زمین تھی۔ نیز جو قریہ مذکور کی

فصل غلہ پھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بناء پر کربلاء کہلاتی تھی۔

ان تکون هذه الارض منقاة من الحصى والدغل فسميت ذلك (ص۲۲۹ ج معجم البلدان)

اور یہ زمین روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی لئے یہ نام بھی پڑا (کربلاء غلہ پھوڑنے کی زمین تھی)

فصل غلہ خاص کر فصل گندم کاٹ کر پھوڑتے یعنی بھوسہ اڑا کر صاف کرنے کو کربل کہتے ہیں۔ یہ کیچڑ میں بدقت اور آہستہ چل کر آنے کے لئے بھی مکرر بلا کہا جاتا ہے۔ جیسے جاء یمشی مکربلاً (ص۱۷ المنجد طبع بیروت) یعنی وہ مٹی ملے ہوئے پانی (کیچڑ) میں بدقت چل کر آیا۔

کربلاء کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے یاقوت حموی نے لکھا ہے:۔

ویقال کربلت الحنطة اذا هززتها ونقيتها فى صفة الحنطة۔

گندم کی طرح سے جب غلہ پھوڑتے ہیں تو کہتے ہیں کربلت الحنطة۔

(ص۲۲۹ ج معجم البلدان)

یہ زمین مزروعہ تو نہ تھی لیکن سرخ پھولوں والے پودے جن میں ترش پھل لگتے تھے بکثرت اُگتے تھے۔ جن کو الحماض کی قسم میں شمار کیا جاتا تھا جو عتبہ کی طرح ہوتے تھے اور پتے ان کے کاسنی جیسے۔

وكربل اسم نبت الحماض فيجوز ان يكون هذا الصنف من النبت يكثر نبته هناك فسمى به۔

اور کربل نام ہے الحماض کی طرح کے پودوں کا چونکہ یہ قسم یہاں بکثرت اگتی تھی اس لئے بھی اس کا (کربلاء کا) یہ نام پڑ گیا تھا۔

(ص۲۲۹ ایضاً)

غرضیکہ ارض کربلاء جوارض الطف میں شامل تھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے نرم و ملائم زمین تھی۔ قدماء کے اشعار اور تالیفات میں کربلاء کے بجائے طف ہی کا نام آتا ہے ابو دہبل[1] الجمحی نے اس سانحہ میں ہاشمیوں کے مقتول ہو جانے کا مرثیہ لکھتے ہوئے ایک شعر میں کہا ہے۔

الا ان قتلى الطف من آل هاشم — اذلت رقاب المسلمين فذلت

[1] اسی شعر کو قدرے تغیر لفظی سے سلیمان بن قتیبہ سے منسوب کرتے ہیں۔
ان قتيل الطف من آل هاشم — اذل رقاباً من قريش فذلت



یوم کربلاء کو یوم الطف کہتے تھے اور مقتولین کے ذکر میں "قتیل وشہید الطف" مثلاً:۔

واما عون ومحمد الاصغر فقتلا مع ابن عمهما الحسين يوم الطف (ص۲ عمدة الطالب فى انساب آل ابى طالب)

لیکن عون و محمد الاصغر اپنے چچیرے بھائی حسینؓ کے ساتھ یوم الطف یعنی طف کی لڑائی میں قتل ہوئے۔

فرزندان علیؓ کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے کہ ان کے ۱۹ بیٹے تھے۔ جن میں سے چند ان کی حیات میں فوت ہو گئے تھے باقی ۱۳ میں سے چھ مقام طف میں حضرت حسینؓ کے ساتھ قتل ہوئے۔ صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ:۔

وقتل منهم بالطف ستة (ص۲۵)

اور ان میں سے چھ۔ طف کے مقام پر قتل ہوئے۔

عباس بن علیؓ کے ذکر میں کہتے ہیں:۔

والعباس شهيد الطف۔ (ص۲۵)

اور عباسؓ (مقام) طف کے شہید

علامہ ابن حزم محمد بن عبداللہ بن جعفرؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

قتل بالطف (ص۶۱ جمہرۃ الانساب)

(مقام) طف پر قتل ہوئے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:۔

كان مقتل الحسين بمكان من الطف يقال له كربلاء۔ (ص۱۹۰ ج البدایہ)

یعنی حسینؓ کا مقتل الطف کے مقام پر ہوا جسے کربلا کہتے ہیں۔

غرضیکہ فصل غلہ پھوڑنے کا میدان (کربلاء) ارض طف میں واقع تھا اور ارض الطف وہ زمین تھی جو عراق کی زرخیز اور سرسبز و شاداب زمین سے متصل اور اس سے قدرے بلند تھی۔ صاحب معجم البلدان نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:۔

والطف۔ ارض من ضاحية الكوفة فى طريق البرية فيها كان مقتل

اور الطف کوفہ کے پاس کی وہ میدانی زمین ہے جو صحرائے دشام کے راستہ پر واقع ہے

لا ، میرہ ومشفق علی قومہ ۔ نعم قد قبلت ۔ — جو اپنے امیر کا صحیح مشیر ہے اور اپنی قوم کا مشفق ہے ہاں تو میں نے قبول کیا۔

(ص ۲۳۶ ج طبری)

راویوں کے اس بیان سے کیا یہ واضح نہیں ہوتا کہ حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح وآشتی سے نمٹانا چاہتے تھے۔ دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں۔ ایک تو برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دینی پڑیں دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلے کے ساتھ آ رہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح ومصالحت نہ ہونے پائے کیونکہ ان کے لئے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی۔ کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رُخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر۔ انہوں نے اپنے ان پیش رو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی جنہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرا دی تھی۔

جنگ جمل تو ان ہی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اسی بات پر تھی کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ موقف پر قائم رہیں۔ ابو مخنف ہی کی روایت یہ بھی ہے کہ کوفیوں نے جن میں چار نووارد کوفی بھی شامل تھے حضرت موصوف کو یہ ترغیب دینی شروع کی کہ کوہستان آجاء وسلمیٰ پر چل کر ڈیرے ڈالیں بنی طے کے بیس ہزار سوار اور پیادے بہت جلد مدد اور نصرت کو آموجود ہوں گے ان کوفیوں نے اپنے اسلاف کے قصے بیان کرنے شروع کئے کہ ہم لوگ شاہان غسان و حمیر و نعمان بن منذر سے جن کی حکومت [illegible] کے نواح میں تھی ان ہی پہاڑوں کی پناہ میں محفوظ رہے تھے۔ حکومت وقت کے نمائندوں کو حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہوکر کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلاب حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان ومنصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا مگر ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا



قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی یعنی عمر بن سعدؓ کی ملاقاتوں کے نتیجے میں حضرت حسینؓ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین سے بیعت کر لیں ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر یہیں بیعت کریں۔ تمام اقطاع مملکت اسلامی میں عام وخاص حتیٰ کہ صحابہ کرام جیسی بلند و بالا ہستیوں نے اسی طرح عاملان حکومت کے ہاتھ پر امیر المومنین کی بیعت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ کہ تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے“۔ آپ کا یہ قول اگر صحیح نقل ہوا ہے تو باعث استعجاب ہے کیونکہ آئینی حیثیت سے نمائندے کی حیثیت ذاتی نہیں رہتی۔ امیر کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا۔ آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ بمزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں نمائندگان حکومت کے حوالے کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدباب ہو جائے جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگو سے پیدا تھا کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی ! طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کے لئے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے، مگر حضرت ابن الزبیرؓ سے گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے تھے۔ حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادران مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوش انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے مشتعل کر دیا نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے، اور جنہیں صلح ومصالحت میں اپنی موت نظر آ رہی تھی یہ موقعہ ہاتھ آگیا، انہوں نے اپنے پیش رووں کی تقلید میں جنہوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی عاقبت نااندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا۔ آزاد محققین ومستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ :-

الحسین بن علی وھی ارض بادیہ من الریف فیھا عدۃ عیون ماء جاریۃ منھا الصید والقطقطانۃ والرھیمیۃ وعین جمل وذراتھا (ص۱۵ ج۶ معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ لیپزک ۱۸۶۷ء)

جہاں حسینؓ بن علیؓ مقتول ہوئے تھے۔ یہ زمین ریف یعنی سرسبز و شاداب و زرخیز اراضی کی صحرائی زمین ہے جس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے ہیں جن میں الصید والقطقطانہ ورہیمیہ اور چشمہ جمل اور ان کے مثل دوسرے چشمے ہیں۔

اس ارض الطف کے ساتھ ساتھ ایران کے شہنشاہ شاپور نے ایک طویل وعریض خندق اس غرض سے کھدوائی تھی کہ اہل عرب ان چشموں کو اپنے کام میں نہ لا سکیں (معجم البلدان) ارض الطف میں بہتے پانی کے چشمے ایسے بھی تھے کہ مثلاً مچھلیاں بکثرت ہونے کی وجہ سے ایک چشمے کا نام ہی عین الصید پڑ گیا تھا کیونکہ لوگ وہاں مچھلیاں شکار کرتے تھے۔ "وسمیت عین الصید بکثرۃ السمک الذی کان بھا (ص۱۵ معجم البلدان)

اسی ارض الطف میں وہ سب قریات شامل تھے جن کا ذکر ان روایتوں میں بار بار آتا ہے کہ حسینی قافلہ قرب کوفہ سے براہِ قادسیہ والعذیب لوٹتے اور ملکِ شام کے راستے پر چلتے ہوئے ان سے گزرتا گیا تھا، ارض الطف کو "طف الفرات ای شاطی" کہتے تھے (ص۱۵ معجم البلدان) یعنی دریائے فرات کی ساحلی زمین۔ اور یہ زمین اپنی نوعیت میں نرم و ملائم زمین تھی۔

ان تکون ارض ھذہ الموضع (کربلا) رخوۃ فسمیت بذلک۔ (صفحہ ۲۲۹ ج۷ معجم البلدان)

اس مقام (کربلا) کی زمین چونکہ ملائم تھی، اس لئے اس نام سے کربلاء موسوم ہوئی۔

مندرجہ بالا تصریحات سے بخوبی واضح ہے کہ کربلا کی زمین غلہ بچھوڑنے کے کام آتی تھی، کنکروں روڑوں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی بنا پر کربلۃ کہلاتی تھی اور اسی سے کربلاء مشتق ہے اسی کے ساتھ عمدۃ الطالب کے شیعی مولف نے اس حقیقت کا بھی صاف الفاظ میں اظہار کر دیا ہے کہ حضرت حسینؓ اور ان کے قافلے کو گھیر گھار کر اس جگہ نہیں پہنچایا گیا تھا بلکہ وہ اس مقام پر یوں پہنچے تھے کہ راستے میں جب ان کو یہ اطلاع مل گئی کہ اب کوفہ میں ان کا کوئی ناصر و معین و مددگار نہیں رہا مسلم اور



ان کے مددگار ہانی بن عروہ بھی بغاوت پھیلانے کے جرم ماخوذ ہو کر قتل ہو چکے انھوں نے اپنے موقف سے رجوع کر کے یہ طے کر لیا کہ کوفہ کے بجائے سیدھے دمشق بن خلیفہ وقت یزید بن معاویہؓ کے پاس چلے جائیں۔ وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویۃ (ص۱۷۹ عمدۃ الطالب) یعنی وہ (حسینؓ) ملک شام کی طرف مڑ گئے یزید بن معاویہؓ کے پاس جانے کے لئے۔ قادسیہ و کوفہ سے شام (دمشق) جانے کا راستہ کربلا ہو کر جاتا تھا یہی شیعہ مولف لکھتے ہیں کہ جب انھیں کوفہ جانے اور گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیاد کا حکم ماننے کو کہا گیا تو انھوں نے منع کیا اور یزیدؓ کے پاس چلا جانا پسند کیا فامتنع واختار المضی نحو یزید (ص۱۹۰ ایضاً) اب دیکھئے اسی بات کو ابومخنف نے کس انداز میں پیش کیا ہے۔ اور یہی مسخ صورت واقع کی بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

جب حسینؓ اس مقام پر پہنچے تو ان کا گھوڑا یہاں رک کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اس پر سے اتر پڑے اور دوسرے گھوڑے پر چڑھے مگر اس نے بھی ایک قدم بھی نہ اٹھایا پھر تیسرے پر چڑھے وہ بھی نہ چلا، اسی طرح برابر سات گھوڑوں پر چڑھتے اترتے رہے مگر ان سب کا یہی حال ہوا کوئی بھی آگے کو نہ چلا۔ یہ حال دیکھ کر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے، تو لوگوں نے کہا غاضریہ پوچھا اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے کہا نینوا پوچھا اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے کہا شاطی الفرات پوچھا اس نام کے علاوہ کوئی اور نام ہے کہا کربلا۔ یہ سن کر آپ نے آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ زمین کرب وبلاء اب یہیں اتر پڑو کیونکہ یہی مقام ہمارے سفر کا منتہا ہے یہیں ہمارا خون بہے گا یہیں ہماری عزت وحرمت لٹے گی اور واللہ یہیں ہمارے مرد قتل کئے جائیں گے یہیں ہمارے بچے ذبح کئے جائیں گے اور واللہ یہیں ہماری قبروں کی زیارت کو لوگ آئیں گے۔ اور میرے نانا رسول اللہ نے اسی تربت کا وعدہ کیا تھا۔ آپ کا قول غلط نہیں ہو سکتا (مقتل ابی مخنف ص۴۹)

کربلا سے کرب وبلا گھڑ کر غیب دانی کی صفت جو سوائے خدائے بزرگ و برتر علام الغیوب کے کسی نبی و رسول کو بھی عطا نہیں ہوئی کس طرح حضرت حسینؓ سے

منسوب کی گئی ہے۔

## فرات کا کنارہ

یہ سارا علاقہ (الطف) ساحلی علاقہ تھا، اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ عہد ماقبل تاریخ میں تہہ آب رہا تھا۔ پھر دورہ دلدل میں تبدیل ہو کر خشک ہوتا گیا تھا۔ جس کے بعد تین مشہور شہر اس نواح میں اجڑے اور بسے جن کے تذکرے اوراق تاریخ پر ثبت ہیں۔ یعنی کلدانیوں کا بابل۔ بنو کندہ کے الحارث کا انبار اور لخم کا الحیرہ اس کے نواح میں یہ قریہ عقر تھا۔ جس کی مضافاتی زمین کربلاء تھی۔

"عرب و مشرق بعید" کے لائق مؤلف نے مسٹر ہرتھ (HIRTH) ایک محقق کے حوالہ سے عہد عتیق کے ایک بندرگاہ (TIA OCHI) کا ذکر کیا ہے جو اس نواح میں تھا ایرانیوں اور چینیوں کی تجارتی کشتیاں وہاں لنگر انداز ہوتی تھیں ایرانیوں ہی کے ذریعہ چینیوں کو ابتداءً عربوں سے سابقہ پڑا تھا اہل ایران عربوں کو "تاجر" کہتے تھے اسی لفظ کو بگاڑ کر چینی ان کو "تاچی" کہنے لگے سٹا یداس بندرگاہ کے نام میں بھی (CHI - A) شامل ہو عہد عتیق کے بعد جب الحیرہ آباد تھا۔ ہندیوں کی تجارتی کشتیوں کے بندرگاہ حیرہ پر آنے کا ذکر حمزہ اصفہانی نے بھی کیا ہے۔ یہ ثابت ہے کہ انبار اور حیرہ دریائے فرات ہی کے قرب میں تھے۔ عرب جغرافیہ نویس اور مورخ المسعودی نے دریائے فرات کے رخ تبدیل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرات کا کنارہ بتایا ہے کہ اس کی ایک قدیم شاخ جو بعد میں خشک ہو کر العتیق کہلانے لگی تھی۔ قادسیہ[2] کی مشہور جنگ حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں ایرانیوں کے خلاف لڑی گئی تھی۔ سانحہ کربلاء کے زمانہ میں دریائے فرات ان نواح سے جہاں حیرہ آباد تھا اور اسی کے قرب میں کوفہ کا علاقہ اور کربلاء کا میدان بھی تھا کوسوں دور ہٹ گیا تھا کوفہ سے پچیس میل اور کربلا سے بیس میل کے فاصلہ پر

---

[1] الیس اے حزین پروفیسر فواد یونیورسٹی قاہرہ کی یہ تالیف بزبان انگریزی ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی

[2] جنگ قادسیہ بعہد فاروقی اواخر ۱۴ھ میں ہوئی تھی ایرانیوں کی افواج کثیر کی خبر سنکر حضرت فاروق اعظم رض نے بذات خود محاذ جنگ پر تشریف لیجانے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت عباس رض بن عبد المطلب اور بعض اکابر صحابہ نے مستقر خلافت چھوڑ کر جانے کو



تھا اور اب بھی ہے۔

## پانی کی افراط

یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ کربلا کی زمین سرسبز و شاداب زمین تھی اس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے تھے جن میں سے چار چشموں کے ناموں کی صراحت مؤلف نے بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ ذراسی زمین کھودنے سے "آب زلال وگوارا" یہاں بآسانی حاصل ہوسکتا تھا۔ ناسخ التواریخ کی ایک وضعی روایت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جہاں حضرت حسین رض کا زمین کھود کر "آب زلال" نکال لینا بیان کیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مورخ فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| آنحضرت تبرے برگرفت واز بیرون | آنحضرت (یعنی حسین رض) نے ایک کدال |
| خیمہ زنان نوزدہ گام بجانب قبلہ رفت | اٹھائی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر کی طرف |
| آنگاہ زمین را بابتر لختے حفر کرد ناگاہ آبے | ۱۹ قدم قبلہ کی جانب چل کر گئے اور زمین کو |
| زلال وگوارا بجوشیدہ اصحاب آنحضرت | تھوڑا سا کھودا کہ ناگاہ آب زلال وگوارا |
| بنوشید و مشکہا پر آب کردند۔ | زور سے نکل پڑا آپ کے ساتھیوں نے نوش |
| (ص ۳۲۵ ج ۲ از کتاب دوم مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ) | کیا اور مشکیں بھی پانی سے بھر لیں۔ |

ان ہی غالی مؤلفین کی روایتوں میں پانی کے موجود ہونے اور با افراط ہونے کا ذکر آیا ہے

---

منع کیا حضرت علی رض نے جانے کی رائے دی تھی لیکن آپ نے پہلا مشورہ قبول کیا اور حضرت علی رض کو جیوش اسلامی کی قیادت پیش کی "وعرض علی علی اشخاص نا باہ" یعنی علی کو محاذ جنگ پر د اسلامی افواج کی سپہ سالاری پیش کی اس پر انھوں نے انکار کیا اس پر حضرت فاروق اعظم رض نے یہ ارشاد فرماکر حضرت سعد رض بن ابی وقاص کو مامور کیا کہ وہ مرد شجاع اور بڑے تیرانداز ہیں "انہ رجل شجاع رام" (ص ۲۶۴ فتوح البلدان بلاذری) ان ہی کی قیادت میں ایران فتح ہوا۔ ان کے منجملہ آٹھ بیٹوں کے چھ سے نسل باقی رہی جن میں عمر بن سعد رض بن ابی وقاص بھی ہیں ان کے فرزند ابوبکر بن عمر بن سعد رض راوی حدیث اور صاحب نسل ہیں الغرض حضرت علی رض کے ساتھ عقیدت میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ انھوں نے ایران پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سیدنا عمر سیدنا خالد سیدنا سعید بن العاص سیدنا سعد رض اور ان کے فرزند عمر بن سعد رض سے عداوت کا سبب بھی فتوحات ایران ہیں۔

سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد۔ لیکن جب کربلا کی صحیح وجہ تسمیہ اس کے محلِ وقوع اور حسینی قافلہ کے موقع پر دس محرم سے پہلے نہ پہنچ سکنے کے مندرجہ بالا ناقابل تردید واقعات و حالات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو قحطِ آب کی یہ سب فرضی داستانیں بے حقیقت اور وضعی ثابت ہوتی ہیں۔

## واقعاتِ کربلا اور ان کے راوی

یہ حقیقت ہے کہ کربلا کے جو واقعات عام طور سے مشہور ہیں اور کتابوں میں درج ہیں ان کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں، اصلیت کیا ہے اس کا سراغ لگانا اور سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا بڑا دشوار ہے۔ راویوں میں سے کسی کا اپنا کوئی چشم دید واقعہ مطلق نہیں سب کے سماعی ہیں۔ قدیم ترین راوی ابو مخنف (لوط بن یحییٰ) دوسری صدی ہجری کے اس قماش کے راوی ہیں کہ ائمہ رجال نے انھیں "شیعی محترق" یعنی کٹر شیعہ اور دروغ گو "کذاب" کہا ہے۔ خانہ جنگیوں پر ان کی متعدد تالیفات ہیں۔ جنگ جمل و صفین و نہروان کے علاوہ کربلا پر "مقتل ابو مخنف" ان کا مشہور ہے جو مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے مملو ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر روایتیں خود انہی کی مخترعات ہیں ان کے سارے ذخیرے کو ابن جریر طبری نے "قال ابو مخنف" کی تکرار کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کر لیا اور طبری سے دوسرے مورخین نے نقل کیا اس طرح ان موضوعات کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔ کربلا کے حادثے کے زمانہ میں ابو مخنف کا تو اس دنیا میں وجود ہی نہ تھا۔ ان کا سنہ وفات امام ذہبی نے ۱۷۰ھ کے لگ بھگ بتایا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۱) اور بعض لوگوں نے ۱۵۷ھ یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً سو سال بعد۔ اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ وہ کس ذہنیت کے راوی تھے۔ چنانچہ ائمہ رجال کے اقوال ان کے بارے میں سنتے چلئے۔

صاحب کشف الاحوال فی نقد الرجال (ص ۹۲) کہتے ہیں "لوط بن یحییٰ، ابو مخنف کذاب"۔ اسی طرح صاحب تذکرۃ الموضوعات نام لکھ کر "کذاب" کے لفظ سے ان کا تعارف کراتے ہیں (ص ۲۸۶) سیوطی نے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ (ص ۳۸۶) میں ابو مخنف اور اس کے ہم داستان الکلبی دونوں کے بارے میں لکھا ہے "لوط والکلبی کذابان"۔ امام ذہبی میزان الاعتدال میں ابو مخنف کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ:-



مثلاً امالی صدوق کی ایک روایت میں شب عاشورہ میں علی اکبر کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنا پانی بھر لانا مذکور ہے جس سے کپڑے بھی دھولئے گئے اور غسل بھی کئے گئے۔ آدمیوں اور جانوروں کے پینے اور دیگر ضروریات میں کام آیا۔ خود طبری نے ابو مخنف کی یہ روایت بھی درج کی ہے کہ اسی دسویں محرم کو مصنوعی لڑائی شروع کرنے سے پہلے حضرت حسینؓ نے حکم دیا کہ بڑا خیمہ نصب کیا جائے۔ جب خیمہ نصب کر دیا گیا تو آپ نے یہ حکم دیا کہ بڑے کاسے میں مشک گھولا جائے (ثم امر بمسک فمیث فی جفنۃ عظیمۃ)

جب مشک بڑے کاسے میں گھولا جا چکا تو روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ بڑے خیمہ کے اندر نورہ لگانے کے لئے تشریف لے گئے۔ (دخل الحسین ذلک الفسطاط فتطلی بالنورۃ) اور صرف حضرت حسینؓ ہی نہیں بلکہ آپ کے سب ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ کہتے ہیں۔ (دخلنا فاطلینا) یعنی ہم سب خیمہ میں گئے اور نورہ لگایا۔ اول تو یہ "نورہ" لگانے کی رسم نہ عرب میں تھی اور نہ کسی عرب مجاہد و غازی کے حالات میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ تو خالص عجمی دستور تھا۔ ایرانی پہلوان تیغ آزمائی یا زور آزمائی سے پہلے اپنے جسم کے بالوں کو "نورہ" مل کر اسی طرح صاف کر لیتے تھے جیسے آج بال صفا پوڈر سے صاف کر لیتے ہیں۔ نورہ عام طور سے ہرتال اور چونہ قلعی کو باریک پیس کر اور پانی میں گھول کر تیار کیا جاتا تھا۔ بدن پر مل کر اتنی دیر لگا رہنے دیتے کہ بال جھڑ جائیں پھر غسل کر لیتے پس حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا نورہ لگانا مان بھی لیا جائے تو ظاہر ہے کہ مشک کا بڑے کاسے میں گھولنا یا نورہ کا گھول کر تیار کرنا بغیر پانی کے کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔ ایک اور وضعی روایت میں جو طبری نے ابو مخنف ہی کے حوالہ سے نقل کی ہے یہ بیان ہے کہ عاشورہ ہی کے دن جب زینب ہمشیرہ حسینؓ کو غش آ گیا تھا تو ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لایا گیا تھا۔ منہ پر چھینٹے مارنے کے لئے تو پانی موجود بتاتے ہیں مگر پیاسے بچوں کے منہ میں چند بوندیں ٹپکانے کے لئے قحطِ آب کی فرضی داستانیں یہ راوی بڑے آب و تاب سے بیان بھی کرتے جاتے ہیں۔

---

؎ یعنی چونہ قلعی۔ چیزیست کہ برائے دور کردن مو از بدن بکار برند و آں آہک زرنیخ بہم ساختہ است (غیاث اللغات)

لا یوثق بہ
ترکہ ابوحاتم وغیرہ

کسی اعتبار کے لائق نہیں ابوحاتم وغیرہ
ائمہ جرح وتعدیل نے اسے متروک
قرار دیا ہے۔

قال الدارقطنی ضعیف قال ابن
معین لیس بثقۃ قال مرۃ
لیس بشیٔ قال ابن عدی شیعی
محترق صاحب اخبارھم۔

دارقطنی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے ابن معین
کہتے ہیں کہ وہ اعتماد کے لائق نہیں مرۃ فرماتے
ہیں کہ وہ تو کوئی چیز ہی نہیں۔ ابن عدی نے
کہا ہے کہ وہ تو کٹر شیعہ ہے اور شیعوں ہی
کی خبریں روایت کرتا ہے۔

غرضیکہ سب نے ان کو ناقابلِ اعتماد، دروغ گو بتایا ہے حتیٰ کہ تاج العروس شرح القاموس (جزء ۶ فصل د مثلا) میں ابومخنف کا "اخباری شیعی تالف متروک" کہہ کر تعارف کرایا ہے۔
اسی طرح صاحب معجم الادباء نے (ج ۱۷) ان کے بارے میں ائمہ رجال کا یہ قول نقل کیا ہے "ھو کوفی دلیس حدیثہ بشیٔ" یعنی وہ کوفی تھا اور اس کی روایتیں کسی کام کی نہیں۔ اب ابومخنف کے ہم داستانوں کا بھی حال سنئے۔ ایک تو محمد بن السائب الکلبی ہے اور دوسرا اس کا بیٹا ہشام۔
محمد بن السائب الکلبی ابوالنضر الکوفی کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں کہ:۔

کان الکلبی سبائیًا من اولٰئک
الذین یقولون ان علیًا لم یمت وانہ
راجع الی الدنیا ویملؤھا عدلاً
کما ملئت جورًا۔
(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۵۷)

یہ الکلبی سبائی تھا اور ان لوگوں میں سے
تھا جو کہتے ہیں کہ علی کو موت نہیں آئی وہ
لوٹ کر دنیا میں آئیں گے اور اس کو عدل
سے اسی طرح بھر دیں گے، جس طرح ظلم
سے بھری ہوئی ہے۔

دیگر ائمہ رجال کے چند اقوال اس سبائی راوی کے بارے میں اور بھی سنئے:۔

قال ابن معین الکلبی لیس بثقۃ
قال الجوزجانی وغیرہ کذاب

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ الکلبی لائق اعتماد
نہیں جوزجانی وغیرہ (ائمہ رجال) کہتے ہیں:



قال الدارقطنی وجماعۃ متروک
قال الاعمش۔ اتق ھذا السبائی
فانی ادرکت الناس یسمونھم الکذابین

وہ کذاب تھا۔ دارقطنی اور ائمہ رجال کی ایک
جماعت نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔
اعمش نے کہا ہے کہ اس سبائی (الکلبی)
سے بچتے رہو، کیونکہ میں نے ایسے اشخاص
کو پایا وہ ان کو کذابین سے موسوم کرتے تھے۔

اس الکلبی کا بیٹا ہشام بھی راوی ہے اور کوئی ڈیڑھ سو رسائل وکتابوں کا مؤلف بھی ہے، اس کا پورا نام ہے "ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ابوالمنذر" ائمہ رجال اس کے بارے میں کہتے ہیں:۔

قال الدارقطنی وغیرہ متروک
قال ابن عساکر رافضی لیس
بثقۃ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۶)

دارقطنی وغیرہ (ائمہ رجال نے) اس کو
متروک قرار دیا ہے۔ ابن عساکر نے کہا ہے
کہ وہ رافضی ناقابلِ اعتماد ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی ان سب راویوں کو کذاب بتایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ابومخنف وھشام بن محمد بن
السائب وامثالھما من المعروفین
بالکذب عند اھل العلم
(منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۳)

ابومخنف اور ہشام بن محمد بن السائب اور
ان جیسے راویوں کا دروغ گو اور جھوٹا ہونا
تو اہلِ علم کے یہاں مشہور ومعروف بات ہے

الغرض یہ ہیں وہ راوی اور اسی وضع وقماش کے چند اور جن کی وضعی روایتوں سے داستان کربلا مرتب ہوئی۔ عقیدت وتوہم پرستی سے ذرا ہٹ کر دیکھئے تو ان کا سرمایہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کچھ کذب وافترا ہے کچھ کذب حق نما۔ فرماتے ہیں:۔

والذین نقلوا مصرع الحسین
زادوا اشیاء من الکذب کما
زادوا فی قتل عثمان وکما زادوا فیما
یراد تعظیمہ من الحوادث وکما
زادوا فی المغازی والفتوحات

اور جن لوگوں نے حسین کا حزنیہ نقل کیا ہے
انھوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں
یا جیسے کہ ان حوادث کے بیان میں جن سے
حسین کی تعظیم مقصود ہے اور جیسے کہ مغازی
اور فتوحات وغیرہ کے بیان میں جھوٹے قصے

وغیر ذٰلک والمصنفون فی اخبار قتل الحسین منهم من هو من اهل العلم کالبغوی و ابن ابی الدنیا وغیرهما ومع ذٰلک فیما یروونه آثار منقطعة وامور باطلة وما یرویه المصنف فی المصرع بلا اسناد فالکذب فیه کثیر۔

بڑھا دیئے ہیں اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں جو اہل علم ہیں مثلاً بغوی اور ابن ابی الدنیا انھوں نے بھی باوجود اپنے علم وفضل کے جو کچھ اس بارے میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں لیکن جو مصنف بغیر سند کے اس حزینہ کے بارے میں کہتے ہیں ان میں تو بہت ہی زیادہ کذب ہے۔

(منہاج السنۃ ج ۲ صفحہ ۲۴۸)

یہاں داستانِ کربلا کی وضعی ومن گھڑت روایتوں اور امور باطلہ کی تفصیل کا موقعہ نہیں زمانہ حال کے ایک شیعہ مؤلف[1] فرماتے ہیں کہ :۔

"صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں ۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہوگیا۔ ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی، کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انھوں نے بھی سماعی لکھے ہیں۔ لہٰذا مقتل ابومخنف پر بھی پورا وثوق نہیں پھر لطف یہ کہ مقتل ابومخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابومخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے "

"مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؑ کے متعلق تمام واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو ایک ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں۔ اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، شمر کا سینۂ مطہر پر بیٹھ کر

[1] جناب شاکر حسین صاحب امروہوی مؤلف مجاہد اعظم



سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کا لکد کوب سم اسپان کیا جانا، سراوقات اہلبیت کی غارت گری، بنی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا وغیرہ وغیرہ ۔ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں "۔ (مجاہد اعظم صفحہ ۱۶۷)

کتب تاریخ میں ان وضعی روایتوں اور من گھڑت واقعات کا تفصیل اور شرح و بسط سے بیان ہونا جنھیں شیعہ مؤلف خود ہی "غلط ومشکوک وضعیف ومبالغہ آمیز اور من گھڑت" کہتے ہیں، علامہ ابن جریر طبری کی توجہ فرمائی کا نتیجہ ہے، کیونکہ سب سے پہلے انھوں نے ہی ابومخنف وغیرہ کے ذخیرہ کو اپنی کتاب میں شامل کر دیا اور ان سے بعد کے آنے والے مورخین نے آنکھ بند کر کے نقل در نقل کیا۔ اب کچھ ان ابن جریر طبری کا حال بھی سن لیجئے جنھیں روایت پرست خوش فہموں نے اہل سنت کا امام قرار دے لیا ہے۔

## ابن جریر طبری

ابن جریر جن کا پورا نام وسلسلہ نسب یہ ہے، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب سنہ ۲۲۴ھ میں طبرستان کے شہر آمل میں پیدا ہوئے اپنے مولد ومنشاء آمل کی نسبت سے آملی بھی کہلائے اور طبرستان کی نسبت سے طبری بھی ۔ آخر الذکر نسبت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ علم وفضل میں یگانہ روزگار علامہ وقت تھے ۔ نسباً ایک غالی رافضی خاندان کے فرد تھے ۔ ان کا حقیقی بھانجہ محمد بن عباس خوارزمی[1] جو بلند پایہ ادیب اور ہجوگو شاعر تھا، اپنے ماموؤں کی طرح غالی رافضی تھا۔ باپ اس کا علاقہ خیوا کے مقام خوارزم کا تھا اور ماں مورخ طبری کی ابن جریر کے گھرانے کی تھی وہ اپنے ننھیال میں پلا بڑھا، آخر میں بویہ جیسے غالی شیعہ امراء کی سرپرستی میں رہا وہ اپنے ماموؤں کے رافضی مسلک ہونے کا اظہار ان اشعار میں فخریہ طور سے کرتا ہے ؎

بآمل مولدی وبنو جریر فاخوالی ویحکی المرء خاله

میرا مولد آمل ہے اور جریر کے بیٹے میرے ماموں ہیں اور ہر شخص اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔

---

[1] ابن اخت الطبری توفی سنہ ۳۹۳ھ (ہدایۃ العارفین اسماء المؤلفین) کان الخوارزمی رافضیاً غالیاً (فی مرتبۃ الکفر عالیاً) (الوافی للصفدی)

| | |
|---|---|
| فما انا رافضی عن تراث | وغیری رافضی عن کلالہ |
| تو نسل کی وراثت میں رافضی ہوں | اور میرے سوا جو رافضی ہے وہ دور کے |
| (معجم البلدان یاقوت حموی) | لگاؤ سے ہے۔ |

ابن جریر نے شیعہ اور سنّی علماء سے استفادہ کیا تھا، طلب احادیث میں طویل سفر بھی کئے تھے۔ قرآن مجید کی بڑی ضخیم تفسیر لکھی اور تاریخ میں تاریخ الامم والملوک۔ خم غدیر جیسے من گھڑت قصہ کے متعلق دو ضخیم جلدیں مرتب کر ڈالیں اور اسی طرح حدیث الطیر کے سلسلہ کی ایک کتاب مرتب کی۔ وضو میں جواز مسح قدمین کے قائل تھے اور ان کا دھونا واجب نہ جانتے تھے۔ (البدایہ ۱۱ ج ص۱۴۸) آیت تطہیر کے لفظ اہل بیت کی غلط تاویل میں شیعہ راویوں کی موضوع حدیثیں بیش کر ڈالی ہیں۔

امام ذہبی ابن جریر طبری کے بارے میں یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں تشیع بھی تھا، اور حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے موالاۃ بھی مگر مضر نہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۰) جن ائمہ رجال اور محدثین نے ابن جریر کو شیعہ اور رافضی کہا ہے ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ ان کا ظن کاذب ہے ابن جریر تو کبار ائمہ اسلام میں سے تھے۔ وہ دوسرے محمد بن جریر بن رستم ابو جعفر طبری تھے جو رافضی تھے مگر ان کی تالیف سے تاریخ میں کوئی کتاب نہیں چنانچہ ابن جریر کے تذکرے کے بعد ان کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ حافظ احمد بن علی السلیمانی جیسے بلند پایہ محدث کا یہ قول ابن جریر طبری کے بارے میں صحیح ہے کہ

کان یضع للروافض یعنی ابن جریر طبری رافضیوں کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔

ابھی جن دو ضخیم کتابوں کا ذکر ہو چکا ہے کہ خم غدیر جیسے وضعی قصہ پر انھوں نے کتنی حدیثیں جمع کیں، یہ سب موضوعات ہیں اور شیعی پروپیگنڈے (وصایت) کی خاص الخاص، آخران وضعی احادیث کا دو جلدوں میں جمع کرنا کس بات کا ثبوت ہے۔ یہ کہنا کہ "فیہ تشیع وموالاۃ لا تضر" یعنی ان میں شیعیت بھی تھی اور موالاۃ بھی مگر مضر نہیں بے معنی سی بات ہے۔ ان کی تاریخ کی ورق گردانی کیجئے، حضرت علیؓ، ان کے دو صاحبزادوں اور شیعوں کے اماموں کے ناموں کے ساتھ شیعہ شعار کے مطابق علیہ السلام یا صلوات اللہ علیہ وغیرہ الفاظ اور عبارتیں ملیں گی۔ برخلاف اس کے بعض صحابہ اور خلفائے اسلام کے ناموں پر "لعن"، تک تحریر ہے ان کی تاریخ کی جلد ۱۳ کے سرورق پر یہ عبارت ہے "من تاریخ الصحابۃ والتابعین تصنیف ابی جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری" اس کے ص۲۴ سطر ۲۵ پر "فی وسط خلافۃ



معاویۃ لعنۃ اللہ" لکھ مارا ہے اور ص۲۹ سطر ایر "فی خلافۃ یزید بن معاویۃ لعنھما اللہ" درج کیا ہے۔ برٹش میوزیم لندن میں عربی مخطوطات کے منتظم اے۔ جی۔ ایلس نے اپنی مرتبہ فہرست میں ابن جریر طبری کے اس مخطوطہ پر ریمارک دیتے ہوئے کہا ہے کہ کٹر سنّی ابن جریر کی تالیف کو اسی لئے بنظر استحسان نہیں دیکھتے کہ مورخ مذکور کا میلان اور رجحان شیعیت سے اس قدر ہے کہ شیعہ شعار کے مطابق وہ علیؓ و فاطمہؓ اور ان اخلاف کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام و صلوات اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں، بلکہ اکثر شیعہ روایتوں کو اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں (ص۸۰۴ تتمہ فہرست مخطوطات عربی برٹش میوزیم) ان کے معاصرین میں کتنے لوگ تھے جو ان کو مسلکاً شیعہ جانتے تھے۔

خود علامہ ابن کثیرؒ نے جو ان کو "احد ائمۃ الاسلام" کہتے ہیں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب ماہ شوال ۳۱۰ھ میں بغداد میں ان کی وفات ہوئی تو اہل سنت میں سے حنابلہ کی ایک جماعت نے ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا اس لئے ان کو ان کے مکان ہی کے اندر دفن کیا گیا۔

| | |
|---|---|
| ودفن فی دارہ لان بعض عوام الحنابلۃ ورعاعھم منعوا من دفنہ نھاراً ونسبوہ الی الرفض۔ | اور (ابن جریر طبری) کو ان کے گھر میں دفن کیا گیا، کیونکہ بعض عوام حنبلیوں اور ان کے حوالی موالیوں نے ان کی میت کو دن میں دفن نہ ہونے دیا اور ان کو رفض سے نسبت دی، |
| (البدایہ والنہایہ ۱۱ ج ص۱۴۶) | یعنی رافضی بتایا۔ |

یہ تو ان کے معاصرین کی باتیں تھیں، آج بھی ان کی تالیفات کا وقت نظر سے مطالعہ کرنے سے بخوبی واضح ہے کہ ان کا میل اور رجحان شیعیت و تفضیلیت کی جانب کس درجہ رہا ہے۔ ابو مخنف وغیرہ کذابین کی وضعی روایتوں کی اپنی کتاب میں بھرمار بھی اس کا ایک ثبوت ہے۔ پھر حضرت علیؓ سے جن صحابہ کا سیاسی اختلاف رہا ان کی تنقیص میں وضعی روایتوں کو اپنی کتاب میں اکثر و بیشتر درج کیا ہے۔ خصوصاً حضرت معاویہؓ اور یزید بن معاویہؒ کی تنقیص بلکہ سب و شتم کی خرافات کو۔

## راویوں کی غلط بیانیاں

جیسا تفصیلاً عرض ہوا ابو مخنف ہی تنہا اس قسم کی تقریباً نوّے فیصد روایتوں کا راوی ہے

اس نے حضرت حسینؓ کے واقعات خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن اپنی روایتوں میں تصریحاً بیان کئے ہیں اور مورخین نے بلا کسی استفسار کے محض روایت پرستی سے آنکھ بند کر کے نقل اور نقل در نقل کیا ہے ان کی حالت اور کیفیت یہ ہے جیسا کہ گذشتہ اوراق میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اور دن جو ابو مخنف کی روایت سے بیان ہوئے ہیں ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ تاریخ صحیح ہے تو دن غلط، دن صحیح ہے تو تاریخ غلط۔ یہی کیفیت دوسری تاریخوں کی بھی ہے۔ مثالیں پیش کرنے سے پہلے زمانہ ماضی کے سنین ہجری وعیسوی کی تاریخوں کے دن صحت کے ساتھ معلوم کرنے کا فارمولا جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں آیا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے اگر کسی مستند تقویم اور جنتری سے بھی مدد نہ لی جائے تو معمولی استعداد کا شخص اور طالب علم بھی حساب لگا کر تاریخ کے مطلوبہ دن صحت کے ساتھ معلوم کر سکتا ہے۔

## تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا فارمولا

۱۷۵۲ء سے قبل کی تمام تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے لئے یہ کلیہ کام میں لایا جاتا ہے۔ س + ل + د یعنی جس سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو اس سے ایک سال پہلے کے سنہ کو "س" سے ظاہر کیا گیا ہے "ل" لوند لیپ ایر کے ان سالوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے جو اس سنہ سے قبل تک آئے ہوں "د" سے مراد سال رواں کے پہلے دن سے تاریخ زیر بحث تک کے دنوں کی تعداد ہے۔ دنوں کو ہفتہ کے دن سے شمار کیا جاتا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر دل محمد مرحوم کی رسلس نیو اتھیلنٹک (انگلش ایڈیشن)

مثال:۔ کربلا کا واقعہ ۱۰ر اکتوبر ۶۸۰ء کو پیش آیا۔ کلیہ میں "س"، "ل" اور "د" کی جگہ بالترتیب ۶۷۹، ۱۶۹ اور ۲۸۴ درج کر کے ان کے مجموعہ کو (۷) پر تقسیم کرنے سے خارج قسمت ۱۶۱ اور باقی (۵) آتا ہے سنیچر سے (۵) دن آگے چہارشنبہ کا دن ہوتا ہے یہی ۱۰ر اکتوبر ۶۸۰ء مطابق ۱۰ر محرم ۶۱ھ کا دن ہے یعنی بدھ کا دن (ملاحظہ ہو تیوار تھمیٹک دل محمد ایم اے) روایتوں میں جمعہ کا جو دن بیان ہوا ہے وہ غلط ہے۔

واضح رہے کہ عیسوی تقویم میں گریگوری سیزدہم کی اصلاح سے قبل ہر صدی کو لوند کا سال سمجھا جاتا تھا لیکن اب جو صدی (۴۰۰) پر پوری تقسیم ہو جائے وہی لوند کا سال خیال کیا جاتا ہے۔



## غلط بیانیوں کی چند مثالیں

مندرجہ ذیل جدول پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جائے گا کہ دیگر واقعات تو رہے درکنار خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن کتب تاریخ میں بتصریح ماہ و سال درج ہیں ان میں ایسی ایسی فاحش غلطیاں ہیں کہ نہ کسی تاریخ سے دن کی مطابقت ہوتی ہے اور نہ کسی دن سے تاریخ کی تقویم ہجری وعیسوی نیز کلیہ حساب کی رو سے راویوں کی بیان کردہ تاریخ کا جو دن آتا ہے آخری خانہ جدول میں درج ہے اور یہی دن صحیح دن ہے جس کی جانچ بھی کچھ دشوار نہیں مورخ طبری اور دوسرے مورخین نے حسب ذیل الفاظ میں یہ تاریخیں اور دن صراحت سے بیان کئے ہیں:۔

وکان خروج الحسین من مدینه الی مکة یوم الاحد لیلتین من رجب سنة ستین ودخل مکة لیلة الجمعة لثلاث مضین من شعبان فاقام بمکة بقیة شعبان ورمضان وشوال وذیقعدہ وخرج من مکة لثمان مضین من ذی الحجة یوم الثلاثا یوم الترویه

حسینؓ مدینہ سے یکشنبہ کے دن ۲۸ر رجب کو نکل کر مکہ گئے اور جمعہ کی رات میں ۳ر شعبان کو مکہ میں داخل ہوئے پھر بقیہ ماہ شعبان و رمضان و شوال ذیقعدہ مکہ میں مقیم رہے اور ۸ر ذی الحجہ سہ شنبہ کے دن یوم ترویہ کو مکہ سے روانہ ہوئے۔

(ص۲۲۲ ج طبری و ص۱۵۱ ج البدایۃ والنہایہ)

ناسخ التواریخ کے مؤلف بھی یہی کچھ لکھتے ہیں:۔

حسین علیہ السلام یکشنبہ بست وہشتم رجب از مدینہ بیرون شد و روز جمعہ سیم شعبان وارد مکہ گشت۔ یوم ترویہ کہ روز سہ شنبہ ہشتم ذی الحجہ بود از مکہ آہنگ عراق نمود ہماں روز کہ مسلم بر ابن زیاد بیرون آمد و روز دیگر کہ

[1] راقم الحروف کے پیش نظر انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی کی شائع کردہ تقویم ہجری وعیسوی مطبوعہ ۱۹۳۹ء ہے جو ابو النصر محمد خالدی ایم اے (عثمانیہ) نے ایک جرمن مستشرق ویڈورڈ : علے کی تقویم کی مدد سے مرتب کی تھی۔ یہ بڑی کارآمد مستند تقویم ہے۔

یوم عرفہ بود شہید گشت۔ (صفحہ ۲۰۷ ج از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

پھر ورود کربلا کی تاریخ ۲ محرم بتاتے ہوئے صفحہ ۲۵۲ پر لکھتے ہیں کہ

"ایں واقعہ در روز پنجشنبہ دوم شہر محرم الحرام بود"

مورخ طبری بھی حضرت حسینؓ کے قریہ العقر میں وارد ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| ثم نزل (ای العقر) وذلک یوم الخمیس وھو الیوم الثانی من المحرم سنۃ ۶۱ھ (صفحہ ۲۳۲ ج طبری) | پھر (العقر) کے مقام پر اتر پڑے اور یہ دن پنجشنبہ کا تھا اور محرم سنہ ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی۔ |

مورخین کی مندرجہ بالا تصریحات (تاریخ و دن) کا جب موازنہ جدول کے آخری خانہ کے مندرجات سے کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ راویوں کے بیان کئے ہوئے دن اور تاریخیں اس درجہ مختلف و متضاد ہیں کہ کسی طرح لائق و قابل یقین نہیں۔ بلکہ اس شبہ میں قوت پیدا کرنے کا موجب ہیں کہ اس واقعہ حزن انگیز کے اسی نوے ۹۰ برس کی مدت منقضی ہونے کے بعد وضعی روایتوں کے ساتھ ساتھ یہ دن اور تاریخیں بھی وضع ہوئے ورنہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ واقفانِ حال غلط تاریخیں اور دن بیان کرتے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی راوی کا نہ کوئی چشم دید واقعہ ہے اور نہ راویوں میں سے کوئی حسینی قافلہ میں موجود تھا۔ مولف مجاہد اعظم کو اعتراف ہے کہ "سردان اہلبیت" سے کوئی واقعہ مروی نہیں۔ سید الساجدین حالت بیماری میں خیمہ کے اندر تھے، حسن مثنیٰ یا وہ لوگ جو درجہ شہادت پر فائز نہ ہوئے ان سے کوئی واقعہ مروی نہیں۔ جس شخص نے جیسا سنا دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے بیان کر دیا۔ بیان واقعات میں کسی راوی سے سہو ہوا کسی کے طرز بیان نے واقعہ کی اصلیت کو افراط تفریط سے مسخ کر دیا۔" (صفحہ ۱۷۶)

سچ ہے حق برزبان جاری۔ کسی کا کوئی چشم دید واقعہ بیان نہیں ہوا۔



# جدول تاریخ و دن

| نمبر | تاریخیں اور دن جو مورخین نے ابومخنف کی روایت سے بیان کی ہیں | | | | | صحیح دن ازروئے تقویم و کلیہ حساب اور عیسوی سنہ و تاریخ و ماہ سے تطابق | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | تفصیل واقعہ | سنہ | تاریخ و ماہ | دن | صحیح یا غلط | | |
| ۱ | مدینہ سے مکہ کو روانگی | سنہ ۶۰ھ | ۲۸ رجب | یکشنبہ | غلط | جمعہ | ۴ مئی سنہ ۶۸۰ء |
| ۲ | مکہ میں آمد | " | ۳ شعبان | جمعہ | " | چہار شنبہ | ۹ " " |
| ۳ | مسلم کا حملہ گورنر کوفہ پر | " | ۸ ذی الحجہ | سہ شنبہ | " | یکشنبہ | ۹ ستمبر |
| ۴ | مسلم کا قتل ہونا | " | ۹ " | چہار شنبہ | " | دوشنبہ | ۱۰ " " |
| ۵ | مکہ سے عراق کو روانگی | " | ۸ " | سہ شنبہ | " | یکشنبہ | ۹ " " |
| ۶ | العقر (کربلا) پہنچنے کی وضعی تاریخ | سنہ ۶۱ھ | ۲ محرم | پنجشنبہ | " | سہ شنبہ | ۲ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء |
| ۷ | حادثۂ کربلا | " | ۱۰ محرم | جمعہ | " | چہار شنبہ | ۱۰ " " |

۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کا ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء سے مطابق ہونا "مجاہد اعظم" کے شیعہ مولف کو بھی تسلیم۔ ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء کو ازروئے تقویم و کلیہ حساب چہار شنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔

کسی ایک دن یا تاریخ کے بیان کرنے میں سہواً غلطی ہو جاتی تب بھی تاویل کی گنجائش ممکن نہ تھی لیکن یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ ساتوں تاریخیں اور دن جو راویوں کے بیان کردہ ہیں باہم مطابق نہیں، نہ تاریخ دن سے اور نہ دن تاریخ سے حالانکہ یہ سب دن اور تاریخیں حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے ایسے اہم اور ناقابل فراموش دن اور تاریخیں ہیں کہ کمزور سے کمزور یادداشت کا کوئی راوی بھی خواہ اس کا اپنا چشم دید واقعہ بھی نہ ہوتا لیکن اس نے کسی ایسے شخص کی زبانی یہ حالات سنے اور معلوم کئے ہوتے جسے ان کا ذاتی علم تھا تب بھی وہ ایسی فاحش غلطیوں اور غلط بیانیوں کا ہرگز ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔

جب دن اور تاریخیں تک بھی صحیح صحیح بیان نہ ہوئی ہوں تو دوسرے تمام حالات اور واقعات جو جزوی تفصیل کے ساتھ ان کے راویوں نے بیان کئے ہیں جن سے تاریخ کے ورق پر ہیں وہ کیونکر قابل وثوق ولائق یقین ہو سکتے ہیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان واقعات کے بارے میں بقول حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ، شدید تعصب نے راہ اختیار کرلی ہو۔ وقد تطرق التعصب فی الواقعہ اور اس سیاسی مناقشہ کو مذہبی رنگ دے کر وضعی روایات کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہو۔

تاریخوں اور دنوں کے اس بیّن تناقض و تضاد کے علاوہ خود وقوعہ کی جگہ و مقام اور مہینے اور وقت کے بارے میں بھی سب راوی متفق و یک زبان نہیں ایک کچھ بیان کرتا ہے - دوسرا کچھ۔ مورخ طبری نے ابن سعد کے حوالہ سے یہ روایتیں بھی اپنی تاریخ میں درج کی ہیں کہ حضرت حسینؓ محرم کے مہینے میں نہیں ماہ صفر میں قتل ہوئے اور کربلا میں نہیں بلکہ نینوی میں یہ حادثہ پیش آیا تھا - ان روایتوں کے الفاظ یہ ہیں :-

(۱) قال ابن سعد اخبرنا محمد بن عمر قال قتل الحسین بن علی فی صفر سنہ ۶۱ھ وھو یومئذ ابن خمس وخمسین۔
(ص۲۲۳ ج ۶ طبری)

ابن سعد کہتے ہیں کہ محمد بن عمر نے ہم سے بیان کیا حسین بن علیؓ ماہ صفر سنہ ۶۱ھ میں قتل ہوئے۔ اس وقت ان کا سن پچپن برس کا تھا۔



(۱) فقدم (الحسین) العراق فقتل بنینوی یوم عاشوراء سنہ ۶۱ھ۔
(ص۲۲۳ ج طبری)

اور حسینؓ عراق میں آ گئے۔ اور روز عاشورہ سنہ ۶۱ھ کو مقام نینوی میں قتل ہوئے۔

خود ابو مخنف نے بھی نینوی میں حضرت حسینؓ کے اترنے اور پہنچنے کا ذکر دو جگہ کیا ہے۔ مثلاً جہاں یہ وضعی روایت بیان کی ہے کہ "حُر ان کو مجبور کرتا تھا کوفہ کے رُخ پر چلنے کے لئے۔ مگر وہ نہیں مانتے تھے اور آگے بڑھ جاتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح بائیں جانب کو مڑتے ہوئے چلے یہاں تک کہ نینوی پہنچے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حسینؓ اتر پڑے۔ "حتی انتھوا الی نینوی المکان الذی نزل بہ الحسین (ص۲۳۲ ج ۶ طبری طبع اولیٰ مصر)

دوسری جگہ طبری کے اسی صفحہ پر ایک اور روایت کے لفظ ہیں۔ فقالوا دعنا ننزل فی ھذہ القریۃ یعنون نینوی انہوں نے کہا کہ بس ہمیں چھوڑ دو اور اسی قریہ یعنی نینوی میں اتر جانے دو - یہ نینوی جس کا روایتوں میں اس طرح بار بار ذکر آیا ہے وہ قدیم اور مشہور تاریخی مقام ہے جو کربلا (العقر) سے سیکڑوں کوس دور شمال کی جانب موصل کے قریب واقع تھا جہاں اس کے کھنڈر آج تک موجود ہیں کربلا کے قرب میں نینوی نام کسی قریہ کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں۔ قریۃ العقر اگر وہی ہے جس کا عقر بابل کے نام سے ذکر آیا ہے۔ اسی کے مضافاتی میدان کربلا میں ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو اس حادثہ فاجعہ کا واقع ہونا تو اٹم واشہر ہے خصوصاً اس وقت سے کہ معز الدولہ دیلمی نے اپنے زمانہ اقتدار میں ۱۰ محرم کو "ماتم حسین" کا دن مقرر کیا تھا اور سب سے پہلے اس رسم کی بنیاد ۳۵۲ھ میں یعنی واقعہ سے تقریباً تین سو برس بعد اسی نے ڈالی تھی شیعہ مورخ مسٹر جسٹس امیر علی فرماتے ہیں کہ "ماتم حسین" کا بانی مبانی معز الدولہ ہی تھا، وہ اس کے حال میں کہتے ہیں :-

**معز الدولہ :-** "یہ شخص شیعہ تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے محرم کی دسویں تاریخ کربلا کے حادثہ فاجعہ کی یادگار کے طور سے قائم اور مقرر کی تھی"

(ص۳۰۳ شارٹ ہسٹری آف سیرلینز مطبوعہ سنہ ۱۹۲۱ء)

"مجاہد عالم" کے شیعہ مولف بھی عزا داری کی ابتداء ۳۵۲ھ سے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

"سلطنت بغداد کے ضعف پر دیلمی خاندان (بُوَیہ) کو عروج ہوا تو ۳۵۲ھ میں معز الدولہ دیلمی کے حکم سے بغداد میں حسین مظلوم کا علانیہ ماتم منایا گیا۔ اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس طرح بہ تغیر نوعیت آزادانہ مجلس عزا قائم ہوئی۔ یہ رسم بغداد میں کئی برس جاری رہی۔"

(ص ۳۴۳)

علامہ ابن کثیرؒ کے بیان سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں

فی عاشر المحرم من هذه السنة (۳۵۸ھ) امر معز الدولہ بن بویہ بنوح علی الحسین بن علی بن ابی طالبؓ۔

اور اس سنہ (۳۵۲ھ) میں معز الدولہ بن بویہ نے حسین بن علی بن ابی طالب پر ماتم کرنے کا حکم دیا۔

(ص ۲۸۳ ج البدایہ والنہایہ)

---

۱؎ حکم تھا کہ جلوس کے ساتھ بازاروں میں عورتیں بال کھولے سر پیٹتی نکلیں اسلام کی تاریخ میں بُوَیہ خاندان کا عروج سیاہ ترین دور تھا۔ ایک طرف عبیدیوں کا مصر پر تسلط تھا جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بیخ     ہر ممکن کوشش کی اور دوسری طرف یہ بویہ خاندان تھا جو بظاہر خلیفہ کی بیعت میں تھا اور بباطن خلافت کا انتہائی دشمن۔ انہوں نے رفتہ رفتہ خلیفہ کے تمام اختیارات سلب کر کے انہیں عضو معطل بنا دیا تھا نام کو مسلمانوں کا امام موجود تھا اور ہر جمعہ کو منبروں پر اس کے لئے دعائیں کی جاتی تھیں۔ مگر معمولی معمولی باتوں میں بھی امام المسلمین کو یارائے دم     نہ تھا۔ سب اختیار اور تمام قوت معز الدولہ کی تھی ۳۵۱ھ میں بغداد کی مسجدوں میں لکھوا دیا گیا لعنت ہو معاویہ پر لعنت ہو اس پر جس نے فاطمہ کا حق غصب کیا اور انہیں فدک نہ دیا، نیز اس پر جس نے حسنؓ کو ان کے نانا کے پاس دفن نہ ہونے دیا اور لعنت ا    اس پر جس نے ابوذر کو شہر بدر کیا۔"

رات میں مسلمانوں نے یہ عبارت ہر جگہ سے مٹا دی تو دوسرے دن معز الدولہ نے



بہر حال ارض الطف کے قریہ العقر کی مضافاتی زمین کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو اس واقعہ کے پیش آنے کے بارے میں اخبار متواتر مشہور ہیں لیکن اصل صورت واقعہ کیا تھی اس بارے میں ہمارے زمانہ سے آٹھ سو برس پیشتر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ جیسے علامہ زماں فرماتے ہیں کہ:-

جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا تھا یا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تھا تو جاننا چاہیئے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے، اکابر و وزراء اور سلاطین میں سے جو جو اپنے زمانہ میں قتل ہوئے اگر کوئی شخص ان کی یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ قتل کا حکم کس نے دیا تھا کون اس پر راضی تھا اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو اس پر قادر نہ ہوگا کہ اس کی کنہ تک پہنچ سکے اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس میں اور اس کے زمانہ اور موجودگی میں ہی کیوں نہ ہوا ہو، پھر تو اس واقعہ تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے جو دور دراز شہروں اور قدیم زمانہ میں گذرا۔ پس کیونکر

---

اسے دوبارہ لکھوانے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے وزیر المہلبی کے مشورے سے صرف اتنا لکھوا دیا گیا، خدا کی لعنت ہو ان پر جنہوں نے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا اور لعنت ہو معاویہ پر۔"

یہ ابتدا تھی ۳۵۲ھ میں حکم لازم کر دیا کہ عاشوراء کے دن بازار بند رہیں، نانبائی کھانا نہ پکائیں، جگہ جگہ قبے نصب ہوں جن پر سیاہ پردے لٹکائے جائیں اور عورتیں بال کھولے ہوئے بازاروں میں سر پیٹتی نکلیں اور حسین کا ماتم کریں۔"

پھر اسی سال ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر منائی گئی اور ڈھول تاشے پیٹے گئے۔ یعنی محرم کی تمام بدعات اور بدلیات کا بانی یہی معز الدولہ تھا۔ عاشوراء کی اہمیت کے تحت ۱۰ محرم الحرام کا دن اسی طرح مقرر کر دیا گیا جس طرح پولوس نے مشرکین مغرب کے سورج دیوتا کی پیدائش کے دن کو یعنی ۲۵ دسمبر کو سیدنا مسیح علیہ السلام کا یوم پیدائش متعین کیا تھا۔ پولوسیت اور سبائیت قدم بقدم ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

اس واقعہ کی حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے۔ جس پر چار سو برس کی طویل مدت بعید مقام میں منقضی ہو چکی ہو۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں شدید تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہے اسی وجہ سے اس واقعہ کے بارے میں مختلف گروہوں کی طرف سے بکثرت روایتیں مروی ہیں پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت تعصب کے پردوں میں روپوش ہے تو پھر ہر مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے جہاں حسن ظن کے قرائن ممکن ہوں (الیٰ آخرہ)"

(ص ۴۶۴ وفیات الاعیان ابن خلکان بذیل ترجمہ الکیا الہراسی)

امام غزالیؒ کے آخری فقرے کے الفاظ ہیں فھذا الامر لا یعلم حقیقتہ یعنی یہ ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا۔

یہ الفاظ آٹھ سو برس پہلے اس وقت سپرد قلم ہوئے تھے جب واقعہ کی صورت کا ذہنی نقشہ تصویر کشی کے لئے وضعی روایتوں کا اتنا انبار شاید موجود نہ تھا جتنا زمانہ مابعد میں وقتاً فوقتاً یکجا ہوا تاہم جو حقائق ان اوراق میں پیش کئے گئے ان سے واقعہ کی اصلی حقیقت و نوعیت کے انکشاف میں مدد ملنے کے ساتھ ہی اتنا پتہ بالیقین چل گیا کہ ابو مخنف لوط وغیرہ راویوں کی روایتیں خصوصاً ورود کربلا و منع آب اور معرکہ آرائیوں کے بیانات ناقابل اعتبار حقیقت سے بعید بلکہ طبع زاد ہیں کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے علی الخصوص واقعات کی تاریخوں اور دنوں کی تصریحات جن کی تکذیب اس امر واقعہ سے ناقابل تردید طریقہ پر ہو جاتی ہے کہ حسینی قافلہ نو سو پچاس انگریزی اور آٹھ سو عربی میل کی مسافت بعید و دشوار گذار مراحل سے طے کر کے کسی حالت میں بھی بیس بائیس ۲۲ دن میں جائے وقوعہ پر نہیں پہنچ سکتا ۲ محرم ۶۱ھ کو پہنچ جانے کی روایت کے وضع کرنے والے کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ اس تاریخ کو کونسا دن تھا یا اس دن کونسی تاریخ تھی سہ شنبہ صحیح دن کے بجائے پنجشنبہ غلط دن لکھ مارا۔ جب تاریخ اور دن بھی یہ راوی صحیح صحیح نہیں بتا سکتے تو ان روایتوں کی پھر حقیقت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے جو طرح طرح کے مظالم، منع آب اور مصنوعی معرکہ آرائیوں کی بڑے

---

[illegible] الغزالی متوفی ۵۰۵ھ کے زمانہ [illegible] کربلا کو چار سو برس کی مدت گذر چکی تھی۔



آب و تاب سے بیان ہوئی ہیں۔ آٹھ دن پہلے ہی قافلہ کو جائے وقوعہ پر پہنچا دینے کی روایت تو صاف ظاہر ہے اسی مقصد سے وضع ہوئی کہ واقعات کو اصلی رنگ میں پیش کرنے کے بجائے راوی کو اپنے ذہنی سے پیش کرنا تھا۔ ولندیزی محقق دے خوئے (دے زخوی ڈی جی) نے اپنے محققانہ مقالہ میں حادثہ کربلا کے متعلق ایک موقع پر لکھا ہے کہ:۔

کسی دوسرے انجام اور نتیجہ کی توقع اس ناعاقبت اندیشانہ مہم کے سلسلہ میں نہیں کی جاسکتی تھی مگر پیغمبر (صاحب) کے نواسہ علیؓ کے فرزند اور ان کے اتنے اہل خاندان (کے مقتول ہو جانے) کا تعلق اور چونکہ اس حادثہ میں تھا اس لئے حسینؓ کے دلی حامیوں نے جو اپنی درخواستوں و دعوت ناموں کی بنا پر اس حادثہ فاجعہ کا اصلی اور حقیقی سبب ہوئے تھے (انہوں نے بعد میں) اس کو ایک المیہ بنا لیا اور واقعات نے بتدریجاً ایک افسانہ کا رنگ اختیار کر لیا عمر بن سعد (رض) اور اس کے فوجی افسروں کو عبید اللہ (بن زیاد) کو حتیٰ کہ یزید (رح) کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا۔

(ص ۲۹ ج انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن)

## کذب و افترا کی بدترین مثال

دے خوئے جیسے آزاد اور بےلاگ محقق کے آخری فقرے میں عمال کوفہ کے بارے میں جو اشارہ ہے کہ واقعات نے جب تدریجاً افسانہ کا رنگ اختیار کر لیا تو عمر بن سعدؓ وغیرہ کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا وہ اشارہ ان ہی وضعی روایتوں کی جانب ہے۔ عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ خروج حسینی کے زمانے میں صوبہ کوفہ کے امیر عسکر تھے۔ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند ہیں اور حضرت سعدؓ آنحضرت صلعم کے رشتہ میں ماموں سیدہ آمنہ کے ابن عم تھے۔ سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے اور ان چھ صحابہ میں تھے جنہیں حضرت فاروق اعظمؓ نے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ بڑے شجاع تھے تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ جنگ احد میں ان کی تیر اندازی پر نبی کریم صلعم نے ان سے فرمایا تھا۔ (یعنی اے سعد) تیر پھینکے جاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا پھر فرمایا۔ یہ میرے ماموں

(ص ۱۰۱ المعارف ابن قتیبہ طبع اول مصر)

ہیں اور اب لائے کوئی آدمی اپنا ایسا ماموں!

فاتح ایران تھے اور ان صحابہ میں سے تھے جو دولت و ثروت، علوئے مرتبت میں ممتاز رہے ان کی سیاسی زندگی بے داغ تھی۔ حضرت علیؓ جب حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انتخاب خلافت کے لئے کوشاں تھے اپنے فرزند کو ساتھ لے کر گئے اور حضرت سعدؓ سے فرمایا اس کی جو قرابت آپ سے ہے اس کے اعتبار سے میرے حق میں رائے دیجئے۔ وہ شہادت عثمانؓ کے بعد کے جھگڑوں سے قطعاً بے تعلق رہے ان کے اور ان کی اولاد کے تعلقات ہاشمی خاندان سے خلوص و محبت کے قائم رہے۔ حادثہ کربلا سے صرف پانچ سال پہلے وفات پائی۔ ان ہی کے یہ فرزند عمر بن سعدؓ امیر عسکر کوفہ تھے جو نبی کریم صلعم کے عہد مبارک میں تولد ہوئے شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں بر صغار صحابہ ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری انہ ولد فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تولد ہوئے

(ص ۱۷۳ ج ۳)

عہد نبوی کے یہ مولود، نبی کریم کے ماموں کے فرزند، بچپن میں جن کی آنکھیں جمال نبوی سے منور ہوئیں، جنہوں نے عشرہ مبشرہ کے ایک جنتی صحابی کی گود میں پرورش پائی۔ جن کے گھرانے کے چند در چند تعلقات قرابت خاندان نبوت سے قائم تھے۔ جن کے دادا کی حقیقی بہن ہالہ بنت وہب نبی کریم صلعم کے چچا سید الشہداء حمزہؓ کی والدہ ماجدہ تھیں جن کے حقیقی چچا حضرت عامر بن ابی وقاصؓ ان صحابیوں میں تھے، جنہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی، جن کے دوسرے چچا حضرت مخرمہؓ اور ان کے فرزند حضرت المسورؓ نیز چچیرے بھائی حضرت نافع بن عتبہ بن ابی وقاصؓ سب صحبت یافتگان نبوی ہیں وہ صحابی بزرگ تھے جن کی نسبت باطینہ ایسی قوی تھی کہ مابعد کے اولیاء بھی ان صحابہ کرام کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے ان ہی بزرگوں کی گودوں میں، ان ہی کے آغوش محبت و شفقت میں اور ایسے پاک ماحول میں عمر بن سعدؓ نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں۔ خود بھی صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے اور قرابت کے کتنے ہی قوی سلسلے خاندانِ نبوت سے ان کو پیوستہ کئے ہوئے تھے معمولی کردار کا کوئی عرب بھی خصوصاً قریش کے ممتاز گھرانے کا کوئی فرد تعلقات قرابت سے برگشتہ و منحرف نہیں ہو سکتا تھا، یہ تو اہلِ عرب



کا نسلی و خاندانی شیوہ ہی نہیں جبلت تھی۔

نبی کریم صلعم کے تعداد ازدواج کا مسئلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے۔ جن میں بڑی حکمت تعلقات قرابت کے سیاسی اثرات کی تھی کہ ازواج مطہرات کے خاندان اور قبیلے کے لوگ آپ کے جاں نثار بن گئے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت حسینؓ یا ان کے کسی عزیز کے خلاف امیر عسکر عمر بن سعدؓ کی موجودگی میں جابرانہ و متشددانہ فعل تو کجا کوئی سخت رویہ بھی نہیں برتا جا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں وضاعین کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ وحشیانہ مظالم او معرکہ آرائیوں کی وضعی داستانوں کو کس طرز پر مرتب کریں اور کیا وجہ اور کیا سبب ایک ایسے امیر عسکر کی موجودگی اور شمولیت کا بتائیں جس کے یہ حالات ہوں جس کی یہ خاندانی اور آبائی وابستگی خاندان نبوت سے ہو جس کی یہ تعلقات قرابت ہاشمی خاندان سے ہوں جس کی کسی مخالفت خاندانی کا یہ جس کے ذاتی کردار کی کمزوری کا کوئی ادنیٰ ثبوت دستیاب نہ تھا۔ وضاعین نے چنانچہ یہ روایت وضع کر ڈالی کہ عبید اللہ عارضی گورنر کوفہ نے ملک رے کی حکومت کا فرمان عمر بن سعدؓ کے لئے لکھ دیا تھا

(ص ۲۳۲ ج طبری و دیگر کتب تاریخ) اور اس تقرر کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ رے کے موضع دستبی پر فرقہ دیلم نے قبضہ کر لیا تھا۔ یہ سن کر ابن زیاد نے عمر بن سعدؓ کا تقرر کیا اور چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ وہاں جانے کا حکم دیا لیکن حضرت حسینؓ کے کوفہ آنے کی جب خبریں ملیں ان کا جانا ملتوی کر کے مقابلہ پر بھیجنا چاہا، قرابت کا عذر کیا تو ابن زیاد نے کہا یا تو ہمارا فرمان واپس کر دو یا اس کام کو انجام دو۔ رے کی حکومت کے لالچ میں آ کر منظور کر لیا اور یہ شعر بھی وضاعین نے ان کے منہ سے ہی کہلوا ڈالے:

---

۱؎ ابن جریر طبری نے تو اس سلسلہ کی بعض وضعی روایتوں کو نوک پلک درست کر کے درج کتاب کرنا مناسب سمجھا مگر ابو مخنف میں خرافات واہیہ کا جو انبار لگا ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ ابن زیاد نے جب یہ اعلان کیا کہ حسین کا سر جو کوئی دکاٹ کر میرے پاس لے آئے گا (اس صلہ میں) دس برس تک ملک رے کی حکومت پائے گا۔

(ص ۵) پھر امیر عمر بن سعدؓ پر یہ تہمت تراشی ہے کہ ابن زیاد کا یہ اعلان سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یہ کام میں انجام دوں گا۔ انہیں حکم

أأترك ملك الری والری منیتی | کیا میں ملک رے چھوڑ دوں اور ملک
---|---
ام اصبح ماثوما بقتل حسین | رے ہی کی مجھے خواہش ہے یا حسینؓ کے
وقتله النار التی لیس دونها | قتل کے گناہ میں ماخوذ ہوں۔ لیکن ان کے قتل
حجاب وملك الری قرة عینی | کرنے میں دوزخ میں جاؤں گا جس کا کوئی
 | مانع نہیں۔ مگر ملک رے کی حکومت تو میری
 | آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

یہ شعر تو عمر بن سعدؓ کے منہ سے کہلوا دیئے، لیکن یہ بات راوی بھلا کیوں بتاتے کہ اس قریشی کو ملک رے کیوں اتنا محبوب تھا کہ دوزخ کی آگ میں جلنا منظور مگر رے کا ترک کرنا گوارا نہیں۔

---

م ملا کہ جاؤ یہ کام کرو اور ان لوگوں پر پانی بھی بند کر دو۔ انجام دہی کے لئے ایک مہینے کی مہلت مانگی انکار ہونے پر دس دن کی مہلت طلب کی، نامنظور ہوئی تو اٹھ کھڑے ہوئے گھر پہنچے تو مہاجرین وانصار کی اولاد میں لوگ ابن سعد کے گھر میں داخل ہو کر ملامت کرنے لگے کہ تمہارے باپ تو اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے۔ بیعت الرضوان کے شرکاء میں سے تھے اور تم حسین سے لڑنے جا رہے ہو۔ اس پر راویوں نے یہ کلمات ابن سعدؓ کے منہ سے کہلوائے ہیں کہ قتل حسینؓ کے گناہ میں جہنم کی آگ میں جلنا منظور مگر ملک رے کی حکومت چھوڑنا منظور نہیں ابومخنف نے تو آٹھ شعر کا قطعہ لکھ مارا ہے دوسرے وضاعین نے اس سے کچھ کم اشعار ابن سعدؓ سے منسوب کئے ہیں۔ جن میں اسی مضمون کا اعادہ ہے ساتھ ہی ہاتف کی زبان سے جواب میں چند شعر کہلوا دیئے ہیں۔ آخر کا شعر ہے ؎

یعنی اے بدترین خلائق قتل حسین کے بعد تجھے حکومت رے پر فائز ہونا نصیب ہوگا

الغرض یہ ہے وہی روایت جس سے حسین کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔

(صنٰ ۵)



کیا یہ عرب نژاد قریشی بھی عجمی ذہنیت کا تھا' ایک عجمی شاعر نے اصفہان وہمدان وقم و رے ان چار شہروں کو دنیا کے بہترین شہر بتاتے ہوئے رے کو "شاہِ بلاد" کہا ہے۔
معدن مردمی وکانِ کرم وشاہِ بلاد — رتے بود رتے کہ چو رے درہمہ عالم نہ بود
کیا تعجب "شاہ بلاد" کی حکومت کے لالچ کا یہ قصہ بھی اسی عجمی ذہنیت کی اختراع ہو اس روایت کو اتنی شہرت دی گئی کہ ہر مورخ نے اپنے صفحات تالیف میں جگہ دی۔
اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بے تکی روایت کی کوئی تک بھی ہے۔ بیان ہو چکا کہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کے انتظام کے لئے عارضی طور سے بصرہ سے یہاں بھیجا گیا تھا۔[ئے] خود ابومخنف لوط نے ان کی اس تقریر کے فقرے جو کوفہ پہنچتے ہی مسجد جامع کے منبر پر سے کی تھی نقل کئے ہیں جو آپ ان اوراق میں پڑھ چکے ہیں' ان میں انہوں نے کوفیوں سے کہا تھا۔
(ص۲۰۱ ج۶ طبری) یعنی امیرالمومنین نے خدا ان کی بہتری کرے مجھے تمہارے شہر (کوفہ) اور اس کے حدود کا والی مقرر کیا ہے۔ جب وہ کوفہ اور اس کے حدود کا ہی والی تھا تو غیر علاقہ (رتے) کے معاملات سے اس کا کیا تعلق اور واسطہ ایک علاقہ کا والی یا عامل (گورنر) دوسرے علاقے کے والی وعامل (گورنر) کا تقرر کرنے اور تقرر کا فرمان لکھنے اور اپنے مہر اور دستخط سے اس کے اجراء کرنے کا مجاز کیوں اور کیسے ہو سکتا ہے۔ والیوں اور گورنروں کے تقرر وتبادلہ وبرطرفی کا اختیار کلی تو مرکزی حکومت

---

ئے وضعی روایتوں میں یہ لغویات بھی کہی گئی ہے کہ امیرالمومنین یزیدؒ نے اپنے والد کے غلام "سرجون رومی" سے کوفیوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال سن کر وہاں کے انتظام کا مشورہ کیا اس نے عبیداللہ کے وہاں بھیجنے کا مشورہ دیا۔ یہ سرجون جس کا صحیح نام سرجین تھا محکمہ مالیات کا کارکن تھا۔ شاید ایک عیسائی رومی سے اسلامی مملکت کے انتظامی امور میں مشورہ کرنا لبطور تنقیص کے بیان ہوا ہو۔ امیرالمومنین جو اپنے وہ سالہ زمانہ ولیعہدی میں مہمات جہاد کے علاوہ کاروبار خلافت کا عملی تجربہ رکھتے تھے عمال خلافت کی اہلیت اور کارکردگی کی قابلیت سے بذاتِ خود واقف تھے ان کو محکمہ مالیات کے عیسائی کارکن سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ اگر مشورہ کرتے تو حضرت ضحاک بن قیس الفہریؓ صحابی وعامل دمشق جیسے اعیان سے کرتے نہ کہ صیغہ مالیات کے عیسائی کارکن سے۔

کو ہوتا ہے خود اسی کا تبادلہ بصرہ سے کوفہ کو امیر المومنین ہی نے کیا تھا۔ اور انہوں نے ہی جیسا ان کے عہد خلافت کے کوائف ہیں بالصراحت مذکور ہے مدینہ و مکہ و خراسان وغیرہ کے والیوں میں سے کسی کا تبادلہ کیا، کسی کو مقرر کیا، کسی کو خدمت سے سبکدوش کیا غرضیکہ والیوں اور گورنروں کے عزل و نصب کا اختیار سوائے امیر المومنین کے کسی دوسرے والی یا گورنر کو نہیں ہو سکتا تھا اور نہ واقعتہً تھا تو پھر کیا یہ روایت بے اصل بے حقیقت نہیں۔؟

کہاں کوفہ کا عارضی والی گورنر اور کہاں رے کی حکومت پر اپنے ہی ہم رتبہ و ہم مرتبہ والی و عامل کے تقرر کا باختیار خود اجرائے فرمان! ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔ امیر المومنین نے والیوں اور عاملوں کے عزل و نصب کا اختیار نہ اس عارضی والی کو دیا تھا اور نہ ایسا کرنے کی کوئی وجہ تھی اور نہ خود اس کے اپنے بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ شہر اور اس کے حدود کے علاوہ تمام ممالک ایران کا والی تھا۔ البتہ خود کوفہ ہی کے حدود (سرحدوں) میں کسی مقام پر کوئی بغاوت ہوتی ہوتی، کسی فتنے نے سر اٹھایا ہوتا تب بھی اک بات تھی، امیر عسکر کو مع دستہ فوج اس کے دفعیہ کے لئے بھیجا جا سکتا تھا۔ شاید روایت وضع کرنے والے کو جغرافیہ کی معمولی معلومات بھی حاصل نہ تھیں۔ رے کا علاقہ تو کوفہ کے علاقہ سے سیکڑوں کوس دور واقع تھا، درمیان میں کئی علاقے پڑتے تھے رے کے علاقہ میں کہیں کوئی واقعہ پیش آیا تھا، کوئی بغاوت ہوئی تھی۔ اول تو خود وہیں کا عامل تدارک کرتا وہ عاجز و لاچار تھا تو قرب و جوار اور ملحقہ و متصلہ علاقوں کے والی امداد بھیجتے خصوصاً خراسان کے والی جن کے علاقے کی سرحدیں اس سے ملتی تھیں۔ والی خراسان اس زمانہ میں قیس بن الہیثم السلمی تھے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد ہی امیر المومنین یزیدؒ نے مسلم بن زیاد کو ان کے بجائے والی خراسان مقرر کیا تھا انہوں نے بخارا، کرکانج اور خوارزم وغیرہ پر جہاد کئے، بکثرت مال غنیمت حاصل کر کے دربار خلافت کو ارسال کیا (ص۳۵۵ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ ابریل ۱۸۶۰ء و دیگر کتب تاریخ)۔ ان ہی اموال غنائم میں سے کثیر مقدار فیاض طبع و دریا دل امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو اور ان کے جود و سخا کی بدولت اہل مدینہ کو عطا کی تھی جس کا حال ان اوراق میں آپ



ملاحظہ کر رہے ہیں۔ ایران کے بعض علاقے اگر والی کوفہ کے ماتحت بھی قرار دیئے جائیں تب بھی ایک عارضی والی کو جو کار خاص کی انجام دہی کے لئے متعین کیا گیا تھا اس نوعیت سے تقرر کرنے کا نہ اختیار تھا اور نہ موقع اور وقت۔ مبتی موضع و مواضعات جن کا نام اس وضعی روایت میں لیا گیا ہے حسب تصریح صاحب معجم البلدان دنباوند میں شامل اور رے و ہمدان کے علاقوں میں منقسم تھے ان مواضعات کو قزوین کے علاقہ میں بھی شمار کیا گیا (ص۵۵ ج معجم البلدان) رے سے خراسان کے علاقہ کا اتصال شاہراہ اعظم سے تھا" والری علی جادۃ طریق خراسان (ص۵۲ کتاب البلدان) مگر کوفہ سے رے پہنچنے کے لئے کئی علاقوں سے یعنی الدینور و قزوین وغیرہ سے گذر ہوتا تھا بہر حال موضع دستبی میں ایسا کوئی واقعہ پیش بھی آیا تھا اور اس کو اتنی اہمیت بھی حاصل تھی کہ ابن زیاد نے کوفہ پہنچتے ہی کار مفوضہ کی انجام دہی کو تو ملتوی کر دیا حالانکہ جیسا بیان ہو چکا اور خود ان ہی راویوں کی روایتوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ امیر المومنین نے اسے خاص طور سے اسی کام پر مامور کیا تھا یعنی باغیانِ کوفہ کی سرکوبی کر کے امنِ عامہ بحال کرنا اور نظم و نسق سلطنت استوار کرنے کی ایسی موثر تدابیر اختیار کرنا کہ پھر کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکے، یہ وہ کام تھا جسے اس نے کوفہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی عملاً شروع کر دیا تھا۔ باوجود اس کے وضعی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ۔

ابن زیاد نے چار ہزار لشکر جرار کی فراہمی کا دستبی کے لئے چند ہی دن میں انتظام بھی کر لیا اور کوفہ کے امیر عسکر کو رے کی حکومت کا فرمان بھی باختیار خود لکھ دیا اور روانگی کا حکم بھی دے دیا کہ اتنے میں حسینؓ کی آمد آمد کی خبریں پہنچیں، سن کر چونک پڑا، دستبی والی فوج کو روک لیا اور نامزد والی و گورنر سے کہا "پہلے حسینؓ کی طرف متوجہ ہو جب ہمارے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے اس سے فراغت پا جائیں تو پھر تم اپنی خدمت پر (ملک رے کی حکومت پر) چلے جانا" فسر الی الحسین فاذا فرغنا مما بیننا و بینہ سرت الی عملک (ص۲۳۲ ج ۶ طبری)

چنانچہ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت پا جانے کی کیسی کچھ تفصیلات پیش کی ہیں جن سے کتب تاریخ کے اوراق مملو ہیں لیکن کسی راوی یا مورخ نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ جب یہ لوگ "حضرت حسینؓ کے معاملے سے فراغت پا چکے

توپھر حسب قرارداد باہمی اس نامزد والی یا عامل نے ملک رَے جاکر اپنے جدید عہدہ کا چارج کیوں اور کس وجہ سے نہیں لیا بجالیکہ ابن زیاد کی خواہش اور حکم کے مطابق جیسا یہ راوی بیان کرتے ہیں، کیسے کیسے وحشیانہ مظالم کے ساتھ حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت پالی گئی تھی ۔ ملک رَے تو اس نامزد والی یا عامل کا "قرۃ عین" تھا اور اتنا محبوب کہ "قتل حسینؓ" کا ارتکاب کرکے دوزخ کی آگ میں جلنا منظور، مگر آنکھ کی اس ٹھنڈک سے آنکھ پھیر لینا اور ترک کر دینا کسی طرح گوارا نہیں، آخر حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت حاصل کر لینے کا کیا صلہ اس نے حاصل کیا یا اسے دیا گیا ۔ کسی مورخ یا راوی نے یہ بھی بتایا کہ جب یہ نامزد عامل و والی چار ہزار کا لشکر جرار لے کر دستبی کے انتظام کو کسی وجہ خاص سے نہ جا سکا تھا تو اس معاملہ کا آخر کیا انتظام ہوا ۔ کب ہوا کیونکر ہوا ۔ اور کس ذریعہ سے ہوا ۔ ان امور کے پیش نظر راویوں اور مورخوں کی یہ خاموشی کیا معنی خیز نہیں اور کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ابن سعدؓ کے تقرر فراہمی لشکر، موضع دستبی کے واقعہ کی یہ روایت محض طبع زاد اور وضعی ہے اور اس روایت کے وضع کرنے کی جو غرض اور مقصد ہے وہ وہی ہے جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا ہے ۔

## کردار ابن زیاد

امیر عبیداللہ ابن زیاد باغیان کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیرالمومنین کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائض مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے ۔ حضرت حسینؓ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انہیں نہ کوئی ذاتی پرخلش تھی اور نہ بغض و عداوت ؛ وہ تو ان باپ کے بیٹے تھے جو حضرت علیؓ کے معتمد خاص اور ایسے وفادار تھے کہ ان کی شہادت کے بعد بھی عرصہ تک ان کے نام لیوا رہے ابن زیاد کی نیک نیتی کا ثبوت تو ان ہی راویوں کے اس بیان سے ملتا ہے کہ مسلم بن عقیلؓ نے اپنے آخر وقت جو وصیت ابن سعدؓ کو کی تھی کہ قاصد کے ذریعہ میرا یہ پیغام حضرت حسینؓ کو پہنچا دینا کہ کوفیوں نے میرے ہاتھ پر ان کی بیعت کرنے کے بعد بھی بدعہدی اور غداری کی ہے اس لئے ہرگز ادھر کا رخ نہ کریں ۔ مکہ معظمہ ہی کو لوٹ جائیں ۔ ابن زیاد کو ان سے ذاتی دو مخاصمت ہوتی تو مسلم کا یہ پیغام



ان تک کیوں پہنچنے دیتے ۔ انہوں نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ حضرت حسینؓ ادھر نہ آئیں اور راستہ ہی سے پلٹ جائیں ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں ؛ علاوہ ازیں خود امیرالمومنین کے فرمان میں اس کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھالی جائے وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے ۔ یہ چند باتیں تو اس لئے پیش کی گئیں کہ اس روایت کی رکاکت عیاں ہو جائے ورنہ حسینی قافلہ کا موقعہ واردات پر وقوعہ سے ایک دن پہلے بھی پہنچ جانا بعد مسافت اور منازل و مراحل کی تعداد کے اعتبار سے جب محال تھا ممکن الوقوع نہ تھا تو منع آب اور وحشیانہ مظالم کی یہ سب روایتیں ہباءً منثورا ہو جاتی ہیں تار عنکبوت کی سی سکت بھی ان میں باقی نہیں رہتی ۔

## کردار عمر بن سعدؓ

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو "قاتل حسینؓ" کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مورخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افترا ہی ثابت ہوگا ۔ خود ابو مخنف ہی کی روایت ہے کہ حضرت حسینؓ اور ابن سعدؓ کے مابین تین چار ملاقاتیں ہوئیں ۔ انهما كانا التقيا مرارا ثلاثا او اربعا حسين وعمر بن سعد (ص ۲۲۵ ج طبری)

ان ملاقاتوں کے نتیجہ میں اس خط کا ابن زیاد کے پاس بھیجا جانا بتایا گیا ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ تھے :-

| فان الله قد اطفاء النائرة و جمع الكلمة واصلح امر الامة ۔ | خدا نے آتش اختلاف کو بجھا دیا اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا اور امت کی اس سے بہتری چاہی ۔ |
| --- | --- |

(ص ۲۳۵ ایضاً)

اس کے بعد وہ تین شرطیں بھی لکھیں جو مورخین نے نقل کی ہیں ۔ گذشتہ اوراق میں جن کا ذکر آچکا ہے ۔ راویوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ خط پڑھ کر ابن زیاد کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے :-

| هذا كتاب رجل ناصح | یہ خط ایک ایسے شخص نے لکھا ہے |
| --- | --- |